

بَلِّغِ الْعُلَى بِكَمَالِهِ



سید محمد رضا بخاری

بَلَّغَ الْعُلَى بِكَمَالِهِ

(حیاتِ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حصہ اول: مکی دور

حصہ دوم: مدنی دور

حصہ سوم: تکمیل دین

سید حماد رضا بخاری

بَلَّغُ الْعُلَى بِكَمَالِهِ	نام کتاب
سید حماد رضا بخاری	مؤلف
بخاری پبلی کیشنز، فیصل آباد	ناشر
سید حماد رضا بخاری	کمپوزنگ
ڈاکٹر سیدہ شاہین صبا بخاری	پروف ریڈنگ
جنوری ۲۰۱۲ء	طبع اول
۱۰۰۰	تعداد
hrbukhari@hotmail.com	ای میل مؤلف
+923009655650	فون نمبر

نقراظ

جئء الاسلام علامه اظهر حسين بهشتى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٠

دُنیا میں کچھ ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو تاریخ کا رُخ موڑ دیتی ہیں، انہیں میں سب سے اعلیٰ وارفع ہستی جس نے مختصر سے عرصے میں دُنیا میں انقلاب برپا کر دیا، پرچم اسلام کو بلند کیا اور اقدارِ انسانی کو اپنی معراج تک پہنچا دیا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ کریم نے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں یوں قصیدہ کہا، ”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ٠“ (اور بیشک آپ ﷺ خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔ سورۃ القلم آیت ۴) اور آپ ﷺ کی نرم خوئی کے بارے میں کچھ اس طرح بیان فرمایا، ”وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ“ (اے محبوب! آپ ﷺ ان کے لئے اتنے نرم دل ہیں اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ ﷺ کے گرد و پیش سے منتشر ہو جاتے۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹) اور آپ ﷺ کے شرح صدر یعنی وسعتِ قلبی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، ”أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ٠“ (کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کشادہ نہ کیا۔ سورۃ الشرح آیت ۱) آپ ﷺ کا اخلاق، آپ ﷺ کی نرم خوئی اور آپ ﷺ کا شرح صدر ہی تھا جس کی بدولت آپ ﷺ کی تحریکِ اسلام اور یہ انقلاب کامیاب ہو گیا۔ اسلام کی نشر و اشاعت آپ کے کردار کی بلندی کی وجہ سے تھی نہ کہ تلوار کے ذریعے۔ بعض اوقات دشمنانِ اسلام کی طرف سے یہ اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا تھا اور اس کی طرف داری بعض نام نہاد مسلمانوں نے بھی کر ڈالی جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام رسول

اکرم ﷺ کے کردار کا پرتو ہے، اگر اسلام میں جنگوں کا جائزہ لیا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ ساری جنگیں دفاعی جنگوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور پھر اگر قرآن کو حکم مان کر اس سے فیصلہ لیا جائے تو قرآن مجید واضح طور پر اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام رسول اکرم ﷺ کے اعلیٰ کردار کے ذریعے دُنیا میں پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر جیسا کہ مندرجہ بالا آیات آپ کی نظر سے گزریں۔ قرآن مجید نے رسول اکرم ﷺ کی تمام زندگی کو انسانیت کے لئے اُسوة قرار دیا اور فرمایا، 'لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ' (بیشک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ) کی ذات میں (پیروی کے لئے) بہترین نمونہ ہے۔ (سورۃ احزاب آیت ۲۱)

بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو تلوار کے زور پر اسلام پھیلانے اُس کی زندگی کو تمام انسانیت کے لئے اُسوة اور نمونہ قرار دے دیا جائے؟ لہذا اس مقام پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ یہ نظریہ کن لوگوں کا ہے؟ آیا حامیان اسلام کا ہے یا دشمنان اسلام کا؟

قارئین محترم! آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب برادر عزیز سید حماد رضا بخاری صاحب کی ایک بہترین کاوش ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنی گزشتہ کاوش، 'صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا' کی طرح اہل اسلام کے مختلف مکاتب فکر کی روایات کو یکجا کیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف جو توہین آمیز روایات نقل کی جاتی ہیں اُن کا بہترین اسلوب میں جواب بھی دیا ہے۔ بخاری صاحب ایک سچے عاشق رسول ہیں، اس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعے کے دوران خود بخود ہو جائے گا۔ خداوند متعال ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کے زورِ قلم میں مزید اضافہ فرمائے۔

والسلام

اظہر حسین بہشتی

۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ ہجری

نقراظ

جئے الاسلام علامہ سید مزمل نقوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تاریخ کے دامن میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ حقائق بھی اور افسانے بھی۔ قصے بھی اور کہانیاں بھی۔ رموز بھی اور اشارات بھی۔ تفصیل بھی اور اجمال بھی۔ سچ بھی اور جھوٹ بھی۔ یہ تو محقق کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح حقائق کو سچے موتیوں کی طرح چننا اور سچ کو جھوٹ سے الگ کرتا ہے۔ سیرت کی کتب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ سیرت نگاروں نے عمداً یا سہواً بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو صاحب سیرت کی شان کے منافی ہوتی ہیں۔ بعد میں آنے والے مصنفین بھی تبصرہ کئے بغیر انہی باتوں کو نقل کر دیتے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ایک عام قاری الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔

بردار محترم سید حماد رضا بخاری ایسی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی روایت ان کے زیرِ قلم آجائے تو اُس پر بحث ضرور کرتے ہیں۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنا نظریہ تو بیان کرتے ہیں لیکن قاری پر تھوپنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قاری کے ذہن کو جستجو کی راہیں دکھاتے ہیں۔ حق بھی یہی ہے۔ قرآن و سنت کا پیغام یہی ہے۔ تدبر کرنا قرآن کی آرزو ہے۔ غور و فکر کرنا انبیاء اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت ہے۔ اسی سے انسان آگے بڑھتا ہے۔ ارتقائی منازل طے کرتا ہے اور اپنے مقصدِ تخلیق کو پالیتا ہے۔ یوں خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب بلغِ العلیٰ بکمالہ اپنے نام کی طرح ایک مفرد تالیف ہے۔ رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار پر فاضل محقق کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ جسے اپنا کرنے صرف ایک عام فرد بلکہ

زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا باشعور اہل علم و ذوق انسان اپنی زندگی کو عظیم انسانی قدروں کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں اس ذات والا صفات کی سیرت بیان کی گئی ہے جسے خدا نے اسوۂ حسنہ اور انسانیت کے لیے نمونہ عمل قرار دیا ہے۔ حبیب کبریاء ﷺ جیسے انسان کامل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس کے لیے فاضل مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

خدا ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور وہ اپنے ترشحاتِ قلم سے لوگوں کو مستفید کرتے رہیں۔
(آمین)

سید مزل نقوی

۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۶ ہجری

۱۸ اپریل ۲۰۱۵ء

jabir.abbas@yahoo.com

jabir.abbas@yahoo.com

فہرست

حصہ اول

(مکئی دور)

31	ہدیہ
32	انتساب
33	مقدمہ
36	نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق
42	نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلا ب طیبہ سے ارحام مطہرہ کی طرف انتقال
47	نسب گرامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
48	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد
48	حضرت ابراہیم علیہ السلام
56	حضرت اسماعیل علیہ السلام
60	حضرت فہر قریش
61	حضرت قصی
61	حضرت عبد مناف
62	حضرت ہاشم
64	حضرت عبد المطلب شعیبہ الحب علیہ السلام
69	حارث بن عبد المطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
69	حضرت امیر حمزہؓ بن عبد المطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
69	حضرت عباسؓ بن عبد المطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

- 71 زبیر بن عبدالمطلب (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
- 71 حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب علیہ السلام (عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
- 74 حضرت علی علیہ السلام (برادر رسول صلی اللہ علیہ وسلم)
- 77 عمات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- 79 حضرت عبد اللہ علیہ السلام (والد گرامی نبی صلی اللہ علیہ وسلم)
- 81 سیدہ آمنہ علیہا السلام (والدہ ماجدہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم)
- 82 طلوعِ سحر (ولادتِ باسعادت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) ۵۲ قبل ہجرت، ۵۷۱ء
- 89 سطح کا بن کی خبر
- 91 یہودی عالم یوسف کی خبر
- 92 شام سے ابنِ حواش المقبل کی خبر
- 95 اسمائے گرامی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
- 98 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت اور حضرت علی علیہ السلام کا استثناء
- 99 رضاعت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
- 101 روایت شق الصدور
- 102 روایت شق الصدور کا تنقیدی جائزہ
- 109 وفاتِ حضرت سیدہ آمنہ علیہا السلام (۴۷ قبل ہجرت/ ۵۷۷ء)
- 109 کم سنی میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی رحلت کا فلسفہ
- 110 کفالتِ جناب نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم
- 112 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کے لیے حضرت ابوطالبؑ کی نامزدگی
- 113 حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ سفرِ شام (۴۰ قبل ہجرت/ ۵۸۲ء)
- 115 سفرِ شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی
- 123 عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور بَہل، لات و عزیٰ وغیرہ
- 124 شرک و بُت پرستی اور فسق و فجور سے سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت

- 125 حَرْبِ فُجَار (۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)
- 126 حَرْبِ فُجَار میں حضور ﷺ اور حضرت ابوطالبؓ شریک نہیں تھے
- 127 حَلْفُ الْفُضُول (۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)
- 128 حضور ﷺ کا بھیڑ بکریاں چرانا
- 130 مکہ مکرمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش
- 131 حضرت خدیجہ الکبریٰؓ علیہا السلام
- 133 حضرت خدیجہ الکبریٰؓ علیہا السلام کے ساتھ تجارتی شراکت
- 136 نبی ﷺ کے بارے میں بزرگ راہب سے خالد بن اسید اور طلحہ کی گفتگو
- 138 ابوالموہب راہب کی خبر
- 140 حضرت خدیجہ الکبریٰؓ علیہا السلام سے عقد (۲۷ قبل ہجرت/ستمبر ۵۹۵ء)
- 142 حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور ﷺ سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی
- 144 حضور ﷺ کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید
- 149 ازواجِ نبی ﷺ
- 155 رسول اللہ ﷺ کو اپنی پسند کے مطابق ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار
- 159 اولادِ نبی ﷺ
- 161 حضرت قاسمؓ کی ولادت (۲۵ قبل ہجرت/۵۹۸ء)
- 162 حضرت علیؓ ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت (۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل/۶۰۰ء)
- 166 خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور حضور ﷺ کا تدبیر اور انصاف (۱۸ قبل ہجرت/۶۰۵ء)
- 167 غارِ حرا میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت گزاری
- 169 پہلی وحی اور آغازِ بعثت (۱۲ قبل ہجرت/۶۱۰ء)
- 173 حضور ﷺ کے لقب ”اُحی“ کی وضاحت
- 176 ہوائف، جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ کی گواہی
- 185 عتوہ کھجور

- 186 دعوتِ ذوالعشرہ (سنہ ۴ بعثت، ۹ قبل ہجرت / ۶۱۴ء)
- 191 قریش کا ظلم و ستم
- 193 ہجرت حبشہ (رجب ۷ قبل ہجرت / اپریل ۶۱۵ء)
- 199 دارالارقم (سنہ ۶ بعثت)
- 200 معاشرتی مقاطعہ (محرم ۷ قبل ہجرت / ستمبر ۶۱۵ء)
- 206 رومیوں کی شکست کی پیش گوئی (سنہ ۸ بعثت، ۵ قبل ہجرت، ۶۱۸ء)
- 207 معجزہ شق القمر (سنہ ۹ بعثت)
- 210 معجزہ شق القمر اور ہندو مہاراجے
- 210 مہاراجہ کیرالمالابار
- 213 مہاراجہ مالی بارسامری
- 214 ریاست کھاڑی کے راجا کنورسین اور وزیر بن سین
- 220 ریاست دھار کے راجا بھوج
- 221 ریاست بھوپال کے راجا بھوپال
- 223 معراج النبی ﷺ (اہل سنت کی نظر میں)
- 232 معراج النبی ﷺ (اہل تشیع کی نظر میں)
- 235 معراج جسمانی یا معراج روحانی؟
- 237 بُراق
- 238 واقعہ معراج پر اہل مکہ کا ردِ عمل
- 241 معراج کا سفرنامہ
- 249 شجرہ طوبیٰ
- 252 سدرۃ المنتہیٰ
- 253 نمازوں میں تخفیف کی درخواست
- 254 مقصدِ معراج

- 262 کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟
- 265 امکانِ معراج
- 267 قرآن کی گواہی
- 269 واقعہ معراج پر چند اور دلائل
- 272 معراج اور صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- 275 درودِ ابراہیمی
- 276 ولادت حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء علیہا السلام (۵ بعثت، سنہ ۴۶ عام الفیل / ۶۱۳ء)
- 278 حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت / ۶۱۹ء)
- 284 حضرت ابوطالب کے بعد قریش کی دست درازیاں
- 284 اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات (۳ قبل ہجرت / ۶۱۹ء)
- 285 حضرت سودہ بنت زمعہؓ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ سے عقد (۳ قبل ہجرت)
- 286 طائف (سنہ ۱۰ بعثت، ۲۷ شوال ۳ قبل ہجرت / فروری، مارچ ۶۱۹ء)
- 291 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنّات کی حاضری
- 294 قبیلہ خزرج کی ایک جماعت کا قبولِ اسلام (سنہ ۱۱ بعثت)
- 295 بیعتِ عقبہ اولیٰ (سنہ ۱۲ بعثت، ذوالحجہ ۱ قبل ہجرت / ۶۲۱ء)
- 297 بیعتِ عقبہ ثانیہ (سنہ ۱۳ بعثت، ۳ ماہ قبل ہجرت / جون ۶۲۲ء)
- 299 ہجرتِ مدینہ (۱۳ بعثت / ۶۲۲ء)
- 299 حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر
- 303 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں
- 305 خیمہ اُمّ معبد عاتکہ میں روشنی
- 307 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیہ مبارک

حصہ دوم

(مدنی دور)

- 317 سنہ ایک ہجری
- 317 اسلام میں سنہ ہجری کا اجراء
- 318 رسول اللہ ﷺ کی قبائیں تشریف آوری (۸ ربیع الاول ہجری / ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء)
- 322 مسجد قبا (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 323 قبیلہ اوس اور خزرج میں دیرینہ دشمنی کا خاتمہ (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 325 پہلی نماز جمعہ (۱۲ ربیع الاول سنہ ہجری)
- 326 پہلی نماز جمعہ کا خطبہ (۱۲ ربیع الاول سنہ ہجری)
- 328 نماز جمعہ کا باقاعدہ آغاز
- 328 مدینہ منورہ
- 331 مسجد نبوی کی تعمیر (ربیع الاول ہجری / اکتوبر ۶۲۲ء)
- 335 نماز کی رکعتوں کا تعین (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 337 اذان و اقامت (ربیع الاول ہجری / اکتوبر ۶۲۲ء)
- 338 ہمدردوں کی وفات (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 339 بنو نجار کے نئے قائد (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 340 مہاجرین کی آباد کاری (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 340 مواخات (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 343 زراعت و تجارت
- 344 میثاق مدینہ (دنیا کا پہلا تحریری دستور)
- 346 میثاق مدینہ کا متن (۱ ہجری / ۶۲۲ء)
- 353 میثاق مدینہ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

- 353 رینالڈ ایلین کولسن
- 354 جولیس ویل ہاسن
- 356 سرتھامس واکر آرٹلڈ
- 357 لیفٹیننٹ جنرل سرجان بیگٹ گلپ پاشا
- 357 روبن لیوی
- 358 جوزف ہیل
- 359 فرانسکو جبریلی
- 360 ویلیئم ٹنگمری واٹ
- 361 ہیو این کینیڈی
- 363 ایڈورڈ گینن
- 363 ماؤرس گاؤ فرائے ڈی مامبائز
- 364 حضرت سلمان فارسی ؓ کا قبول اسلام (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)
- 368 حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کا قبول اسلام (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)
- 369 زکوٰۃ کا حکم (۱ ہجری/ ۶۲۲ء)
- 369 دفاعی منصوبہ بندی (رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)
- 372 جہاد (رمضان المبارک ۱ ہجری/ مارچ ۶۲۳ء)
- 373 غزوہ اور سریہ وغیرہ کی تعریف
- 376 سریہ حمزہ بن عبدالمطلب ؓ یا سریہ سیف البحر یا سریہ عیمص (رمضان ۱ ہجری)
- 377 قریش کے تجارتی قافلوں پر حملوں کی تردید
- 379 سریہ رابغ یا سریہ عیدہ بن حارث ؓ (شوال ۱ ہجری/ اپریل ۶۲۳ء)
- 380 حضرت عائشہ ؓ کی رخصتی (شوال ۱ ہجری، اپریل ۶۲۳ء)
- 380 سریہ خزرا یا سریہ سعد بن ابی وقاص (ذیقعدہ ۱ ہجری/ مئی ۶۲۳ء)
- 381 سنہ ۲ ہجری

- 381 غزوہ وڈان اور غزوہ ابو (ماہ صفر ۲ ہجری / اگست ۶۲۳ء)
- 382 غزوہ بواط (ربیع الاول یا ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء)
- 383 غزوہ سفوان یا غزوہ بدر اُولى (ربیع الثانی ۲ ہجری / اکتوبر ۶۲۳ء)
- 384 غزوہ عُشیرہ (جمادی الاول یا جمادی الثانی ۲ ہجری / نومبر، دسمبر ۶۲۳ء)
- 384 حضرت علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب کی وجہ
- 386 سریہ دار ارقم (سنہ ۲ ہجری)
- 386 علم
- 387 سب سے پہلا علم
- 387 سریہ عبداللہ بن جحش یا سریہ بخلفہ (رجب ۲ ہجری / جنوری ۶۲۴ء)
- 390 تحویل خانہ کعبہ (شعبان سنہ ۲ ہجری / جنوری، فروری ۶۲۴ء)
- 391 روزہ (شعبان دو ہجری / فروری ۶۲۴ء)
- 392 غزوہ بدر (۱۷ یا ۱۹ رمضان المبارک / ۱۳ یا ۱۵ مارچ ۶۲۴ء)
- 392 غزوہ بدر کا پس منظر
- 393 وفات
- 395 سچا خواب
- 397 لشکرِ کفار کی جنگ کے لئے روانگی
- 399 لشکرِ کفار کی تعداد
- 399 لشکرِ کفار کا سامانِ حرب
- 399 جبرائیل علیہ السلام کی اطلاع اور مجلس مشاورت
- 402 لشکرِ اسلام کی روانگی
- 403 اسلامی لشکر کی تعداد
- 403 لشکرِ اسلام کے علم اور علمبردار

- 404 اسلامی لشکر کا سامانِ حرب
- 404 اسلامی لشکر کا بدر میں پڑاؤ
- 407 عریش
- 408 حق و باطل کا ٹکراؤ
- 413 جنگ میں ملائکہ کی مدد
- 416 حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شجاعت
- 417 علی علیہ السلام کے ہاتھوں تیغ ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام
- 417 دیگر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہونے والے چند مشہور کافروں کے نام
- 418 ابو جہل بن ہشام کا انجام
- 420 اُمیہ بن خلف کا انجام
- 421 عقبہ بن ابی معیط کا انجام
- 422 ابوالختر بن ہشام کا قتل
- 423 ابولہب کا انجام
- 425 شہدائے بدر کے اسمائے گرامی
- 427 بدر سے واپسی
- 428 نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجام حضرت ابو ہند انصاری رضی اللہ عنہ
- 429 اسیرانِ بدر
- 430 اسیرانِ بدر کی رہائی
- 432 سریہ عمیر بن عدی (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری)
- 433 غزوہ قرقرة الکدی یا غزوہ الکدر (۲۵ رمضان ۲ ہجری / ۲۱، ۲۰ مارچ ۶۲۳ء)
- 434 عید الفطر اور صدقہ فطر (۲۸ رمضان المبارک ۲ ہجری / ۲۴ مارچ ۶۲۳ء)

- 435 سر یہ سالم بن عمیر (۲ ہجری / ۶۲۴ء)
- 435 غزوہ قبیق (۱۵ شوال ۲ ہجری / ۱۱۰ اپریل ۶۲۴ء)
- 439 سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا نکاح (یکم ذی الحجہ سنہ ۲ ہجری)
- 443 حضرت علی علیہ السلام کی زبانی شادی کی روایت
- 446 خاتونِ جنت علیہا السلام کا حق مہر
- 447 سیدہ کونین علیہا السلام کی رخصتی
- 451 ملکہ کونین سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام کا جہیز
- 454 غزوہ سویق (۵ ذوالحجہ ۲ ہجری / ۲۹ مئی ۶۲۴ء)
- 456 شاعر اُمیہ بن صلت کی موت
- 457 سنہ ۳ ہجری
- 457 نماز عید قربان اور قربانی (۱۰ ذی الحجہ ۲ ہجری / ۳ جون ۶۲۴ء)
- 457 غزوہ ذی امر، غزوہ بنی ام، غزوہ انمار، غزوہ غطفان (ربیع الاول ۳ ہجری)
- 460 سر یہ محمد بن مسلمہؓ (۱۴ ربیع الاول ۳ ہجری / ۴ ستمبر ۶۲۴ء)
- 464 امام مہدیینؑ کے پیغام اور فتویٰ کا مکمل متن
- 465 غزوہ نجران یا غزوہ بنو سلیم (ربیع الآخر ۳ ہجری / ستمبر، اکتوبر ۶۲۴ء)
- 466 حضرت حفصہؓ سے نکاح (شعبان ۳ ہجری / فروری ۶۲۵ء)
- 466 ولادت امام حسن علیہ السلام (۱۵ رمضان ۳ ہجری، ۲۸ فروری ۶۲۵ء)
- 468 غزوہ اُحد (۶ شوال ۳ ہجری / ۲۲ مارچ ۶۲۵ء)
- 468 اُحد کی وجہ تسمیہ
- 468 غزوہ اُحد کا پس منظر
- 472 لشکرِ کفار

- 474 مسلمانوں میں اختلاف رائے
- 475 لشکرِ اسلام
- 476 روانگی
- 476 منافقین کی غداری
- 477 عینین کا درہ
- 478 آغازِ جنگ
- 482 ابتدائی فتح
- 483 حضرت حمزہ ؓ کی شہادت
- 484 مالِ غنیمت کا لالچ اور درہ عینین والوں کی غلطی
- 488 شیر خدا علی ابن ابی طالب ؑ کی شجاعت و استقامت
- 492 انجام
- 494 رسول اللہ ﷺ کا جہاد
- 498 نبی ﷺ اور علی ؑ کی تلواریں حضرت فاطمہ ؑ کے سپرد
- 499 واقعاتی تسلسل سے متعلق ایک اہم وضاحت
- 500 جنگ میں مسلمان خواتین کی خدمات
- 501 جاں نثارانِ اُحد کا مختصر تذکرہ
- 501 حضرت علی ابن ابی طالب ؑ
- 501 حضرت امیر حمزہ ؓ
- 502 حضرت امیر حمزہ ؓ کی شہادت کا پس منظر
- 504 حضرت ابو دجانہ انصاری ؓ
- 506 حضرت عمرو بن جموح ؓ

- 507 رافع بن خدیجؓ اور سمرہ بن جندبؓ
- 508 حضرت مصعب بن عمیرؓ
- 508 حضرت سعد بن ربیعؓ
- 509 حضرت زیاد بن سکنؓ
- 510 حضرت حظلہؓ غیل السلاک
- 512 حضرت اُم عمارہ انصاریہؓ
- 512 یہودی خریق کی جاں نثاری
- 513 حضرت عمرو بن ثابتؓ
- 513 شہدائے اُحد کی تجہیز و تدفین
- 514 شہدائے اُحد کا ماتم
- 515 حضرت زینب بنت خزمہؓ سے نکاح
- 515 غزوہ حراء الاسد (ہفتہ ۱۶ شوال ۳ ہجری / ۱۱ اپریل ۶۲۵ء)
- 517 سنہ ۴ ہجری
- 517 سریہ ابوسلمہؓ مخزومی (یکم محرم ۴ ہجری / ۱۳ جون ۶۲۵ء)
- 517 سریہ عبداللہ بن انیسؓ (۵ محرم ۴ ہجری / ۱۷ جون ۶۲۵ء)
- 518 رجب کا المیہ (صفر ۴ ہجری / جولائی، اگست ۶۲۵ء)
- 522 المیہ بڑ معونہ / سریہ منذر بن عمرو / سریہ القری (صفر ۴ ہجری / جولائی اگست ۶۲۵ء)
- 524 غزوہ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۵ء)
- 527 غزوہ ذات الرقاع (جمادی الاول ۴ ہجری / اکتوبر، نومبر ۶۲۵ء)
- 529 ولادتِ امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان ۴ ہجری (۷ جنوری ۶۲۶ء)
- 530 رضاعتِ امام حسین علیہ السلام

- 531 شہزادوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھے
- 531 شہزادوں کے نام اللہ نے حجاب میں رکھے تھے
- 531 حسنین علیہ السلام کے نام اہل جنت کے نام ہیں
- 532 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسنین علیہ السلام میرے بیٹے ہیں
- 532 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہی ان کا نسب ہوں
- 533 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی مشابہت
- 534 حسنین علیہ السلام وارثانِ اوصافِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
- 534 حسنین علیہ السلام تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں
- 535 حسنین علیہ السلام سے محبت کرنا واجب ہے
- 535 حسنین علیہ السلام سے بغض رکھنے والا مغضوب ہے
- 535 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنین علیہ السلام کی خاطر منبر سے نیچے تشریف آوری
- 535 حسنین علیہ السلام پشتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
- 536 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طوالتِ سجدہ
- 536 کیا اچھے سوار ہیں
- 537 حرمتِ شراب (۴ ہجری)
- 541 حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح (شوال ۴ ہجری / مارچ ۶۲۶ء)
- 541 غزوہ بدر الموعود یا بدر الاُخریٰ (ذیقعد ۳ ہجری / اپریل ۶۲۶ء)
- 542 وفاتِ حضرت فاطمہ بنتِ اسد (۴ یا ۵ ہجری / سنہ ۶۲۶ء)
- 543 سنہ ۵ ہجری
- 543 غزوہ دومۃ الجندل (۲۵ ربیع الاول ۵ ہجری / ۲۴ اگست ۶۲۶ء)
- 544 غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق (شعبان ۵ ہجری / ۲۸ دسمبر ۶۲۶ء)
- 545 حضرت جویریہؓ سے نکاح

- 545 حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح
- 548 غزوہٴ احزاب یا جنگِ خندق (ذیقعد یا شوال ۵ ہجری)
- 549 دشمنانِ اسلام کی پیش قدمی
- 550 لشکرِ کفار کی تعداد
- 550 لشکرِ اسلام کی تعداد
- 550 خندق
- 552 خندق کی حدود
- 552 لشکرِ کفار کی آمد
- 553 بنو قریظہ کی بغاوت
- 556 بنو قریظہ کی بغاوت کا سد باب
- 557 مقابلہ
- 559 عمرو بن عبدود
- 561 شیر خدا کی جنگ
- 569 عمرو بن عبدود کے ساتھی
- 570 علیؑ کے ہاتھوں ایک اور پہلوان کا قتل
- 570 مشرکین کی خفت
- 572 اختتامِ جنگ
- 574 کفار کا فرار
- 575 غزوہٴ بنو قریظہ (ذیقعد ۵ ہجری / مارچ ۶۲۷ء)
- 579 حضرت سعد بن معاذؓ کی نامزدگی کی وجہ
- 581 بنو قریظہ کا انجام
- 585 حضرت سعد بن معاذؓ کی شہادت
- 586 حضرت ابولہبؓ کی پشیمانی

- 589 حجاب کا حکم (یکم ذیقعد ۵ ہجری / ۲۳ مارچ ۶۲۷ء)
- 593 سنہ ۶ ہجری
- 593 سریہ محمد بن مسلمہؓ یا سریہ نجد (۱۰ محرم ۶ ہجری / یکم جون ۶۲۷ء)
- 593 غزوہ بنو لحيان (یکم ربیع الاول ۶ ہجری / ۲۱ جولائی ۶۲۷ء)
- 594 غزوہ ذی قرد یا غزوہ غابہ (ربیع الاول ۶ ہجری)
- 595 سریہ غمر یا سریہ عکاشہ بن محصنؓ (ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)
- 595 سریہ ذی القصہ یا سریہ بنو ثعلبہ (ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)
- 595 سریہ جھوم (ربیع الآخر ۶ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۷ء)
- 596 سریہ وادی القری (رجب ۶ ہجری / نومبر دسمبر ۶۲۷ء)
- 596 سریہ علی مرتضیٰ علیہ السلام یا سریہ فدک (شعبان ۶ ہجری / جنوری ۶۲۸ء)
- 597 حدیبیہ کا معرکہ (یکم ذیقعد ۶ ہجری / ۱۲ مارچ ۶۲۸ء)
- 603 بیعت رضوان
- 609 صلح نامہ حدیبیہ کے نکات
- 610 معاہدہ حدیبیہ پر تبصرہ
- 611 حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح (ذی الحجہ ۶ ہجری / اپریل مئی ۶۲۸ء)
- 612 سنہ ۷ ہجری
- 612 مکتوبات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یکم محرم ۷ ہجری / ۶۲۸ء)
- 615 مکتوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنام ہرقل، قیصر روم
- 617 ہرقل، قیصر روم کا خط
- 618 مکتوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنام شاہ فارس (ایران)، کسریٰ پرویز
- 619 مکتوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنام شاہ حبش اصحم نجاشی
- 621 شاہ حبش نجاشی کا خط
- 622 شاہ حبش نجاشی کا دوسرا خط

- 622 مکتوب رسول ﷺ بنام والی مصر
- 624 حاکم مصر مقتوقس کا خط
- 624 مکتوب رسول ﷺ بنام شاہ یمامہ ہوذہ
- 625 شاہ یمامہ ہوذہ کا خط
- 626 مکتوب رسول ﷺ بنام منذر بن حارث بن ابی شہر غسانی یا حارث بن شمر غسانی
- 627 خسیبر (محرم ۷ ہجری / مئی جون ۶۲۸ء)
- 628 جنگ خسیبر کا پس منظر
- 629 لشکر اسلام کی روانگی
- 631 رسول خدا ﷺ اور شیر خدا علیہ السلام کی علالت
- 631 مسلمانوں کی خیر فتح کرنے کی کوشش ناکام
- 631 فاتح خیبر کا انتخاب اور عطائے علم
- 636 جناب امیر علیہ السلام کا انداز ورود
- 637 شجاعت علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تورات کی گواہی
- 637 شیر خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی جنگ
- 641 نبی کریم ﷺ کا خیبر کے یہودیوں پر کرم
- 641 حضرت صفیہؓ
- 642 مرحب کا قتل حضرت علی علیہ السلام کی بجائے محمد بن مسلمہ کے کھاتے میں
- 645 یہود کی سازش
- 646 آفتاب امامت کے لئے آفتاب فلک کی واپسی
- 647 فدک
- 651 وادی القریٰ
- 651 مہاجرین حبشہ کی واپسی
- 652 پہلا ورود مکہ، عمرۃ القضاء (ذی القعدہ ۷ ہجری / مارچ ۶۲۹ء)

- 653 سنہ ۸ ہجری
- 653 منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- 655 ریاض الحجۃ
- 655 سریہ موتہ (جمادی الاول ۸ ہجری / اگست ستمبر ۶۲۹ء)
- 658 جنگ یاسپائی؟
- 659 جنگ
- 661 شکست خوردہ اسلامی فوج کا مدینہ کے باہر استقبال

حصہ سوم (تکمیل دین)

- 664 فتح مکہ (۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری / یکم جنوری ۶۳۰ء)
- 664 عہد شکنی
- 665 تہنیک معاہدہ اور پھر کچھتاوا
- 666 سفیر قریش کی کوشش ناکام
- 666 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رازداری اور مسلمانوں کی غداری
- 668 مدینہ منورہ سے روانگی
- 669 سفر میں روزے کی عزیمت
- 669 مکہ کے نواح میں پڑاؤ
- 669 ابوسفیان کی گرفتاری
- 671 اسلامی جاہ و جلال کی ہیبت
- 674 حضرت سعد بن عبادہ کی سہو و خطا
- 675 مکہ میں ہانچل

- 676 مکہ کی طرف پیش قدمی
- 679 عام معافی کا اعلان
- 682 بت شکنی اور تطہیر کعبہ
- 685 حضرت بلالؓ کی اذان
- 685 مکہ میں مختصر قیام
- 686 غزوہ حنین (شوال ۸ ہجری/ جنوری فروری ۶۳۰ء)
- 692 جنگ اوطاس و طائف
- 694 انصار کا احساس محرومی اور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ایجاز و بلاغت
- 695 حضرت ابراہیم کی ولادت (شوال ۸ ہجری/ فروری ۶۳۰ء)
- 696 سنہ ۹ ہجری
- 696 غزوہ تبوک، غزوہ بھیش العسرت، غزوہ فاحمہ (رجب ۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)
- 698 علی علیہ السلام کو مدینہ میں چھوڑنے کی وجہ
- 701 اصحاب عقبہ
- 703 ہذا طیبہ
- 704 راس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی موت
- 704 مسجد ضار کی تخریب کاری (۹ ہجری/ نومبر ۶۳۰ء)
- 707 خانہ کعبہ میں مشرکوں کے داخلے پر پابندی، ایک تاریخی اعلان
- 709 فتوح اسلامی کے بیرونی قبائل پر اثرات
- 709 حاتم طائی کے بچوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اکرام
- 710 مسابله
- 715 آیت تطہیر اور حدیث کساء
- 718 اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- 719 مفہوم اہل بیت (علیہم السلام)، اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کی درخواست کی روشنی میں

- 728 اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا
- 729 سنہ ۱۰ ہجری
- 729 فتح یمین (رمضان المبارک سنہ ۱۰ ہجری)
- 732 حجۃ الوداع (ذیقعد ۱۰ ہجری)
- 736 حج تمتع کا حکم
- 737 غدیر خم (۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری)
- 737 علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل تشیع کی نظر میں
- 741 علی علیہ السلام کی جانشینی کا اعلان اہل سنت کی نظر میں
- 747 غدیر خم کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تاکید
- 748 سنہ ۱۱ ہجری
- 748 مدینہ کی طرف واپسی اور سریہ اسامہ بن زید حارثہ (۲۶ صفر ۱۱ ہجری)
- 750 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور آخری ایام حیات
- 750 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ بہ جنت البقیع
- 750 حضرت علی علیہ السلام کو وصال سے متعلق وصیت
- 751 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ
- 752 واقعہ قصاص
- 755 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں
- 756 حدیث قرطاس
- 758 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ
- 758 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت برائے غسل، کفن و دفن
- 760 بیٹی اور بھائی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو
- 762 لخت جگر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری راز و نیاز
- 764 ہزار بابا ابواب علم

- 766 سپردگی میراث
- 769 جبرائیل علیہ السلام کی عیادت
- 769 ملک الموت کا اجازت طلب کرنا
- 772 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت
- 774 سبب رحلت
- 774 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل
- 776 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن
- 776 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ
- 777 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دفن
- 780 شب وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام
- 782 مصحف حضرت فاطمہ علیہا السلام
- 783 اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
- 784 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک
- 785 گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل
- 786 گھر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل
- 787 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز گفتگو
- 789 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دخول و خروج اور شست عام
- 789 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل و مجالس
- 790 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت
- 792 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم و درگزر
- 794 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت
- 797 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و اطوار
- 798 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ خاص عادات

- 798 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی
- 799 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم
- 800 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج
- 802 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طعام
- 803 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ مشروب
- 804 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس
- 804 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلحہ وغیرہ
- 805 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر اشیائے مصرف
- 806 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر
- 806 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سرمایہ
- 808 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور روزہ
- 808 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور عمرے
- 809 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبولیت دعا
- 811 مختصات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- 818 معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
- 843 اوصاف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر آسمانی کتب میں
- 847 اللہ تعالیٰ کا تمام انبیاء کرام سے عہد لینا
- 848 حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر
- 854 مآخذ



بَلَّغَ الْعُلَى بِكَمَالِهِ

(حیاتِ طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حصہ اول

(مکئی دور)

سید حماد رضا بخاری

ہدیہ

میں اس کتاب کو

نہایت عجز و انکساری اور عقیدت و احترام کے ساتھ

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رحمت میں

ہدیہ کرتا ہوں۔



انتساب

رسولِ معظم ﷺ کے عظیم المرتبت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام



مُقَدِّمَةٌ

درود و سلام اور فضائل درود پر لکھی گئی اپنی پہلی تالیف ”صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا“ کی تکمیل کے بعد میری شدید خواہش تھی کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیاتِ طیبہ پر لکھنے کی سعادت بھی حاصل کروں۔ میری خوش بختی ہے کہ آج سے یہ سعادت میری زندگی کا حصہ بننے جا رہی ہے۔ سیرۃ النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر لکھی گئی کئی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ پہلے بھی، زندگی کے مختلف ادوار میں، اور خصوصاً کتاب ہذا کی تالیف کے دوران بھی۔ سیرتِ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک موضوع بیکراں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کے ہزار ہا پہلو ہیں، ہر پہلو دوسرے سے الگ اور اپنی جگہ حُسن و کمال کا ایک مکمل پیکر ہے۔ شاید یہی وجہ رہی ہو کہ کچھ اصحاب نے محبت و عقیدت میں سرشار ہو کر لکھتے ہوئے اپنی کتب کو ایسا رنگ دے دیا کہ اُن کی کتابیں سیرۃ النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کتب کی بجائے کوئی ادبی شاہکار معلوم ہوتی ہیں جن میں جا بجا رنگین الفاظ، تشبیہات اور استعارے نظر آتے ہیں۔ اور بعض کتابیں تو یوں لگتی ہیں جیسے محض مجموعہ احادیث ہوں۔ میں نے ان دونوں طریقہ ہائے اظہار سے گریز کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سیدھے سادھے اور سادہ پیرائے میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیاتِ طیبہ بیان ہو۔

سیرۃ النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر لکھی گئی اکثر کتب میں بعض ایسی مشہور و معروف روایات بھی پائی جاتی ہیں جو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شان و عظمت کے منافی ہیں۔ ممکن ہے اُن روایات کو اپنی کتابوں میں شامل کرنے والوں نے اُن میں کوئی نہ کوئی پہلو یا تلاش کر لیا ہو جو اُن کے حساب سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعریف و توصیف کے زمرے میں آتا ہو لیکن میرے نقطہ نظر سے اُن روایات کا مجموعی تاثر عظمتِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے منافی جاتا ہے، اس لیے میں نے اُن کو کتاب ہذا میں شامل ہی نہیں کیا اور اگر کسی کو شامل کیا ہے تو اُس پر اپنا استدلال پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

علاوہ ازیں ایسی کتب کی تعداد بھی کم نہیں جن میں تاریخِ موعظ کر کے خود ساختہ روایات شامل کی گئیں ہیں جو سراسر توہینِ رسالت کے زمرے میں آتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ توہینِ رسالت پر مبنی کتابیں اور فلمیں تیار

کرنے والے ملعونوں نے ایسی ہی کتب سے مواد حاصل کر کے یکجا کیا ہے۔ ایسی ناپاک سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تاریخ کو درست کیا جائے اور نبی گرامی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے حقیقی پہلو دنیا کے سامنے لائے جائیں۔ اس کے لیے علماء کرام کو چاہیے کہ مل بیٹھ کر ایسی کتب سے تمام غیر حقیقی اور خود ساختہ مواد خارج کریں اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ، تاریخ اسلام اور احادیثِ مبارکہ کی ایسی کتب ترتیب دیں جو حقائق پر مبنی ہوں اور ہر قسم سے پاک ہوں۔ ”بَلَّغُ الْعُلَى بِكَمَالِهِ“ مجھ جیسے طالب علم کی طرف سے ایسی ہی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔

سیرت النبی ﷺ کے بیان میں ضروری ہے کہ لفظ ”سیرت“ کی وضاحت ہو جائے کیونکہ اس کے بغیر ”سیرت نبی ﷺ“ کی توضیح نہیں کی جاسکتی۔ لفظ ”سیرت“ عربی لغت میں ”سیر“ سے اخذ کیا گیا ہے۔ ”سیر“ یعنی حرکت کرنا اور چلنا وغیرہ اور ”سیرت“ یعنی حرکت کرنے اور چلنے کا انداز۔ ”سیرت“ وزن پر ہے ”فِعْلَلَة“ کے اور عربی زبان میں ”فِعْلَلَة“ دلالت کرتا ہے نوعیت پر۔ مثلاً ”جَلْسَة“ یعنی بیٹھنا اور ”جَلْسَة“ یعنی بیٹھنے کا انداز، اسی طرح ”سیر“ کا مفہوم ہے چلنا اور ”سیرت“ کا مطلب ہے چلنے کا انداز۔ پس سیرۃ النبی ﷺ سے مراد نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل ہے نہ کہ عمل اور جن لوگوں نے سیرت کے عنوان سے کتابیں لکھی ہیں ان میں سے اکثر نے پیغمبر ﷺ کے عمل کو تحریر کیا ہے نہ کہ عمل کے انداز کو، لہذا وہ کتابیں ”سیر“ کے زمرے میں آئیں گی نہ کہ ”سیرت“ کے۔ یہ ایک گہرا نکتہ ہے۔ میں نے زیر نظر کتاب ”بَلَّغُ الْعُلَى بِكَمَالِهِ“ میں رسول اللہ ﷺ کی ”سیر“ اور ”سیرت“ دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

جب ایسی عظیم ہستی کا ذکر ہو تو ظاہر ہے کہ تاریخ اور احادیث کی مستند کتب ہی سے روایات و واقعات لیے جاتے ہیں، آپ زیادہ سے زیادہ ان روایات کو سلیس زبان میں بیان کر سکتے ہیں یا بعض اوقات موضوع کے اعتبار سے مختصر کر سکتے ہیں۔ میں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن کچھ مقامات پر محض اس وجہ سے کہ کہیں روایت میں تحریف کا گمان نہ گزرے، میں نے حوالہ کی کتاب سے پورے کا پورا واقعہ بعینہ درج کیا ہے۔ بعض واقعات ایک ہی باب میں دو یا دو سے زیادہ بار بیان ہوئے ہیں، اس تکرار کی وجہ یہ ہے

کہ مختلف روایات میں اُن کا ذکر بھی الگ انداز میں آیا ہے اور میں نے کوشش کی ہے کہ قاری کو مختلف روایات سے آگہی حاصل ہو جائے تاکہ کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل نہ رہے۔

کتاب ہذا میں چند روایات ایسی ہیں جو عیسائی یا یہودی راہبوں اور کفار وغیرہ کے بیانات پر مبنی ہیں۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں حضور ﷺ کے لیے ”تم، تمہارا، اُس، اُسکا، اُسے“ وغیرہ جیسے الفاظ یعنی صیغہ واحد استعمال کیا تھا، روایات میں عموماً الفاظ و فقرات بعینہ لکھے جاتے ہیں لیکن میں نے یہاں ایسے تمام الفاظ کو احتراماً ”آپ، آپکا، انہیں، اُنکا“ جیسے الفاظ یعنی جمع کے صیغے سے تبدیل کر دیا ہے اور بریکٹ میں ”ﷺ“ کے الفاظ شامل کیے ہیں جو کہ اُن لوگوں کی زبان سے فطری معلوم نہیں ہوتے لیکن ہمارے اہل علم و دانش قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری زبان اور قلم سے حضور ﷺ کے لیے واحد کا صیغہ استعمال ہونا اور اسم گرامی بغیر صلوات کے ادا ہونا، ہماری فطرت کے خلاف ہے۔

ہماری بد قسمتی ہے کہ ہمارے ”دین واحد“ کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ مختلف مسالک اور فرقے اور پھر ان فرقوں کے اندر مزید گروہ بن گئے ہیں۔ میں ہمیشہ سے اتحادِ بین المسلمین کا خواہاں رہا ہوں اس لیے میں نے اپنی اس تالیف میں کسی ایک مسلک کی روایات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے معروف مسالک کی کتب سے روایات کو یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔

میں، علامہ اظہر حسین بہشتی صاحب اور علامہ سید مظل نقوی صاحب کا بے حد ممنون ہوں جن کی راہنمائی کتاب ہذا کی تالیف کے دوران میرا حوصلہ بڑھاتی رہی اور میرے زحش قلم کو ہمیز کرتی رہی۔ انہوں نے نہایت باریک بینی سے کتاب کا مطالعہ کر کے اس میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی اور اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کی صحت و زندگی میں برکت فرمائے۔ آمین۔

سید حماد رضا بخاری

فیصل آباد۔ پاکستان

۰۸ جنوری ۲۰۱۴ء

فون: +92 300 9655650

ای میل: hrbukhari@hotmail.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَآلِه الطَّيِّبِيْنَ الطَّهَرِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ ۝

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق

اللہ کے حبیب، نبی آخر الزمان جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ عظیم ترین شخصیت ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کو کسی بھی حوالے سے کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ اور بلند تر ہیں۔ ”أُصُولِ کَافِي“ میں ہے کہ امیرِ المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے کسی چیز کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر پیدا نہیں کیا، راوی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردارِ اولادِ آدم تھے؟“ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمام مخلوق کے سردار ہیں اور خدا نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں کی۔^①

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی کی مثل ہیں اور نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہو سکتا ہے۔ خالق کائنات، خالق اکبر اور سب سے عظیم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے محبوب ہیں لہذا اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معیارِ عظمت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے۔ ایک عام سی بات ہے کہ جو جیسا ہوگا اُس کا معیار بھی ویسا ہی ہوگا، پروردگارِ عالم کیونکہ خود اعلیٰ و ارفع ہے اس لیے اُس کا معیار بھی اُسی کی طرح اعلیٰ و ارفع اور ہر خامی سے پاک ہے جس کا عکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال و کردار میں یوں نظر آتا ہے کہ زباں

① مولانا سید ظفر حسن، مستطاب الشافی (ترجمہ اُصولِ کافی، شیخ محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ) ج ۳ ص ۷

بے ساختہ پکار اُٹھتی ہے:

بَلَّغِ الْعُلَى بِكَمَالِهِ ۝ كَشَفِ الدُّجَا بِجَمَالِهِ ۝

حَسُنْتَ جَمِيعُ خَصَالِهِ ۝ صَلُّوا عَلَيْهِ وَآلِهِ ۝

(آپ ﷺ اپنے کمال سے بام عروج پر پہنچے۔ اپنے حُسن و جمال سے اندھیروں کا دامن چاک کیا۔ آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ خوبصورت ترین خصال کا مجموعہ ہے۔

آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی آلِ پاک ﷺ پر درود و سلام ہو۔)

کوئی اپنے محبوب کے بغیر کب تک رہ سکتا ہے؟ اگر بس میں ہو تو شاید ایک پل بھی نہیں، تو کیا وہ رَبِّ لَمْ يَزَلْ جَوَازِلْ سے ہے اور خالقِ عالم ہے، ساری کائنات کو بنالینے کے باوجود اپنے محبوب کا انتظار ربيع الاول سنہ ایک عامِ افیل، ۵۷۰ عیسوی تک کرتا رہا؟ نہیں! عقلِ سلیم یہ نہیں مانتی اور نہ ہی یہ حقیقت ہے کیونکہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کے نور کو تخلیقِ کائنات سے بھی پہلے خلق فرمایا تھا اور پھر آپ ﷺ ہی کے نور سے کائنات کو بنایا۔ توراتِ سفرِ اوّل، عجائبُ القصص، سراجُ القلوب اور عرائسِ ثعلبی وغیرہ میں ہے، ”خداوندِ عالم نے نورِ اقدسِ محمدی ﷺ سے ایک جوہرِ سبز کو پیدا کیا پھر اُس پر نگاہِ ہیبت ڈال کر اُسے پانی کر دیا، پھر اُس پانی سے عرش و کرسی، لوح و قلم، زمین و آسمان، شمس و قمر، جنت و دوزخ، رات و دن، جملہ ملائکہ اور جنات نیز بہت سی چیزیں پیدا کیں۔“^① یعنی پہلے اپنے محبوب ﷺ کا نورِ خلق فرمایا اور پھر اُس نور سے دوسری مخلوق کو پیدا کیا۔ آپ ﷺ کے نورِ وجود کی تخلیقِ بروایت، حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ۹ لاکھ سال پہلے اور بروایت ۴ یا ۵ لاکھ سال قبل ہوئی تھی۔^②

① علامہ نجم الحسن کراروی، تاریخِ اسلام، ج ۵ ص ۴۵، بحوالہ عجائبُ القصص، سراجُ القلوب، عرائسِ ثعلبی

② علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۵

آپ ﷺ کا نورِ اقدس، اصلاّبِ طاہرہ اور ارحامِ مطہرہ میں قیام کرتا ہوا جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے صلب تک پہنچا تو حضرت آمنہ بنت وہب کے بطن سے آپ ﷺ کا ظہور و شہود بشکلِ انسانی ہوا۔ علامہ نجم الحسن کراوی صاحب ”تاریخ اسلام“ میں بیان کرتے ہیں کہ خالق کائنات نے اپنی مخلوقِ اوّل میں اپنے کمال و جمال کو سمو کر ”نور محمدی ﷺ“ کو اپنی پہلی مخلوق کی صورت میں ظاہر فرمایا جو لا جواب اور بے مثل و بے نظیر ہے۔ وہ کمال و جمال میں مظہرِ ذاتِ باری ہے۔ اُس کو مثل و مثال سے پاک رکھا اور دُور کی اور مماثلت سے بچانے کے لیے اُس کے جسم کے قریب سایہ تک کو نہیں آنے دیا۔ اسی بارے میں خود رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں، ”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي“ (خدا نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا)۔ یہ نور چونکہ کمالِ ذاتی کا مظہر تھا اس لیے ٹھیک اُسی طرح جس طرح آفتاب سے شعاع نکلتی ہے (احادیث میں یہ تعبیر سمجھانے کے لیے کی گئی ہے) اپنے نورِ ذاتی کی شعاع سے اُسے خلق فرمایا، پھر حکم دیا کہ سجدہ میں چلا جا، چنانچہ یہ نور سو سال تک سجدے میں پڑا رہا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا، ”فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ“^① یعنی میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں۔

علامہ مجلسی ”حیات القلوب“ میں روایت کرتے ہیں کہ یہ واقعہ کائنات کی تخلیق سے چار لاکھ چوبیس ہزار سال پہلے کا ہے۔^② جب کہ علامہ عبدالواحد حنفی ”عجائب القصص“ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ تخلیقِ عالم سے نو لاکھ برس قبل کا ہے۔ یہ نورِ مقدس ہزاروں سال حجابِ قدرت میں رکھا گیا جہاں یہ خداوندِ والجلال کی تسبیح کرتا رہا۔ ”عرائس المجالس ثعلبی“

① سُورۃ زخرف، آیت ۸۱

② علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۲۲

اور ”حیاتِ القلوب“ میں علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ خَلَّاقِ عالم نے نُورِ محمدی ﷺ سے ساری کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اس نُورِ اقدس کو زیرِ عرشِ اعظم منتقل کر دیا۔ یہ نُور اس جگہ بہتر ہزار سال عبادتِ خدا کرتا رہا پھر وہاں سے بہشت میں منتقل کیا، وہاں ستر ہزار سال موعبادت رہا پھر سدرۃ المنتہیٰ میں منتقل کر دیا، اس جگہ ستر ہزار سال عبادت کرتا رہا پھر آسمانِ ہفتم میں منتقل کیا، وہاں سے آسمانِ ششم پر پہنچایا اور اسی طرح آسمانِ اول پر پہنچا دیا۔ یہ نُورِ مُقدس وہاں اپنے خالق کی عبادت کرتا رہا یہاں تک کہ مَشِیَّتِ ایزدی حضرت آدم علیہ السلام کی متقاضی ہوئی اور جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق عمل میں آئی۔^①

علماء کا بیان ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تو اس مقدس نُور کو اُن کے صُلب میں رکھا گیا۔ روایت ہے کہ حضرت معاذؓ نے جناب رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ حضور ﷺ! آپ (ﷺ) خلقتِ آدم علیہ السلام سے پہلے کہاں مُقیم تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم سب عرش کے سامنے خدا کی تسبیح و تقدیس اور تحمید و تمجید کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت معاذؓ نے دریافت کیا کہ حضور (ﷺ)! اُس وقت آپ حضرات کی بیعت کیا اور کیسی تھی؟ فرمایا کہ ہم پہلے اِثْبَاح کی طرح تھے، جب خدا نے ہمیں صورت عطا کرنا چاہی تو ایک نُور کی شکل میں صُلبِ آدم علیہ السلام میں رکھا اور پھر صُلبِ پدر سے رحمِ مادر میں منتقل کرتا رہا، اس انتقالِ مکانی کے عہد میں ہم تک کسی قسم کی کوئی نجاست نہیں پہنچی۔^②

جس طرح حضور ﷺ تخلیق میں افضل و اول ہیں اسی طرح مرتبہ نبوت میں بھی اول ہیں۔ پس حدیثِ پاک میں ہے کہ میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) اپنے خمیر میں تھے۔

① علامہ نجم الحسن کراروی، تاریخ اسلام، ج ۱ ص ۴۵ بحوالہ حیاتِ القلوب، عرائس ثعلبی، عجائب القصص،

کشف الانوار، ترجمہ فارسی بحار جلد ۹ ص ۲۲۹

② علامہ نجم الحسن کراروی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام، ج ۱ ص ۴۶

میسرۃ الفخر سے مروی ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول خدا (ﷺ)! آپ (ﷺ) کب سے مقام نبوت پر فائز ہیں؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میں اُس وقت سے صفت نبوت سے موصوف ہوں جبکہ آدم (علیہ السلام) رُوح و جسم کے درمیان تھے یعنی ابھی اُن کی رُوح اقدس کا جسد اطہر سے تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔^①

میسرہ سے ہی منقول ہے کہ میں نے بارگاہ نبوت (ﷺ) میں عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! آپ (ﷺ) کب سے بنے ہوئے ہیں؟ تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ رب العزت نے زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کا ارادہ فرمایا اور اُن کو سات طبقات کی صورت میں تخلیق کیا اور عرش کو (ان سے قبل) ایجاد فرمایا تو عرش کے پائے پر ”مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ“ (محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں) لکھا اور جنت کو پیدا فرمایا تو میرا نام جنت کے دروازوں پر، اُس کے درختوں کے پتوں اور اہل جنت کے خیموں اور قبوں (گنبد، برج) پر لکھا، حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام کی روح اور جسم کا باہم تعلق قائم نہیں ہوا تھا۔ پس جب اُن کی روح کو جسم میں داخل فرمایا اور زندگی عطا فرمائی تب انہوں نے عرش معظم کی طرف نگاہ اٹھائی تو میرے نام کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ محمد (ﷺ) تمہاری اولاد کے سردار ہیں۔ جب اُن کو شیطان نے دھوکہ دیا تو انہوں نے بارگاہ الہی میں توبہ کی اور میرے نام سے ہی شفاعت طلب کی یعنی میرے نام کو وسیلہ بنایا۔ یہی مضمون حضرت ابو ہریرہ سے ”ترمذی“ میں اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ”طبرانی کبیر“ میں منقول ہے اور بقول ابن ربیع اس کو اہل سنت کے آئمہ، بخاری نے ”تاریخ“ میں اور احمد نے ”مسند“

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۱۴۔ مرقاة، ج ۱۱ ص ۵۸۔

عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ لوفابا حوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۴۵

میں نقل کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ نیز ابو نعیم نے اس کو ”دلائل النبوة“ میں حضرت ابو ہریرہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا، ”كُنْتُ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرُهُمْ فِي الْبَعْثِ“ یعنی ”میں تخلیق میں سب انبیاء سے مُقَدَّم ہوں اور بَعثت میں سب سے آخری ہوں۔“ قابلِ غور امر یہ ہے کہ ان صحابہ کرامؓ نے اپنا سوال اور جناب سرورِ عالم ﷺ کا جواب نقل کیا ہے، اگر اُن کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا وجود عالم عناصر کے ظہور سے قبل نہیں تھا تو صحابہ کرامؓ کا سوال عبث اور آنحضرت ﷺ کا جواب غلط (نعوذ باللہ من ذالک) تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ صحابہ کرامؓ نے یہ جان لیا تھا کہ جس ذاتِ اقدس نے عالم عناصر میں مُو فرما ہونے کے چالیس سال بعد اعلانِ نبوت فرمایا، نہ تو وہ اب نبی بنے ہیں اور نہ ہی چالیس سال قبل وجود میں آئے بلکہ وہ موجود بھی پہلے سے ہیں اور شرفِ نبوت سے مشرف بھی پہلے سے ہی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے اُن کی تائید و تصدیق فرما کر اپنے اصلی مقام و شان کو واضح فرمایا کہ میں اُس وقت سے موجود ہوں جب ابولبشر (علیہ السلام) کا وجود نہیں تھا اور میں صرف موجود نہیں تھا بلکہ تاجِ نبوت اور خلعتِ رسالت بھی زیب تن کیے ہوئے تھا۔^(۱)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اگر محمد (ﷺ) موجود نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا۔ تحقیق جب میں نے عرش کو پیدا کیا تو وہ میری ہیبت و جلالت سے لرز نے لگ گیا۔ جب میں نے اُس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ لکھا تو اُس کو سکون و قرار آ گیا۔^(۲)



^(۱) عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۶۶

^(۲) عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۸۸

نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

کا اصلا ب طیبہ سے ارحام مطہرہ کی طرف انتقال

نور حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)، حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ حضرت حوّا کے بطن میں جناب شیت علیہ السلام آئے تو وہ نور حضرت حوّا کی پیشانی میں جلوہ گرہوا اور جب حضرت شیت علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نور ان کی پیشانی سے ظاہر ہونے لگا۔

زرارہ، بحوالہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے پنجشنبہ (جمعرات) کے دن وقت عصر کے بعد آسمان سے ایک خوریہ کو بصورت انسان بھیجا جس کا نام ”مَنْزَلہ“ (بعض روایات کے مطابق ”محاوِلہ بیضا“) تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ شیت کا نکاح اس کے ساتھ کر دو، چنانچہ انہوں نے اُس خوریہ کا نکاح شیت علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ دوسرے دن وقت عصر کے بعد ایک اور خوریہ کو بصورت انسان نازل فرمایا جس کا نام ”مَنْزَلہ“ تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے دوسرے صاحبزادے یافث کی شادی اس کے ساتھ کر دو۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں میں باہمی مناکحت کر دی۔ ان شادیوں کے بعد حضرت شیت علیہ السلام کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور یافث کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس طرح چچا زاد اولادوں کے باہمی رشتہ ازواج سے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اسی پاک اور جائز طریقہ سے انبیاء اور مرسلین بھی پیدا ہوئے۔^(۱)

حضرت شیت علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت ائوش (آنوش) کتاب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ نام اس طرح آیا ہے، اس باب میں بریکٹ میں دیئے گئے باقی نام بھی اسی کتاب^(۲) سے لیے

^(۱) علامہ نجم الحسن کراروی، تاریخ اسلام، ج ۱ ص ۱۰۵ بحوالہ علامہ جزائری، النور المبیین فی قصص الانبیاء

والمرسلین ص ۶۶ تا ۶۸۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۱ ص ۴۹

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

گئے ہیں۔ مؤلف) کی ولادت ہوئی تو نُورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جناب اُنُوش (آنوش) علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا پھر یہ نُورِ مبارک حضرت اُنُوش سے اُن کے فرزند قینان کی جانب، اُن سے مہلائیل (محل ایل/ملہل ایل) کی طرف، اُن سے یارد کی جانب، اُن سے اُنخون/اُنخوع (حنوک) کی طرف جنہیں ادریس علیہ السلام بھی کہتے ہیں، اُن سے متوش (متوشح/متوشاخ) کے پاس، اُن سے ملک (لاک/لمک) کی جانب اور اُن سے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ نوح علیہ السلام سے سام (سم)، سام سے اُن کے فرزند ارفخشذ (ارکشاڈ/ارکسد)، اُن سے اُن کے بیٹے عابر (عیر)، اُن سے قانع (فانج/فلج)، اُن سے اَرغو (رعو)، اُن سے شارِغ (سروج)، اُن سے ناحور (نخور)، اُن سے تارخ کی طرف اور پھر اُن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب منتقل ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام، اُن سے قیدار، اُن سے ہیمس، اُن سے بنت، اُن سے سحِب، اُن سے اود، اُن سے.... عدنان، اُن سے معد، اُن سے نزار، اُن سے مغیر (مضر)، اُن سے الیاس علیہ السلام، اُن سے مدبر، اُن سے خزیمہ، اُن سے کنانہ، اُن سے قصی، اُن سے لوی، اُن سے غالب، اُن سے فہر، اُن سے عبدمناف اور اُن سے جناب ہاشم کی جانب منتقل ہوا جن کو عَمَرُو الْعَلَا بھی کہا جاتا تھا۔

(کتاب رحمۃ اللعالمین کے مؤلف قاضی محمد سلیمان، کنانہ سے حضرت ہاشم تک سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں: کنانہ سے نضر، اُن سے مالک، اُن سے فہر، اُن سے غالب، اُن سے لوی، اُن سے کعب، اُن سے مرہ، اُن سے کلاب، اُن سے قصی، اُن سے عبدمناف اور اُن سے ہاشم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نُور حضرت ہاشم سے اس حد تک ساطع تھا کہ جب وہ مسجد الحرام میں داخل ہوتے تھے تو کعبہ اُن کے نُور سے روشن ہو جاتا تھا۔ آپ کے چہرہ اقدس سے ہمیشہ ایک روشنی آسمان کی جانب بلند ہوتی تھی۔ پھر وہ نُورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے فرزند حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی طرف پھر حضرت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بزرگوار جناب عبد اللہ علیہ السلام کی طرف، یعنی یکے بعد دیگرے پاک پشتوں اور پاک رحوں میں منتقل ہوتا رہا تا آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ولادت باسعادت ہوئی۔^(۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ حبیبِ کبریا ﷺ میں عرض کیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے تو حضور والا ﷺ اُس وقت کہاں تھے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اُن کی پشت میں تھا اور جب اُن کو زمین پر اتارا گیا تو اُس وقت بھی میں اُن کی پشت میں تھا اور جب نوح علیہ السلام طوفان کے ایام میں کشتی پر سوار تھے تو اُس وقت میں اُن کی پشت میں تھا اور کشتی میں سوار تھا۔ جب میرے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کو آگ میں پھینکا گیا تو میں بھی اُن کی پشت میں ہونے کی وجہ سے آگ میں پھینکا گیا۔ میرے آباؤ اجداد اور اُمہات و جدات کبھی بھی بُرائی کے مرتکب نہیں ہوئے، اللہ رب العزت مجھے ہمیشہ پاکیزہ رکھتے ہوئے پاک پشتوں سے پاک رچوں کی طرف منتقل فرماتا رہا۔ جب بھی میرا قبیلہ دو شاخوں میں تقسیم ہوا، میں اُن میں سے بہترین شاخ میں منتقل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ ميثاق میری ہی نبوت کا انبیاء کرام سے عہد لیا۔ تو راتِ موسیٰ (علیہ السلام) میں میری بشارت دی اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی انجیل میں میرے نام کی تشبیہ فرمائی۔ فرشِ زمین میرے جمالِ رُخِ انور سے روشن رہے گا اور سقفِ آسمان میرے دیدار سے تاباں۔^(۲)

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں پیدا فرمایا، جب مخلوق کو مختلف جماعتوں

^(۱) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۳۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمة للعالمین ﷺ، ج ۱ باب اول النسب۔

^(۲) عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا بحوالہ المصطفیٰ ﷺ) ص ۴۹، ۵۰۔

نحوالہ کذا فی الشفا للقاضی عیاض و شرح القاری و دلائل ابی نعیم و مسند ابن عمر و العدنی

ونسیم الریاض، ج ۲ ص ۲۰۲

میں بانٹا تو مجھے سب سے بہتر جماعت میں منتقل فرمایا، جب جماعتوں کو متفرق قبائل و شعوب میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلہ اور شعبہ میں پیدا فرمایا اور جب قبائل کو مختلف بیوت میں تبدیل کیا تو مجھے سب سے بہتر بیت میں منتقل فرمایا، پس میں تمام قریش سے گھرانہ اور ذاتی خصوصیات و کمالات کے لحاظ سے افضل ہوں۔

بلاشبہ نوری اللہ ﷺ کی تخلیق سے لے کر آپ ﷺ کے ظہور پر نور تک خالق کائنات نے آپ ﷺ کے لیے ہمیشہ خاص اہتمام فرمایا۔ قبیلوں میں سب سے اعلیٰ قبیلہ اور اس قبیلہ کے افراد میں سے سب سے ارفع اور متقی افراد کے اصحاب و ارحام میں آپ ﷺ کے نور کو مقیم فرمایا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے نقل فرمایا کہ میں نے تمام زمین کے اطراف و کناف اور گوشہ گوشہ کو چھان مارا مگر مجھے محمد مصطفیٰ (ﷺ) جیسی کوئی ہستی نظر نہ آسکی اور میں نے سب روئے زمین کو غور سے دیکھا مگر کسی شخص کی اولاد بنی ہاشم جیسی نظر نہ آئی۔^(۱)

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نکاح کے ساتھ متولد ہوا نہ کہ غیر شرعی طریقہ پر اور میرا یہ نسبتی تقدس حضرت آدم (علیہ السلام) سے شروع ہو کر حضرت عبد اللہ (علیہ السلام) اور حضرت آمنہ (علیہا السلام) تک برقرار رہا اور میرے نسب میں زمانہ جاہلیت کی بدکرداریوں اور آوارگیوں کی ذرا بھر ملاوٹ نہیں۔^(۲)

اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کے نسب کو طیب و طاہر رکھا اور زمانوں اور رواجوں کی ہر طرح کی منفی آمیزش و کثافت و نجاست اور سفاح جاہلیت کے رسوم و رواج سے پاک صاف رکھا۔

^(۱) عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا بحوالہ المصطفیٰ ﷺ) ص ۹۸، ۹۹

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۱۷

زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بعض نادان لوگ اپنی بیویوں کو شرفاء کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ اُن کے ذریعہ اولاد پیدا کریں۔ ایسا بھی ہوتا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ عرصہ دراز تک بغیر نکاح کے رہتی اور پھر اُس سے شادی کر لیتی۔^(۱)

بہیقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں زمانہ جاہلیت کی کسی برائی سے متوَلد نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ اسلامی نکاح سے ہی پیدا ہوا (یعنی میرے تمام آباؤ اجداد نے ہمیشہ اسلامی نکاح کے ذریعے ہی رشتہ ازدواج قائم کیا)۔ رسالت مآب ﷺ کے آباؤ اجداد نے کبھی کوئی غیر شرعی کام نہیں کیا اور اللہ رب العزت آپ ﷺ کو ہمیشہ پاک اصلا ب و ارحام میں ہی مقیم فرماتا رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے ہر قسم کی نجاست و غلاظت اور جاہلیت سے پاک رکھا۔^(۲)

آنحضرت ﷺ کے آباؤ اجداد اور جدات، حضرت آدمؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ کے والدین تک، سبھی مسلمان تھے۔ آپ ﷺ کا ٹوڑ کبھی کسی مشرک کے صُلب یا کسی مشرک کے رحم میں قرار نہیں پایا۔ آپ ﷺ کے باپ دادا اور ماؤں (یعنی آباؤ اجداد) کے نسب میں کسی قسم کا کوئی شُبہ نہیں ہے اور خاصہ و عامہ کے طریقہ سے متواتر حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباؤ اجداد سب کے سب انبیاء، اوصیاء اور حاملانِ دینِ خدا رہے ہیں۔^(۳)



^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۱۷

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۱۷

^(۳) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۶۶

نسب گرامی حضور ﷺ

ابو القاسم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب شیبہ بن ہاشم عمرو بن عبد مناف مغیرہ بن قصی زید بن کلاب بن مرة بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر قریش بن مالک بن نضر قیس بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ عامر بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

جناب عدنان تک آپ ﷺ کے نسب گرامی میں مکمل اتفاق ہے جبکہ اس کے بعد اختلاف ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عدنان کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میرا نسب عدنان تک پہنچے تو ٹھہر جاؤ، لہذا فرمان نبی ﷺ کی تعمیل کرتے ہوئے ہم یہیں ٹھہرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی والدہ کا نام آمنہ علیہا السلام تھا جو قبیلہ بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی تھیں۔^(۱)

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اوپر سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے: اسماعیل علیہ السلام (عمر ۱۳ سال) بن ابراہیم علیہ السلام (عمر ۱۷ سال) بن تارخ (عمر ۲۰ سال) بن ناحور (عمر ۱۵۹ سال) بن سروج یا ساروغ (عمر ۲۳۲ سال) بن رعو یا رعو (عمر ۲۳۹ سال) بن فاج یا فالج (عمر ۲۳۹ سال) بن عابر (عمر ۴۶۰ سال) بن شالخ بن ارفشاد یا ارفشاد (عمر ۴۳۸ سال) بن سام (عمر ۶۰۲ سال) بن نوح (عمر ۹۵۰ سال) بن لامک (عمر ۷۷۷ سال) بن متوشالخ یا متوسالخ (عمر ۹۶۹ سال) بن اخنوخ یا ادریس علیہ السلام (عمر ۳۶۵ سال) بن یارد (عمر ۹۶۲ سال) بن مہلائیل یا ملہل ایل (عمر ۸۹۵ سال) بن قینان (عمر ۹۱۰ سال) بن آئوش (عمر ۹۰۵ سال) بن شیت (عمر ۹۱۲ سال) بن آدم علیہ السلام (عمر ۹۳۰ سال)۔^(۲)

^(۱) علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحيح من سيرة النبي الاعظم ﷺ، ج ۱ ص ۱۰۳۔

علی بن عیسیٰ اربیلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشف الغمّة، ج ۱ ص ۱۵

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمة للعالمین ﷺ، ج ۲ باب اول النسب

حضور ﷺ کے آباؤ اجداد

حضرت ابراہیم علیہ السلام

برایتِ روضۃ الصفا، طوفانِ نوح سے ۱۰۸۱ سال بعد اور عہدِ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام سے عرصہ دراز کے بعد، حضرت ابراہیم علیہ السلام، بابل یا کوفہ کے علاقہ ”کوٹا“ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ”تارخ“ اور والدہ کا نام بروایتِ کشف الغمۃ ”تونا“ تھا۔^(۱) حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب ”تاریخ“ اور ائحق بن بشر الکافلی صاحب نے ”المبتدا“ کے حوالے سے آپ کی والدہ کا نام ”اُمیلہ“ بتایا ہے لیکن کلبی نے آپ کی والدہ کا نام ہونا بنت کر بنا بن کر ٹی لکھا ہے اور انہیں بنی ارفخشہ بن سام بن نوح علیہ السلام کے خاندان سے بتایا ہے۔^(۲) بعض لوگ آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کہتے ہیں، واضح ہو کہ یہ خیال قطعی غلط ہے۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور بت ساز و بت پرست تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک عرصہ تک اُس کے ساتھ رہے تھے شاید یہی وجہ ہو کہ اُسے آپ کا باپ سمجھ لیا گیا۔

آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور آپ اولو العزم پیغمبر تھے۔ آپ صاحبِ شریعت تھے اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کا مقام یہ تھا کہ خاتم الانبیاء ﷺ کو آپ کی شریعت کے باقی رکھنے کا حکم دیا۔ آپ کی ولادت خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے بادشاہِ نمرود کے دور میں ہوئی تھی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب نمرود نے خواب میں ایک ایسا ستارہ دیکھا جس کی ضیاء چاند اور سورج کی روشنی پر غالب آگئی تھی۔ اُس کے نجومیوں اور کاهنوں نے اُس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اُس کی مملکت

^(۱) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام، ج ۱ ص ۱۹۹

^(۲) ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابن کثیر (البدایة والنهاية)، ج ۱ باب اوّل ص ۱۵۹

میں عنقریب ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی شان و عظمت سے اُس کی سلطنت اور خدائی ختم ہو جائے گی۔ وہ بچہ نئے دین اور شریعت کا آغاز کرے گا، بتوں کو توڑے گا اور اُس کی سلطنت کو مٹا دے گا۔ پس، نمرود نے اُس بچے کی ممکنہ پیدائش کو روکنے کے لیے تمام تر غیر اخلاقی، غیر انسانی اور ظالمانہ طریقے اختیار کر ڈالے لیکن مشیتِ الہی کے آگے بے بس ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس کی نام نہاد خدائی کا بت پاش پاش کرنے دُنیا میں تشریف لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے حران کی طرف پہلی ہجرت کے موقع پر بمقامِ حران حضرت سارہؑ سے عقد فرمایا، اُس وقت آپ کی عمر ۷۵ سال اور حضرت سارہؑ کی ۳ سال تھی، بروایت حضرت سارہؑ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔^①

آپ حران سے کنعان کی طرف عازم سفر ہوئے اور پھر کنعان سے مصر کی جانب ہجرت کی۔ مصر کا بادشاہ ایک فرعون تھا، وہ حضرت سارہؑ کا حسن و جمال دیکھ کر بدینیت ہو گیا۔ اُس نے دست درازی کی کوشش کی مگر قادرِ مطلق نے اُسے بی بی پر قادر نہ ہونے دیا اور اُس کا بڑھتا ہوا گستاخ ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ وہ گھبرا کر معافی کے لیے منت سماجت کرنے لگا، جناب سارہؑ نے اُسے معاف کر دیا اور دُعا کی تو اُس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ ہاتھ ٹھیک ہوتے ہی وہ پھر بدینیت ہو گیا، خدا کے حکم سے اُس کا ہاتھ دوبارہ مفلوج ہو گیا اور وہ پھر گڑ گڑانے لگا، آپ نے اُسے پھر معافی دے دی، ایسا تین بار ہوا۔ آخر کار اُس نے جانا کہ یہ خاتون کوئی عام عورت نہیں ہے بلکہ اس پر قدرت کا خاص کرم ہے تو اُس نے دل سے توبہ کی اور سچائی کے ساتھ معافی کا خواستگار ہوا، بی بی سارہؑ نے اُسے معاف کر دیا۔ اُس نے ایک کنیز جس کا نام ہاجرہؑ تھا حضرت سارہؑ کی خدمت میں بطور

① نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، تاریخ اسلام، ص ۲۲۰

نذرانہ پیش کی، بحوالہ توریت مرقوم ہے کہ حضرت ہاجرہؓ کنیز نہیں بلکہ فرعون کی بیٹی تھیں۔^①

حضرت سارہؓ کی گود خالی تھی اور اولاد کا کوئی امکان بھی نہیں تھا اس لیے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محرومیِ اولاد کو محسوس کیا اور حضرت ہاجرہؓ کو انہیں ہمہ کرتے ہوئے عقد کی پیش کش کر دی کہ شاید اللہ تعالیٰ اولاد سے نواز دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی پیش کش قبول کر لی۔

چنانچہ ۸۶ سال کی عمر میں آپ کے ہاں حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ مؤرخین نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ہاجرہؓ ماں بنیں تو حضرت سارہؓ برہم ہو گئیں اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہاجرہؓ کو کہیں دُور بھجوا دیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکمِ الہی مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے۔ اسماعیل علیہ السلام پانچ سال کے تھے کہ اللہ کی قدرت سے حضرت سارہؓ کے ہاں اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کے لیے روانہ ہوئے، مشعر الحرام پہنچے تو رات ہو گئی۔ آپ وہیں سو رہے اور خواب دیکھا کہ اپنے فرزند اسماعیل (علیہ السلام) کو (راہِ خدا میں) ذبح کر رہے ہیں۔ دراصل یہ خواب نہیں بلکہ اللہ کا حکم تھا پس آپ نے حضرت ہاجرہؓ سے کہا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کو بنا سنوار دو، میں اُسے ساتھ لے کر ایک دوست سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تیار کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے ان الفاظ سے ممکن ہے کہ بعض ناچختہ ذہنوں میں یہ اشتباہ پیدا ہو کہ نبی (علیہ السلام) نے اپنی بیوی سے جھوٹ بولا، جارہے ہیں بیٹے کو ذبح

① نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، تاریخ اسلام، ص ۲۲۱ بحوالہ اُسوة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۶۸۹۔

ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون، ج ۱ ص ۸۱۔

پی شلومر اسحاق (مفسر توریت)، تفسیر توریت، کتاب پیدائش، باب ۱۶ آیت ۱

کرنے اور کہہ رہے ہیں کہ میں کسی دوست سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ واضح رہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ ابراہیم علیہ السلام فصاحت و بلاغت میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے چنانچہ اپنے کلام میں ”دوست“ کا لفظ ذومعنی انداز میں استعمال کر کے بہت کچھ کہہ دیا، یہاں دوست سے مراد اللہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ^(۱) (اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست اور مددگار ہے۔)

پس آپ ایک چھری اور رسی لے کر روانہ ہو گئے۔ منیٰ میں پہنچ کر اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں (اللہ کی راہ میں) ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجیے، خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ پس قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيُ قَالَ يَبْنَؤُاْنِي فِي الْمَنَامِ اَنِّي اَذْبَحُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرٰى
قَالَ يَا بَنِي اَفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ^(۲)

(جب وہ لڑکا آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو آپ نے فرمایا (اے بیٹا!) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں تم غور کر کے بتاؤ کہ تمہاری رائے کیا ہے؟ کہا (اے ابا جان!) آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ بجالائیے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔)

بروایت یعقوبی اور حیات القلوب مجلسی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آنکھوں پر پٹی باندھی، انہیں زمین پر لٹایا اور گردن پر چھری چلائی لیکن وہ

^(۱) سورۃ الحجاثیۃ، آیت ۱۹

^(۲) سورۃ الصافات، آیت ۱۰۲

پلٹ گئی۔ پھر سیدھی کی، پھر چلائی، وہ پھر پلٹ گئی۔ ایسا تین بار ہوا، آخر کار آپ نے چھری کو مضبوطی سے پکڑا اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر پوری طاقت سے دبا کر چلائی تو گلا کٹ گیا۔ خوش ہوئے کہ قربانی کامیاب ہو گئی۔ خدا نے بھی فرما دیا:

”قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا“^(۱) (تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا)، لیکن جب اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی تو دیکھا کہ وہاں ایک ذبح شدہ دُنبہ پڑا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام الگ کھڑے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر غمگین ہو گئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”اے ابراہیم! پریشان نہ ہو، وَفَدَيْنَاهُ بِذِي نَجْعٍ عَظِيمٍ“^(۲) (ہم نے تمہارے فدیہ کو ذبحِ عظیم سے بدل دیا ہے)

فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے دُنبہ بھیجا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک قلق سا محسوس ہوا اور خواہش کی کہ کاش اس دُنبہ کی جگہ وہ اپنے جگر گوشہ کو (خدا کی راہ میں) ذبح کرتے تو انہیں بہت بڑا درجہ نصیب ہوتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی۔

فرمایا، ”ابراہیم! تمہیں میری تمام مخلوق میں سے زیادہ محبت کس سے ہے؟“ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی، ”پروردگار! تیری تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”یہ بتاؤ تمہیں اپنے آپ سے زیادہ محبت ہے یا محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے؟“ عرض کیا، ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”یہ بتاؤ تمہیں اُن کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے یا اپنے بیٹے سے؟“ عرض کی، ”الہی! مجھے اُن کے بیٹے سے زیادہ محبت ہے۔“

پروردگارِ عالم نے فرمایا، ”یہ بتاؤ کہ اُن کا بیٹا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جائے تو تمہارے

^(۱) سورۃ الصافات، آیت ۱۰۵

^(۲) سورۃ الصافات، آیت ۱۰۷

دل کو زیادہ تکلیف ہوگی یا تمہارا بیٹا میری اطاعت میں تمہارے ہاتھ سے ذبح ہوتو؟“
عرض کیا، ”پروردگار! اُن کے بیٹے کا دشمنوں کے ہاتھوں ظلم سے شہید ہو جانا میرے دل کے لیے
زیادہ تکلیف دہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”ابراہیم! ایک گروہ جو اپنے آپ کو اُمت محمد (ﷺ) میں سے سمجھتا ہوگا، وہ
محمد (ﷺ) کے (وصال کے) بعد اُن کے فرزند حسین (علیہ السلام) کو ظلم و ستم سے اس دُنبے کی
طرح ذبح کرے گا اور اس وجہ سے وہ میرے غضب کے حقدار بن جائیں گے۔“
یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام کے دل میں درد کی ایک لہر اُٹھی اور وہ رونے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”ابراہیم! میں نے تمہیں اسماعیل (علیہ السلام) کی بجائے حسین (علیہ السلام) کا غم دیا
ہے، اور اگر تم اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے تو بھی تمہیں اتنا قلق نہ ہوتا جتنا کہ
حسین (علیہ السلام) کی شہادت کا سن کر ہوا ہے، پس میں نے تمہیں اہل مصائب کے بلند ترین
درجات کا مستحق ٹھہرایا ہے اور اس کا فدیہ ذبحِ عظیم سے دیا ہے۔“^①

کچھ عرصہ قبل ٹی وی پر ایک خبر دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کے مطابق ایک شخص نے اپنے بچے کو ذبح
کر ڈالا اور دعویٰ کیا کہ مجھے خواب میں اشارہ ملا تھا کہ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر لو لہذا میں
نے سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا۔ ایسے خطرناک
اور غیر شرعی افعال کی خبریں گاہے بگاہے سامنے آتی ہی رہتی ہیں لہذا عرض ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسا
کوئی خواب نظر آتا ہے تو وہ قطعاً کوئی خدائی اشارہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا خواب شیطانی وسوسہ ہو سکتا
ہے یا کسی ذہنی مرض کا نتیجہ، اس لیے یا تو اُسے شیطانی وسوسہ سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دینا چاہئے
اور قرآنی آیاتِ مبارکہ کے اوراد و وظائف اور درود و سلام سے مدد لینا چاہیے یا کسی ذہنی مرض

① شیخ ابی جعفر الصدوق محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام ج ۱ ص ۳۶۸

کا سبب سمجھتے ہوئے مستند ماہر نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے۔ یاد رکھیں کہ انبیاء کرام کے خواب کو بھی علماء نے وحی الہی قرار دیا ہے جیسا کہ مدارج النبوت میں بیان کیا گیا ہے، ”اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی رویا یعنی خواب وحی ہے جس میں کسی شک و شبہ کو دخل نہیں، خواب میں اُن کے دل بیدار اور اُن کی آنکھیں پوشیدہ (بند) ہوتی ہیں۔“^① پس انبیاء کرام کا خواب وحی الہی یا قدرت کا اشارہ ہوتا ہے لیکن ایک عام انسان کا خواب وحی الہی یا قدرتی اشارہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح کے خواب پر عمل کرنا شیطانی فعل اور گناہ کبیرہ ہے لہذا ایسے فعل سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہ قتل ہے جبکہ سنتِ ابراہیمی پر عمل کا طریقہ دین اسلام نے عید الاضحیٰ پر اللہ کی راہ میں جانور کی قربانی کو قرار دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر کے سو سال میں حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہو گیا۔ آپ مکہ تشریف لائے اور ہجرتِ نبوی سے بروایت ۲۷۹۳ سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔^②

نمرود کے خواب کے عین مطابق، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے اُس کی خود ساختہ خدائی کے بُت پاش پاش ہوئے اور دینِ ابراہیم علیہ السلام دُنیا کے طول و عرض میں پھیل گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اُترنے والے آسمانی صحیفوں کی تعداد بروایت دس ہے جو ہدایتی امثال پر مشتمل تھے۔

امامِ ثعلبی نے ”عرائس المجالس“ میں حضرت ابوذرؓ غفاری سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت ابوذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ خدا نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے سو صحیفے اور چار کتب نازل فرمائی ہیں، آدم علیہ السلام پر دس صحیفے،

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۱ ص ۲۰۹

② علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام ص ۲۳۲

شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے، ادريس علیہ السلام پر تیس صحیفے، ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے، داؤد علیہ السلام پر زبور، موسیٰ علیہ السلام پر توریت، عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور مجھ پر قرآن نازل فرمایا۔ حضرت ابوذرؓ نے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن میں ہدایتی امثال تھے۔ بروایت علامہ مجلسیؒ، صحفِ ابراہیم علیہ السلام ماہ مبارک رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے۔^(۱)

”روضۃ الصفّاء“ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا اور اسحاق علیہ السلام کو شام میں اپنا ولی عہد اور خلیفہ بنایا۔ آپ کا انتقال ۷۸۱ سال کی عمر میں ہوا، آپ مقامِ قدسِ خلیل الرحمن میں مدفون ہیں۔^(۲)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ



^(۱) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام ص ۲۴۲۔ ابواسحاق احمد ثعلبی (متوفی ۴۲۷ھ)،

عرائس المجالس، ص ۶۹۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۱ ص ۸۵

روضۃ الصفّاء، ج ۱ ص ۴۔ علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۲۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۱ ص ۹۸

^(۲) روضۃ الصفّاء، ج ۱ ص ۴

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانشین تھے۔ آپ کی پرورش مکہ میں ہوئی اور یہیں پر قبیلہ جرہم کے ایک معزز گھرانے میں شادی ہوئی۔ علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ وہ بیوی ”عمالقہ“ میں سے تھی اور اُس کا نام ”اسامہ“ تھا۔^(۱) ایک روایت کے مطابق وہ بیوی قبیلہ جرہم میں سے تھی اور اس کا نام ”عمادہ“ تھا جسے بعد میں طلاق دے دی گئی تھی۔^(۲) اس کے بعد آپ نے ”حیفابنت مضاض“ سے شادی کر لی اور انہیں کے ساتھ ہی ایام حیات گزارے۔

”حیاتُ القلوب“ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ان زوجہ کا نام سیدہ بنت حارث بن مضاض مرقوم ہے۔ یعقوبی نے ان کا نام ”الحنفاء بنت الحارث ابن مضاض الجرحمی“ لکھا ہے۔ بروایت عرائس ثعلبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ان زوجہ سیدہ بنت مضاض سے بارہ بیٹے ہوئے جن میں سے قیدار اور ثابت کے ذریعہ سے عرب کی آبادی بڑھی اور اُن کی نسل خوب پھیلی۔ ”روضۃ الصفا“ میں ہے کہ یہ دونوں بھائی حرم ہی میں مقیم رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے اور دوسری شادی کرنے کا واقعہ ”طبری“ اور ”الیعقوبی“ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اکثر حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لیے اُن کے پاس (مکہ) تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف آوری ہوئی تو حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے تھے اور اُن کی شادی بھی ہو گئی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام اُن کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی تو اسماعیل علیہ السلام کی بیوی (اسامہ/عمادہ) باہر آئی۔ آپ نے پوچھا کہ اسماعیل (علیہ السلام) کہاں ہیں اور تو کون

^(۱) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۱ ص ۱۰۶

^(۲) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیاتُ القلوب، ج ۱ ص ۱۰۷

ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ شکار پر گئے ہیں اور میں اُن کی بیوی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ اُس نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ آپ کے ساتھ خوش دلی سے پیش آئی نہ کھانا پانی پیش کیا اور نہ ہی کہا کہ سواری سے اتر کر تشریف رکھیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں واپس جا رہا ہوں جب اسماعیل (علیہ السلام) آئیں تو اُن سے کہنا کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دو یہ مناسب نہیں ہے۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام شکار سے واپس آئے تو پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا؟ اُس نے کہا کہ ایک بزرگ آئے تھے، وہ آپ کے لیے یہ پیغام دے گئے ہیں کہ اپنے گھر کی دہلیز بدل دو یہ مناسب نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ تیرے لیے طلاق کا حکم دے گئے ہیں، اُن کا حکم اٹل ہے اس لیے میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔

اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام نے ”حیفا بنت مضاض“ سے شادی کر لی یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر تشریف لائے۔ اتفاقاً جناب اسماعیل علیہ السلام اس دفعہ بھی شکار پر گئے ہوئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام جونہی اُن کے گھر کے قریب پہنچے اور حیفا بنت مضاض کو خبر ہوئی تو وہ استقبال کے لیے دوڑ پڑیں، اپنا تعارف کرایا اور درخواست کی کہ سواری سے اتریں تاکہ میں سر دھو دوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سواری سے نہیں اُتروں گا۔ بروایت یعقوبی انہوں نے کہا کہ اچھا پھر سر جھکا دیجیے کہ میں بوسہ دے لوں اور بروایت طبری اور روضة الصفاء انہوں نے کہا کہ آپ کا سر مبارک بہت گرد آلود ہے مجھے موقع دیجیے کہ میں اسے دھوؤں۔ حضرت نے ایک پتھر پر پاؤں رکھ کر نصف سر ایک طرف سے اور نصف دوسری طرف سے دھلوایا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے فوراً خرما، گوشت اور دودھ حاضر کیا۔ آپ نے اُسے دُعا دی۔ ”طبری“ کے مطابق اس واقعہ سے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اسماعیل (علیہ السلام) کی بیوی جو اور گندم بھی پیش کر سکتی تو اسی طرح جس طرح عرب میں خرما، گوشت

اور دودھ کی فراوانی ہے، گندم وغیرہ کی بھی بہتات ہوتی۔

الغرض حضرت حیفانے اُن کی خوب خاطر و مدارات اور آؤ بھگت کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کہ جب اسماعیل (علیہ السلام) واپس آئیں تو اُن سے کہنا کہ اپنے گھر کی موجودہ دہلیز کو برقرار رکھیں اور اسے ہٹائیں نہیں کیونکہ یہ بہت مناسب اور بہترین ہے۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر پہنچے تو بیوی نے سارا واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ وہ آپ کے لیے فرما گئے ہیں کہ اپنے گھر کی موجودہ دہلیز کو برقرار رکھیں اور اسے ہٹائیں نہیں کیونکہ یہ بہت مناسب اور بہترین ہے اور یہ وہ پتھر ہے جس پر اُنھوں نے قدم رکھے تھے۔ یہ سنتے ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام پدر بزرگوار کے زیر قدم آئے ہوئے پتھر پر گر پڑے اور اُسے چومنے لگے پھر اپنی بیوی سے کہا کہ تم خوش نصیب ہو کہ حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) نے مجھے تمہاری قدر و منزلت کی ہدایت فرمائی ہے۔ ”روضۃ الصفا“ میں ہے کہ اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ”حیفابنت مضاض“ کی موجودگی میں کوئی اور شادی نہیں کی۔^(۱)

ایک اہم نکتہ:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے اور بعد ازاں دوسری بیوی کی قدر و منزلت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کو عموماً اس حوالے سے دیکھا جاتا ہے کہ پہلی بیوی نے ابراہیم علیہ السلام کا وہ احترام اور خاطر و تواضع نہیں کی جس کے وہ مستحق تھے لہذا آپ نے اُس کو ناپسند فرمایا اور بیٹے کو حکم دیا کہ اُسے طلاق دے دو۔ جب کہ دوسری بیوی نے اس کے برعکس خوب خیر مقدم کیا اس لیے آپ نے اُسے پسند فرمایا اور بیٹے کو نصیحت کی کہ اس کی قدر کرو۔ یعنی ایک کوچھوڑنے اور دوسری کو رکھنے کا دار و مدار ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیے جانے والے ذاتی برتاؤ پر

^(۱) علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۲ء)، تاریخ اسلام ص ۲۳۵

تھا۔ بے شک اللہ ہی بہتر جانتا ہے یا اس کی وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوگی لیکن اس سے متعلق ہماری عقل ناقص میں جو بات آتی ہے وہ کچھ اور ہے۔

ہم گذشتہ صفحات پر بڑی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ رسول گرامی ﷺ کے نورِ اقدس کو ہمیشہ، ہر دور میں، قبیلوں میں سے ”بہترین قبیلوں“ اور گھرانوں میں سے ”بہترین گھرانوں“ کے پاک اصحاب و ارحام میں منتقل کیا جاتا رہا، یعنی اصحاب بھی منتخب شدہ تھے اور ارحام بھی چنیدہ، عظمت و بزرگی اور طہارت و پاکیزگی کے اعلیٰ ترین معیار کے عین مطابق۔ نورِ مصطفیٰ ﷺ کو صلبِ اسماعیل علیہ السلام سے رحمِ مادر میں منتقل ہونا تھا اور اس کے لیے ایسی بہترین اور کامل خاتون کی ضرورت تھی جو واقعی اس عظیم الشان نور کو اپنی آغوش میں لینے کی اہل ہو۔ عین ممکن ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی پہلی بیوی اسامہ یا عمادہ میں اُس کمال اور صلاحیت کا فقدان نظر آیا ہو جو اس نورِ محمدی (ﷺ) کو تحویل میں لینے کے لیے ضروری تھا، اس لیے آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اُس سے چھوڑ دینے کا حکم دیا ہوا اور پھر وہ کمال و خوبی اور تدبیر و بزرگی دوسری بیوی میں نظر آئی تو آپ نے اُس کو رکھنے اور اُس کی قدر و منزلت کی نصیحت کی ہو۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کے صدقے مکہ کے بے آب و گیاہ علاقے میں آبِ زم زم کا چشمہ پھوٹا تھا جو آج بھی جاری ہے۔ آپ ہی کے ذریعے مکہ آباد ہوا اور حجِ کعبہ کا آغاز ہوا۔ صفا اور مروہ کے دوران سعی کر کے آپ کی والدہ محترمہ کی سنت کی ادائیگی ہر حاجی پر واجب ہے۔ اسی طرح اذی الحج کو عیدِ قربان کی سنت آپ کے والد بزرگوار کی جانب سے پیش کی جانے والی آپ کی جان کی قربانی کی وجہ سے ہے اور اسی لیے اس قربانی کو سنتِ ابراہیمی کہتے ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۳ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ حجرِ اسماعیل (مکہ) میں مدفون ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی آپ کے بیٹے کرتے رہے۔ جن میں نمایاں مقام حضرت قیدار کا ہے۔

حضرت فہر و قریش

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تیسری صدی عیسوی میں حضرت فہر کی ولادت ہوئی۔ آپ بے حد صاحبِ کمال تھے۔ علامہ طبری کے بقول انہی فہر یا ان کے دادا نضر بن کنانہ کو قریش کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے بحر ہند سے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی تھی جس کو ”قریش“ کہا جاتا تھا، وہ مچھلی مکہ میں لا کر رکھ دی گئی تھی اور دُور دُور سے لوگ اُسے دیکھنے آتے تھے۔^(۱)

”فہر“ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی ”پتھر“ کے ہیں اور ”قریش“ قدیم عربی میں ”سوداگر“ کو کہتے ہیں۔ بعض محقق کہتے ہیں کہ قریش اُنہی کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اُنہی کی جانب کی جاتی ہے۔ پس جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اُسے قریشی نہیں کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش، نضر بن کنانہ کا لقب ہے اور ان کی اولاد کو قریشی یا قرشی کہتے ہیں۔ قریش نام کی متعدد وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے جب کہ کوئی دوسرا آبی جانور اُسے نہیں کھا سکتا اور یہ تمام دریائی جانوروں پر غالب و برتر رہتا ہے۔ صراح میں اس کی شہادت میں زمانہ قدیم کے بعض شعراء کے اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرمِ پاک میں وہ لوگ دوبارہ مجتمع ہوئے تھے اور ”تقرش“ کے معنی جمع ہونے اور اکٹھے ہونے کے ہیں، ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہل تجارت اور صاحبِ ہنر تھے اور قرش کے معنی کسب و ہنر اور اکٹھا کرنے کے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب لوگ حج کے لیے آتے تو یہ فقراء و مساکین کی تقیتش یعنی احوال پرسی کرتے اور اُن کی امداد کرتے تھے، یہاں ”تقریش“ کے معنی ”تقیتش“ لیے گئے ہیں۔ صراح میں ”تقریش“ کے معنی غالب آنے اور ”اقرش“ کے معنی کسی کے لیے سعی و کوشش کرنے کے ہیں۔^(۲)

(۱) علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۳۶ بحوالہ علامہ طبری

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۲۲

حضرت قصی

حضرت فہر کی نسل سے حضرت قصی کی ولادت پانچویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت سعد تھا۔ آپ کا پورا نام قصی زید ابو مغیرہ تھا۔ آپ بہت بلند کردار، بلند حوصلہ اور عظیم الشان بزرگ تھے اور قبیلہ میں نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کو خانہ کعبہ کی تولیت کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ نے بیٹ اللہ کی مرمت کروائی، مکہ میں عجول نامی کنواں کھدوایا، دارالندوہ بنوایا اور ہمیشہ سماجی خدمات انجام دیں۔

بعض روایات کے مطابق آپ ہی کو قریش کہا جاتا تھا مگر اکثر علماء اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ آپ کا عقد عاتکہ بنت خالنج بن لیک سے ہوا۔ ایک بیوی کا نام جہی تھا جو بنو خزاعہ کے سردار خلیل خزاعی کی بیٹی تھیں۔ آپ کا انتقال ۳۸۰ء میں ہوا۔ آپ کا مدفن حجون میں ہے۔^(۱)

حضرت عبد مناف

آپ کا نام مغیرہ ابو عبد شمس تھا۔ آپ کی والدہ کا نام جہی بنت خلیل تھا۔ آپ حضرت قصی کے چھ بیٹوں میں سب سے چھوٹے اور لائق تھے یہی وجہ تھی کہ آپ قریش کے مسلم الثبوت سردار بن گئے۔ آپ نے بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح کبھی بت پرستی نہیں کی۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح بے حد فضائل و مناقب کے حامل تھے اور ہمیشہ صلہ رحمی اور تقویٰ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آپ کی شادی عاتکہ بنت مرہ السلمیہ بن حلال سے ہوئی جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ”قمر“ کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپ نے ملک شام میں غزہ کے مقام پر انتقال فرمایا۔^(۲)

^(۱) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۳۶

^(۲) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۳۷

حضرت ہاشم

آپ کا نام عمر ذؤبوفلہ تھا۔ آپ کے والد کا نام حضرت عبد مناف اور والدہ کا نام عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ تھا۔ آپ اور آپ کا جڑواں بھائی عبد الشمس اس طرح پیدا ہوئے کہ دونوں کے جسم باہم جڑے ہوئے تھے۔ بروایت دونوں بھائیوں کی پشتیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں جنہیں تلوار کے ذریعے الگ کیا گیا۔

بروایت طبری، حضرت ہاشم اور عبد الشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے اور جو پہلے پیدا ہوا تھا اُس کی ایک انگلی دوسرے کی پیشانی سے جڑی ہوئی تھی اس لیے اُسے کاٹ کر دونوں بھائیوں کو الگ کیا گیا۔^①

علامہ نجم الحسن کراری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبد الشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا جسے تلوار کے ذریعہ سے الگ کیا گیا۔ اُس دور کے دانشوروں نے اسے دونوں بھائیوں کے درمیان باہمی خون ریزی سے تعبیر کیا جو بعد ازاں سچ ثابت ہوا۔ دونوں کے خاندانوں کے درمیان ہمیشہ خون ریزی ہوتی رہی جس کا اختتام ۱۳۳ ہجری میں حضرت ہاشم کی اولاد بنو عباس اور عبد الشمس کی اولاد بنو امیہ کے درمیان ایسی جنگ پر ہوا جس نے بنو امیہ کے اقبال کا چراغ بالآخر بجھا دیا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ واقعہ کربلا، اس سے پہلے اور بعد میں آل رسول ﷺ پر ڈھائے جانے والے مظالم بھی بنو امیہ کی بنو ہاشم کے ساتھ ازلی عداوت ہی کی وجہ سے تھے۔

حضرت ہاشم بہت دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت رحم دل اور سخی بھی تھے۔ روایت ہے کہ قحط سالی کے دوران آپ شام سے ایک بہت بڑا کیک خرید کر لائے اور اُسے توڑ کر لوگوں میں تقسیم کیا۔ ”ہشم“ کا مطلب توڑنا ہے اس لیے ”ہاشم“ یعنی ”توڑنے والا“ مشہور ہو گئے۔ آپ وہ پہلے

① ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری، ج ۲ ص ۳۱

شخص ہیں جنہوں نے قریش کی معاشی حالت سدھارنے کی خاطر اُن کے لیے گرمی اور جاڑے کے سالانہ دو تجارتی سفروں کا آغاز کیا۔ آپ ہمیشہ بیٹ اللہ کا حج کرنے والوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کی ایک شادی اپنے خاندان کی ایک نہایت باوقار خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت اسد پیدا ہوئے۔ حضرت اسد نہایت رحم دل اور ہمدرد انسان تھے۔ یہ بھوکوں کے گھروں میں راشن بھجواتے تھے۔ ان کی اولاد بہت کم تھی۔ بعض روایات کے مطابق تو ان کی واحد اولاد حضرت فاطمہ بنت اسدؓ تھیں جو حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ تھیں اور جنہیں خانہ کعبہ میں ولادت علیؓ کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ حضرت ہاشم کی دوسری شادی خزرجیوں کے ایک مشہور قبیلہ بنی عدی ابن نجار یثرب (مدینہ) کی نجیب الطرفین بیٹی سے ہوئی۔ اس خاتون ذی وقار کے بطن سے نہایت ہی بلند کردار اور اعلیٰ مرتبہ شخصیت حضرت عبدالمطلب شعیبہ الحمد کی ولادت ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کے بچپن میں ہی ۵۱۰ء میں بمقام غزہ شام حضرت ہاشم کا انتقال ہو گیا۔^①

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ ۝



① علامہ نجم الحسن کراوی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۷۳

حضرت عبد المطلب شیبۃ الحمد علیہ السلام

آپ رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے۔ آپ کا نام عامر اور لقب شیبۃ الحمد تھا۔ آپ کی کنیت ابو الحارث تھی۔ آپ کے سر کے بال سفید اور خوبصورت تھے۔ ”شیب“ سفیدی کو کہتے ہیں اس لیے آپ کو شیبہ اور بہت ممدوح ہونے کی وجہ سے شیبۃ الحمد کہا جاتا تھا۔ آپ کی ولادت ۴۹۷ء میں ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمیٰ تھا۔ وہ نہایت پرہیزگار اور جلیل القدر خاتون تھیں۔ آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، باپ کے انتقال کے بعد انھیال میں رہے پھر آپ کے چچا حضرت مطلب آپ کو اپنے پاس لے آئے۔ روایت ہے کہ لوگوں نے آپ کو اُن کا بھتیجا کہنے کی بجائے ”عبد“ کہنا شروع کر دیا اور اس طرح ”عبد المطلب“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

آپ بہت متقی، پرہیزگار، جلیل القدر اور نامور انسان تھے اور اپنے اعلیٰ اوصاف و قابلیت کی بنا پر عرب کے سردار قرار پائے۔ آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح شراب کو حرام سمجھتے تھے۔ آپ پہروں غارِ جرا میں عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ بہت بڑے دسترخوان کا اہتمام فرماتے تھے جس پر انسانوں کے علاوہ حیوانوں کو بھی خوراک فراہم کی جاتی تھی۔ آپ مصیبت زدہ لوگوں اور یتیموں کی خاص طور پر مدد فرمایا کرتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ حضرت عبد المطلب نے جاہلیت کے زمانہ میں پانچ سُننیں مقرر کیں جن کو خدا نے اسلام میں جاری و قائم رکھا۔

اوّل یہ کہ سوتیلی ماؤں کو بیٹیوں پر حرام قرار دیا جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ اُن عورتوں

سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباؤ اجداد نے نکاح کیا ہو۔

”وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ“^(۱)

دوم یہ کہ انہوں نے خزانہ پایا تو اُس میں سے سے پانچواں حصہ راہِ خدا میں دے دیا جس سے متعلق خدا فرماتا ہے:

”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ“^(۲)

(اور جان لو کہ جو چیز بھی تمہیں بطورِ غنیمت حاصل ہو اُس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے، رسول (ﷺ) کے لیے، (اور رسول ﷺ کے) قریبداروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے)

سوم یہ کہ چارہ مزرم کو کھودا تو اُسے حاجیوں کا سقایہ قرار دیا۔ پس خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

”أَجْعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“^(۳)

(حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) کو آباد کرنا)

چہارم یہ کہ آدمی کے قتل کا خون بہا سو اونٹ مقرر کیا، پس ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا“^(۴)

^(۱) سورة النساء، آیت نمبر ۲۲

^(۲) سورة انفال، آیت نمبر ۴۱

^(۳) سورة النساء، آیت نمبر ۲۲

^(۴) سورة النساء، آیت ۹۲

(کسی مسلمان کے لیے روانہ نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ اور جو کوئی کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کرے (تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ) ایک مؤمن غلام آزاد کیا جائے اور خون بہا اُس کے گھر والوں (وارثوں) کو ادا کیا جائے)

پنجم یہ کہ قریش میں (خانہ کعبہ کے) طواف کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی، آپ نے سات مرتبہ طواف کرنا مقرر فرمایا۔ حج و عمرہ میں آج بھی طواف کعبہ کے سات چکر واجب ہیں۔

آپ نے کبھی جُو اُکھیلانہ بُنوں کی پرستش کی اور نہ ہی اُن جانوروں کا گوشت کھایا جو بتوں کے لیے کاٹے جاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اپنے باپ جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہوں۔^①

خانہ کعبہ پر لشکر کشی کا مشہور واقعہ آپ ہی کے دَور میں پیش آیا تھا۔ اُس کا مختصر احوال یہ ہے کہ یمن کا عیسائی بادشاہ ابرہہ خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت دیکھ کر شدید تعصب اور حسد میں مبتلا ہو گیا۔ اُس نے ”صنعا“ کے مقام پر ایک بہت بڑا اگر گھر تعمیر کروایا اور چاہا کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے اسے عبادت کا مرکز بنائیں مگر مشیتِ الہی کی وجہ سے اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں اُس عمارت کا وہ جاہ و جلال اور تقدس پیدا نہ ہو سکا جو خانہ کعبہ کا تھا۔ اپنی اس ناکامی پر اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میں کعبہ کو ہی مسمار کر دوں، کعبہ رہے گا نہ لوگوں کے دلوں میں اُس کی عقیدت و منزلت۔ چنانچہ خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے اُس نے اسود بن مقصود حبشی کی قیادت میں ایک بہت بڑا لشکر مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔ قریش، کنانہ، ہذیل اور خزاعہ نے لڑنا چاہا مگر دشمن کی طاقت دیکھ کر گھبرا گئے اور اپنے اہل و عیال سمیت مکہ کی پہاڑیوں میں چھپ گئے۔ صرف حضرت عبدالمطلبؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں رہے اور اللہ کے حضور اُس کی

① علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۶۷

حفاظت کے لیے دُعا کرتے رہے۔

اُبرہہ کے بھیجے ہوئے لشکر نے مکہ پہنچتے ہی مکہ والوں کے مولیٰ پکڑ لیے جن میں حضرت عبدالطلبؓ کے دوسواؤنٹ بھی شامل تھے۔ اسی دوران حضرت عبدالطلب کو اُبرہہ کا پیغام ملا کہ ہم آپ سے لڑنے نہیں آئے، ہمارا ارادہ صرف کعبہ کو گرانے کا ہے۔ حضرت نے اُسے جواب بھیجا کہ ہمیں بھی لڑنے سے کوئی غرض نہیں اور ساتھ ہی اُس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ وہ ملاقات پر آمادہ ہو گیا اور آپ اُس کے دربار میں تشریف لے گئے۔ آپ کے استقبال کے لیے وہ تخت سے اُتر کر نیچے آیا اور آپ کے ہم نشین ہوا۔ وہ سمجھا کہ آپ خانہ کعبہ کے بارے میں مذاکرات کے لیے آئے ہیں مگر دورانِ گفتگو حضرت نے ایسی کوئی بات نہ کی اور صرف اپنے اُونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ حیرانی سے بولا کہ آپ نے اپنے آبائی مکان (خانہ کعبہ) کے بارے میں کوئی بات نہیں کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں اُونٹوں کا مالک ہوں اس لیے اُن کی بات کر رہا ہوں، جو خانہ کعبہ کا مالک ہے وہی اُس کی حفاظت کرے گا۔ آپ کا جواب سُن کر اُبرہہ کی حیرانی دوچند ہو گئی۔ وہ آپ کی شخصیت سے اتنا متاثر ہوا کہ آپ کے اُونٹ آپ کو لوٹا دیئے۔

روایت ہے کہ اُبرہہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف بڑھا، اُس کی فوج میں ساٹھ ہزار افراد اور نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔ وہ خود سرخ رنگ کے محمود نامی ہاتھی پر سوار تھا جو سب ہاتھیوں سے بڑا تھا۔ کعبہ کی دیواریں نظر آئیں تو اُس نے حملے کا حکم دیا۔ جیسے ہی اُس کا لشکر آگے بڑھا ابابیل نامی پرندوں کے غول نمودار ہوئے جن کی چونچوں اور پنچوں میں کنکریاں تھیں۔ پرندوں نے وہ کنکریاں لشکر پر گرائیں تو دیکھتے ہی دیکھتے سارا لشکر تباہ و برباد ہو کر جانوروں کے کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گیا۔ اُبرہہ زخمی ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن بچ نہ سکا اور راستہ ہی میں جہنم

واصل ہو گیا۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر یوں آیا ہے: ①

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ

أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝

تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

”شروع اللہ الرحمن الرحیم کے نام سے۔ (اے حبیب ﷺ!) کیا آپ (ﷺ) نے نہیں دیکھا کہ آپ (ﷺ) کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا (سلوک) کیا؟ کیا اُس نے اُن کی تدبیر و ترکیب کو بے کار نہیں کر دیا؟ اُن پر (ہر سمت سے) ابابیل نامی پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے۔ جو اُن پر کنکر مارتے تھے۔ آخر کار اللہ نے اُنہیں (موشیوں کے) کھائے ہوئے بھو سے کی طرح کر دیا۔“

کہتے ہیں کہ ابرہہ سے پہلے تبع بن حسان نے بھی خانہ کعبہ کو گرانے کا ارادہ کیا تھا تا کہ وہ اُس کے پتھروں کو یمن لے جا کر وہاں پر ایک گھر بنائے جس کا لوگ احترام کریں لیکن اللہ نے اُس کے ناپاک عزائم کو بھی خاک میں ملا یا اور اپنے گھر کو اُس کے شر سے محفوظ رکھا۔

ابرہہ کا واقعہ ۵۷۰ء کا ہے۔ اسی کو سنہ عام الفیل بھی کہتے ہیں۔ یعنی ہاتھی والا سال۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات اس واقعہ کے آٹھ سال بعد یعنی ۵۷۸ء میں ہوئی۔ آپ حجوں کے مقام پر دفن ہیں۔ ②

① سورة الفيل

② علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب ج ۲ باب ۱۔ علامہ سید ذیشان حیدر جوادی،

نقوش عصمت ص ۲۰۔ علامہ تفضی جعفر عالمی، الصحيح من سيرة النبي الاعظم ﷺ، ص ۸

حارث بن عبد المطلب عم النبی ﷺ

حارث، حضرت عبد المطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے، انہی کے نام پر حضرت عبد المطلب کی کنیت ابو الحارث تھی۔ وہ جناب عبد المطلب کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے۔^(۱)

حضرت امیر حمزہؓ بن عبد المطلب عم النبی ﷺ

حضرت امیر حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے۔ آپ نے جنگ بدر میں نہایت شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھائے اور جنگ اُحد میں دشمن کے بڑے بڑے بہادروں کو خاک میں ملایا پھر ایک وحشی کے ہاتھوں شہید ہوئے جس نے چھپ کر بزدلانہ حملہ کیا تھا۔ اُسے زین البوسفیان ہندہ نے لالچ دے کر اس مقصد کے لیے خاص طور پر تیار کیا تھا۔ شہادت کے بعد ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ نبی ﷺ نے آپ کو سید الشہداء کا خطاب عطا فرمایا۔^(۲)

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب عم النبی ﷺ

حضرت عباسؓ بن عبد المطلبؓ بھی نبی ﷺ کے چچا تھے۔ آپ آنحضرت ﷺ سے عمر میں دو سال بڑے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام منتلہ بنت خباب تھا جو پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے بیٹ الحرام کو حریر اور دیباغ کا غلاف پہنایا۔ حضرت عباسؓ رئیس قریش بھی تھے۔ آپ بیٹ الحرام کے اندر گالی گلوچ نہ ہونے دیتے تھے اور آپ کی وجہ سے کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر کوئی بیہودہ بات زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔^(۳) جنگ بدر میں آپ قریش کی طرف تھے اور گرفتار ہو گئے۔

^(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲، باب اول النسب، ص ۳۳۲

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲، باب اول النسب، ص ۳۳۲

^(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲، باب اول النسب، ص ۳۳۲ بحوالہ

حافظ ابن عبد البر (متوفی ۴۶۳ھ)، الاستیعاب، علی بن محمد اثیر الجوزی (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ ۳: ۱۶۳

آپ کی مشکلیں اس طرح کس دی گئیں کہ تکلیف سے کراہنے لگے۔ آپ کے کراہنے کی آواز نبی ﷺ کی سماعت تک پہنچی تو حضور ﷺ بے چین ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! آپ (ﷺ) آرام کیوں نہیں فرما رہے؟ فرمایا کہ عباس کے کراہنے کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آرہی۔ پھر حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز بند ہو گئی۔ حضور ﷺ نے کسی سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اُن کی مشکلیں کھول دی گئی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ سب اسیروں کے ساتھ یہی سلوک کرو۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ قدیم الاسلام تھے لیکن اُنہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ آپ نبی کریم ﷺ کے حکم سے مکہ میں مقیم تھے، کفار کی خبریں حضور ﷺ تک پہنچایا کرتے تھے اور غریب مسلمانان مکہ کی امداد کیا کرتے تھے۔^(۱) نبی اکرم ﷺ آپ کا احترام کرتے اور فرماتے، ”هَذَا عَجَى وَصَنُؤَابَى“ (یہ میرے چچا ہیں اور باپ کی طرح ہیں)۔^(۲)

آپ حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں بھی شامل ہوئے۔ آپ قراہتداروں سے حسن سلوک کرنے والے، صاحب رائے و تدبیر اور مستجاب الدعائے۔ آپ نے ۱۲ رجب یا رمضان ۲۲ ہجری میں ۸۸ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔^(۳)



^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو) جلد ۲ ص ۱۳۸۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲ باب اول النسب، ص ۳۴۵

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲ باب اول النسب، ص ۳۴۵ بحوالہ:

بخاری ۱۴۶۸، مسلم ۹۸۳، ابوداؤد ۱۶۲۳، نسائی ۲۴۶۵، ابن خزیمہ ۲۳۲۹، ترمذی ۳۷۷۰

^(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲ باب اول النسب، ص ۳۴۵

زبیر بن عبدالمطلب عم النبی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے چچا زبیر کا نام ”حلف الفضول“ کے حوالے سے بہت مشہور ہے۔ حلف الفضول کے قیام میں انہوں نے بہت سعی کی تھی جس سے ان کی نیکی اور صلہ رحمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ (اس کی تفصیل حلف الفضول کے باب میں ملاحظہ فرمائیں)

وہ فصیح البیان شاعر بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک ۲۴ سال تھی جب ان کا انتقال ہو گیا۔^①

حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب علیہ السلام عم النبی ﷺ

آپ رسول گرامی ﷺ کے سب سے پیارے چچا اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے والد محترم تھے۔ آپ کا اصل نام عمران بن عبدالمطلب۔ آپ حضرت عبد اللہ علیہ السلام کے حقیقی یعنی سگے بھائی تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائد بن عمرو بن مخزوم تھا۔ آپ بہت باوقار اور دانش مند تھے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے نہایت محبت اور جاں فشانی سے رسول اللہ ﷺ کی پرورش و پرداخت کی۔ آپ نے کارہائے رسالت میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت و حمایت کی اور جب قریش حضور ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے تو آپ حضور ﷺ کی ڈھال بن گئے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ تمام قریش اکٹھے ہو کر آپ کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ محمد (ﷺ) کو ہمارے سپرد کر دو۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر انٹنی اپنے بچے کے بغیر رہ سکتے تو میں ان کو تمہارے سپرد کر دوں (یعنی یہ ناممکن ہے)۔ اس کے بعد حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ اشعار کہے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

① قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: حرمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲، باب اول النسب، ص ۳۷

”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!

یہ قریش آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل آکر

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا و زار نہ پہنچا سکیں گے

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دین کی خوب تبلیغ کیجئے

اور کچھ تنگی و خوف محسوس نہ کیجئے

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھیں خوش اور ٹھنڈی رہیں

کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے دعوت دی

اور کہا کہ آپ میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں

یقیناً آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ فرماتے ہیں!

بلاشبہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) امین ہیں!

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے دین کو ظاہر فرمایا ہے

جو یقیناً مخلوق کے سارے ادیان سے بہتر و افضل ہے“^①

روایت ہے کہ حضرت ابوطالب نے اپنے فرزند ارجمند امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ

علی! انہوں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہیں خیر کی دعوت دی ہے، اس پر قائم رہنا۔^②

علامہ طریحی بحوالہ امام جعفر الصادق علیہ السلام کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب ایمان کے حوالہ سے

اصحاب کہف کی مانند تھے۔ شمس العلماء ندیر احمد شبلی صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطالب

دین فطرت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، وہ دل سے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا پیغمبر اور اسلام کو

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۵۹

② ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۸۳، بحوالہ ابن ہشام ۳۸۱: ۳- شبلی ۲۰۲: ۲

خدا کی دین سمجھتے تھے اور وقتِ وصال کلمہ پڑھ رہے تھے۔^(۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کے وصال کے وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، ”اے بھتیجے! خدا کی قسم بلاشبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا جس کلمہ کے پڑھنے کو آپ (ﷺ) انہیں فرما رہے تھے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”ہاں! میں نے سنا ہے۔“^(۲)

مردی ہے کہ آپ نے رحلت کے وقت بنی عبدالمطلب کو بلایا اور وصیت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا اور اگر محمد (ﷺ) کی بات سنو تو اُن کی پیروی کرنا اور نصرت و اعانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد و فلاح پاؤ۔^(۳)

آپ کا انتقال ۸۵ سال کی عمر میں شوال سنہ ۱۰ بعثت میں ہوا۔ ”المواہب اللدنیۃ“ میں ہے کہ اُس وقت حضور ﷺ کی عمر اُنچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن تھی۔^(۴)

آپ کے انتقال کے سال کو رسول اللہ ﷺ نے ”عَامُ الْحُزْنِ“ یعنی غم کا سال قرار دیا۔^(۵) یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ محرم الحرام میں شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے محض دس روزہ سوگ پر کچھ مسلمان اعتراض کرتے ہیں جبکہ یہاں حسین علیہ السلام کے دادا کی وفات پر رسول اللہ ﷺ نے پورے سال کو غم کا سال قرار دیا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی آخری آرام گاہ مکہ میں ہے۔

^(۱) علامہ نجم الحسن کراوی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۴۱ بحوالہ علامہ تریکی و شمس العلماء نذیر احمد شبلی

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۷۲

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۷۲

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۷۲

^(۵) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۱۰۰، بحوالہ اعلامہ الوردی

حضرت علی علیہ السلام برادرِ رسول ﷺ

سید نجم الحسن کراروی صاحب اپنی شہرہ آفاق کتاب ”چودہ ستارے“ میں حضرت علی علیہ السلام کے باب میں لکھتے ہیں:

اوصافِ علی بہ گفتگو ممکن نیست گنجِ اَشِ مجردِ سبُو ممکن نیست

من ذاتِ علی بواجبی کئے دانم الادانم کہ مثل اُو ممکن نیست

(علی علیہ السلام کے اوصاف بیان کرنا ممکن نہیں ہے جیسے کوزے میں دریا کو بند کرنا ممکن نہیں۔

میں علی علیہ السلام کی ذات کے متعلق کیا کہوں؟ بس اتنا جانتا ہوں کہ اُن کی مثال ممکن ہی نہیں)

مولودِ کعبہ حضرت علی علیہ السلام، حضرت ابوطالب و جناب فاطمہ بنتِ اسد کے بیٹے، رسول اللہ ﷺ

کے داماد، بھائی اور جانشین، حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے شوہر اور حضرت امام حسن، حضرت امام

حسین، حضرت عباس علمدار، حضرت زینب اور حضرت اُم کلثوم (علیہم السلام) کے پدرِ بزرگوار تھے۔

آپ ہمیشہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کے مدارِ المہام کی حیثیت سے کارِ پرداز رہے۔ اُمورِ مملکت ہوں یا

میدانِ جنگ، آپ ہر موقع پر تاجدارِ دو عالم ﷺ کے ہمدوش و ہمراہ رہے۔ عہدِ رسالت

ﷺ کی فتوحات کا سہرا ہمیشہ آپ ہی کے سر رہا۔ اسلام کی پہلی منزل دعوتِ ذوالعشیرہ سے لے

کر تاجِ ارتحالِ رسول ﷺ آپ نے وہ کار ہائے نمایاں سرانجام دیئے جو کسی صورت بھلائے

نہیں جاسکتے کیونکہ آپ پیدا ہی کیے گئے تھے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے لیے۔^①

اہلِ سنت کے نامور عالم دین قاضی محمد سلمان منصور پوری صاحب، اپنی تالیفِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِمْ

(ﷺ) میں حضرت علی علیہ السلام کے باب میں اس جملہ سے آغاز فرما کر گویا کوزے میں دریا کو بند

① علامہ نجم الحسن کراروی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے ص ۱۱۹

کرتے ہیں، ”اس امام ہادی انا م ابوالآثمہ العظام کے محاسن و فضائل کے لیے دفتر درکار ہیں اگر حیات باقی رہی تو انشاء اللہ ان کی سیرت پر ایک علیحدہ جلد لکھوں گا۔“ ^(۱) آگے چل کر لکھتے ہیں، ”حضور (حضرت علی علیہ السلام) کے شاندار کارناموں میں شبِ ہجرت، بدر، اُحد، خندق، صلح حدیبیہ اور خیبر و حنین کے واقعات نہایت مشہور ہیں۔ شجاعت اور فضلِ قضا میں بین الامثال ممتاز تھے۔ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا (علیہا السلام) کے زوج اور حسن و حسین (علیہما السلام) کے والد بزرگوار تھے۔ ابوالحسن کُنیت فرماتے تھے اور ابو تراب کُنیت پر جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ ہے، نہایت شادماں ہوتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ماہِ ذی الحجہ ۳۳ ہجری کو خلیفہ ہوئے اور جمعہ ۷ ارمضان المبارک ۴۰ ہجری کو اشقی الناس ابنِ الحِجَم کے ہاتھوں مسجدِ کوفہ میں زخمی ہو کر واصلِ بحق ہوئے۔ امام حسن و حسین (علیہما السلام) کے علاوہ (دیگر ازاواج سے) ان کے سولہ فرزند تھے۔“ جناب قاضی محمد سلیمان صاحب مزید لکھتے ہیں کہ شاہانِ ایران کے سابقہ طبیبِ خاص کثیر بن عمر السکونی نے بتایا کہ جس زخم کی وجہ سے شہادت ہوئی وہ دماغ تک پہنچ گیا تھا اور صحت محال تھی۔ مکر بن حماد القاہری نے ہائلہ شہادت پر اشعار کہے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

ابنِ الحِجَم سے کہنا (گو میں جانتا ہوں) کہ تقدیر سب پر غالب ہے

مگر اے کم بخت! تُو نے اسلام کے ارکان کو ڈھایا

وہ شخص جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل تھا

اسلام اور ایمان میں سب سے اوّل تھا

اور قرآن و سنت کے جاننے میں سب سے اعلم تھا

تُو نے اُسے قتل کیا

^(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ، ج ۲ ص ۳۳۶

وہ دامادِ نبی (ﷺ) اور اُن کا دوست و ناصر تھا
 جس کے مناقب کے نور اور برہان روشن ہیں
 جو علی، نبی ﷺ کے لیے ایسا تھا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام
 جو لڑنے میں شمشیر براں اور دلیر شیر تھا جب خوب گھمسان کا رن پڑ جاتا ہو
 میں اُس کے قاتل کا خیال کرتا ہوں اور روتا روتا کہتا ہوں
 اے اللہ! تو پاک ہے، تیری قدرت عجیب ہے
 میں اُس کے قاتل کی بابت یہی کہوں گا کہ
 وہ بشر نہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو بلکہ شیطان ہے
 اپنے قبیلہ مراد میں سب سے زیادہ بد بخت
 اور میزان میں سب سے زیادہ زیاں کار
 (وہ تو) عاقر ناقہ جیسا تھا جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کو مارا
 اور قومِ شمود پر ملک حجر میں تباہی لانے کا سبب ٹھہرا
 معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام پر وار کرنے سے اُس کا مقصد یہی ہوگا
 کہ وہ خود جہنم کی آگ کا ایندھن بن سکے^①

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



^① قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲ ص ۳۳۸

عمّات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حضرت اُمّ حکیم بیضاءؓ:

حضرت اُمّ حکیم بیضاءؓ حضرت عبداللہؐ و حضرت ابوطالبؓ وزیر کی حقیقی بہن تھیں۔^(۱)

(۲) حضرت امیمہؓ:

حضرت امیمہؓ کا نکاح جحش بن رباب سے ہوا تھا۔ اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش، اُمّ حبیبہ اور حمہ اُن کی بیٹیاں اور عبداللہ بن جحش اُن کے بیٹے تھے جو یوم اُحد شہید ہوئے۔^(۲)

(۳) حضرت عاتکہؓ:

عاتکہ کے معنی طاہرہ ہیں۔ انہوں نے جنگ بدر سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار نے کوہ ابو قنیس سے ایک پتھر اٹھا کر رکن کعبہ پر پھینچ مارا، وہ پتھر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اُس کے ریزے بنو زہرہ کے سواقریش کے ہر گھر میں جا گرے۔ یہ خواب اُن کافروں نے خوب ہنسی اڑائی اور کہنے لگے کہ اب تو ہاشم کی لڑکیاں بھی نبوّت کرنے لگیں۔ حضرت عاتکہ کا خواب سچ ثابت ہوا اور کافروں کو سخت ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔^(۳)

(۴) حضرت صفیہؓ:

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ وہ عوام بن خویلد بن اسد کی زوجہ تھیں جو

^(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۷

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۷

^(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۸

حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کے حقیقی بھائی تھے۔^(۱)

(۵) حضرت برّہ ؓ:

حضرت برّہ ؓ، عبدالاسد بن بلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم القرشی کی بیوی تھیں۔ ابوسلمہ ؓ عبداللہ ان ہی کے بیٹے تھے جو اُمّ المؤمنین حضرت سلمہ ؓ کے پہلے شوہر تھے۔ بقولے، ابوسلمہ ؓ کا شمار اسلام قبول کرنے والوں میں گیارہویں نمبر پر ہے۔^(۲)

(۶) حضرت ارویٰ ؓ:

حضرت ارویٰ ؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ ؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ ابن سعد اور ابن القیم نے ان کے اسلام کی تصدیق کی ہے۔ روایت ہے کہ جب ان کے بیٹے نے انہیں اسلام قبول کرنے کی خبر سنائی تو انہوں نے کہا کہ تیرے لئے تیرے ماموں کا بیٹا سب سے بڑھ کر خدمت اور مدد کا حق دار ہے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم عورتوں کو مردوں جیسی طاقت حاصل ہوتی تو ہم اُن کا بچاؤ کیا کرتیں اور اُن کے دشمنوں کو جواب دیا کرتیں۔^(۳)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



^(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ لِّلْعَالَمِينَ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۸

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ لِّلْعَالَمِينَ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۸

^(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ لِّلْعَالَمِينَ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲ ص ۳۴۹ بحوالہ واقدی

محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد

حضرت عبداللہ علیہ السلام

(والد گرامی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی تھے۔ آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابوالاحمد تھی۔ آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے پیارے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ ایک عظیم، متقی اور پرہیزگار خاتون تھیں، اُن کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائد بن عمرو بن مخزوم تھا۔ آپ نہایت بلند اخلاق کے مالک، شریف، نیک اور پرہیزگار انسان تھے۔ آپ کی طبیعت میں متانت اور سنجیدگی انتہا کی تھی۔ گفتگو میں کمال درجے کی فصاحت و بلاغت پائی جاتی تھی۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح ہمیشہ ہر برائی سے دُور رہتے۔ آپ اپنے کردار اور خوبیوں کے پیشِ نظر جو انسانِ قریش میں ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ آپ کے بھائیوں میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کو آپ کی نگاہ میں خاص اہمیت اور مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ آپ کی شادی قبیلہ زہرا میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی حضرت آمنہ علیہا السلام سے ہوئی۔ شادی کے وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ اپنے والد محترم حضرت عبدالمطلب کے ساتھ جارہے تھے کہ ورقہ بن نوفل کی بہن اُم قتال نے آپ سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں؟ آپ نے کہا کہ اپنے والد کے ساتھ ہوں جدھر وہ جائیں گے میں بھی اُن کے ساتھ ہی جاؤں گا۔ اُس نے کہا کہ سو اُونٹ لے لیں اور مجھے اپنی بیوی بنالیں مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب آپ کو لیے وہب بن عبدمناف بن زہرہ کے ہاں گئے اور اُن کی بیٹی حضرت آمنہ علیہا السلام کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔

اُم قتال کی آپ کے ساتھ نکاح میں دلچسپی اُس علم و معرفت کی وجہ سے تھی جو اُسے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے حاصل ہوا تھا۔ ورقہ بن نوفل نصرانی تھا اور کتبِ سماویہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اُسے اُس

مطالعہ سے علم ہوا کہ اس اُمت میں اولادِ اسماعیل (علیہ السلام) سے نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہونے والا ہے۔ اُمِ قتال نے اُن معلومات کی بنا پر جان لیا کہ آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے والد آپ ہی ہیں اور آپ کی پیشانی سے ساطع نور اُسی نبی آخر و اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا ہے۔^①

ایسی ہی روایت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبد المطلب حضرت عبد اللہ کو ساتھ لے کر بنی زہرہ کے ہاں جا رہے تھے تو راستے میں ایک کاہنہ کی نظر حضرت عبد اللہ کے چہرہ مبارک پر پڑی۔ وہ قدیم کتب کا مطالعہ کیا کرتی تھی جن سے اُسے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی علاماتِ ظہور و خروج کا علم ہو چکا تھا۔ اُس نے آپ کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹی دیکھیں تو پہچان لیا کہ یہ چہرہ نورِ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منور ہے چنانچہ آپ سے کہنے لگی کہ اے جوان! کیا تُو مجھے اپنائے گا؟ میں سو اُونٹ پیش کروں گی۔ آپ نے کہا کہ میں حرام فعل کا ارتکاب بالکل نہیں کروں گا اور حلال طریقہ (نکاح) بھی ممکن نہیں اس لیے تُو جو چاہتی ہے وہ نہیں ہو سکتا۔ پھر اُسے حسرت و یاس کی کیفیت میں چھوڑ کر چل دیئے۔

ابو الفیاض سے مروی ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک نہایت خوبصورت اور پاکدامن عورت نے جو کہ قدیم کتابوں کا مطالعہ کیا کرتی تھی، حضرت عبد اللہ کو دیکھا اور اُن کے چہرے کو نورِ نبوت سے درخشاں پایا تو پوچھا کہ اے جوان! تم کون ہو؟ آپ نے اپنا تعارف کرایا تو کہنے لگی کہ اگر میرے ساتھ موافقت و نکاح کو پسند کرو تو میں سو اُونٹ دینے کو تیار ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں حرام کاری پر موت کو ترجیح دوں گا اور کوئی حلال و جائز صورت بھی نہیں ہے جس پر غور کروں لہذا جو نیت اور ارادہ تمہارا ہے اُس کا کوئی امکان نہیں ہے۔^②

① ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ھ)، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنہایۃ)، ج ۲ ص ۱۵۵

② عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۱۱۲

سرورِ انبیاء ﷺ کی ولادت مبارکہ ابھی نہیں ہوئی تھی کہ پچیس یا اٹھائیس سال کی عمر میں حضرت عبداللہ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ اُس وقت سات ماہ کے تھے، دوسری روایت کے مطابق دو ماہ کے تھے لیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ابھی حضور ﷺ دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے۔

ایوب بن عبدالرحمن سے منقول ہے کہ آپ تجارت کی غرض سے شام کی طرف گئے اور وہاں علیل ہو گئے۔ واپسی پر مدینہ طیبہ سے گزر رہے تو ساتھیوں سے معذرت کر لی اور اپنے ننھیال بنی عدی بن نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ آپ وہاں پر ایک ماہ تک بیمار رہے۔ قافلے والوں کی زبانی حضرت عبدالطلب کو آپ کی علالت کی خبر ہوئی تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر گیری کے لیے روانہ کیا، حارث وہاں پہنچے تو آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہ علیہ السلام ”ابو“ کے مقام پر مدفون ہیں۔^①

سیدہ آمنہ علیہا السلام

(والدہ ماجدہ جناب رسول خدا ﷺ)

سیدہ آمنہ علیہا السلام نبی اکرم ﷺ کی والدہ محترمہ تھیں۔ آپ قبیلہ بنو زہرہ کے محترم سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی صاحبزادی تھیں۔



① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، جلد ۲ ص ۲۹، ۳۰

طلوعِ سحر

ولادتِ باسعادت سرورِ انبیاء ﷺ

(۷ ربیع الاول، ۵۲ قبل ہجرت ۲۷/۲۸ اپریل ۵۷۱ء)

نہ صرف سرزمینِ عرب پر بلکہ تمام عالم پر چھائی ہوئی جاہلیت کی گہری ظلمتوں میں انسانیت سسک رہی تھی، آدمیتِ دَم توڑ رہی تھی، ظلم و بربریت کا بازار گرم تھا۔ کوئی روشنی تھی نہ روشنی کا سراغ۔ کہیں انسانِ نبیِ خدا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے معجزات دیکھ کر اُسی کو خدا بنا بیٹھا تھا تو کہیں اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہوئے پتھر کے اصنام کے آگے سرنگوں تھا۔ شراب نوشی، جوا، بدکاری، لوٹ مار اور قتل و غارت گری عام تھی۔ ان تمام برائیوں میں جو جتنا زیادہ ملوث ہوتا اُتنا ہی طاقتور اور معزز سمجھا جاتا۔ کمزور اور نادار لوگوں پر دُنیا تنگ تھی، انسانوں کی خرید و فروخت کے لیے منڈیاں لگتی تھیں، مردوں کو غلام بنایا جاتا تھا اور ان غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ عورت محض جنسی ہوس کی تسکین کا ذریعہ بن کے رہ گئی تھی۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور جو کسی وجہ سے بچ جاتی تھیں وہ اپنے معاشرتی حقوق سے محروم رہتیں، اُن کا کام محض مردوں کی خدمت کرنا ہوتا تھا۔ مرد کا عورت پر تشدد کرنا جائز اور عورت کا احتجاج کرنا جرم سمجھا جاتا تھا۔ انسان شرک اور بُت پرستی کی وجہ سے اندھیروں میں گھرا ہوا تھا اور فطری حسِ لطیف، عقلِ سلیم اور علم و حکمت کے نور سے محروم تھا۔ طہارت و حیا کا فقدان تھا، ضمیر خوابیدہ اور ذوقِ کثیف تھا۔ کسبِ حلال کا کوئی تصور نہیں تھا، محنت کی تحقیر و تذلیل کی جاتی تھی، وسائلِ پیداوار اور پیداوار کی تقسیم غیر منصفانہ تھی۔ سود خوری، استحصا، معاشی احتیاج، افلاس اور بخل و تکاثر کا راج تھا۔

اُس دور کے بڑے ادیان عیسائیت، یہودیت، مجوسیت، بدھ مت اور ہندو مت تھے، عرب زیادہ تربت پرست تھے۔ عیسائیت اور یہودیت وغیرہ کی الہامی کتب میں اس قدر تحریف ہو چکی تھی کہ اصل نقل کا امتیاز ناممکن ہو گیا تھا اور پیشواؤں کی غلط اور گمراہ کن تاویلات کے سبب اُن پر سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ گیا تھا۔ لوگ کمزور، مظلوم اور پسے ہوئے طبقے کی طرح کسی نجات دہندہ کی آمد کے طلب گار اور منتظر تھے۔ پھر قدرت کو اُن پر رحم آگیا اور طلوعِ سحر کے آثار نمودار ہوئے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مضبوط و توانا لڑکا تھا یعنی سات آٹھ سال کا جب ایک یہودی کو صبح سویرے مدینہ منورہ میں زور زور سے چلاتے ہوئے دیکھا۔ وہ پکار رہا تھا، ”اے گروہ یہود! اے گروہ یہود!“ یہودی اُس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا ہوا اور ہمیں کیوں بلایا؟ اُس نے کہا کہ وہ ستارہ جس کو احمد (ﷺ) کی ولادت کی علامت سمجھا جاتا تھا آج رات طلوع ہو گیا ہے۔^①

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بعثت سے چالیس برس پہلے عام الفیل میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ ﷺ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، بعض مؤرخ ربیع الاول کی ۲ تاریخ، چند ۶، کچھ ۱۲ اور کچھ ۱ بیان کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اہل تشیع اور بعض علماء اہل تسنن ۱ ربیع الاول عام الفیل سنہ ۵۷۰ء کو صحیح سمجھتے ہیں۔^②

علامہ مجلسی، حیات القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علماء امامیہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱ ربیع الاول سنہ ۵۷۰ء عام الفیل بروز جمعہ بوقتِ شب یا بوقتِ صبح صادق شعب

① عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوقایا حوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۱۸

② علامہ نجم الحسن کراروی، (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۷۷

ابی طالب میں ہوئی۔^(۱)

اُس وقت نوشیرواں کسرئی کی حکومت کا بیالیسواں سال تھا۔ مصر کے ایک مشہور ماہر فلکیات کی تحقیق کے حوالے سے مولانا شبلی صاحب کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کا یوم ولادت ۹ ربیع الاول اور عیسوی سال کے مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔^(۲)

اسی طرح ولادت کے دن میں بھی اختلاف ہے، کچھ کے نزدیک بروز جمعہ اور بعض پیر کا دن لکھتے ہیں۔ طبری اور کلینی نے تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز دُنیا میں تشریف لائے جبکہ غیر امامیہ حضرات کا نظریہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت پیر کے دن ہوئی۔^(۳)

آنحضرت ﷺ کی ولادت شعب ابی طالب میں جس گھر میں ہوئی آپ ﷺ نے اُسے حضرت عقیلؓ کو ہبہ کر دیا تھا، حضرت عقیلؓ نے محمد بن یوسف ثقفی کے ہاتھ فروخت کیا اور اُس نے ہارون رشید کو۔^(۴)

ایک روایت کے مطابق ہارون کی ماں خیزران نے اُس گھر کو خرید کر مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، لوگ وہاں آکر نماز پڑھتے، اُس گھر کی زیارت سے مشرف ہوتے اور اُسے متبرک سمجھتے تھے۔ آج کل اس جائے مبارک و باسعادت کو سعودی حکام نے لائبریری میں تبدیل کر دیا ہے۔^(۵)

مجھے اس جائے مبارک کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ واقعی اسے ایک لائبریری بنا دیا گیا

① علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۴۴

② مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء)، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۰۹

③ علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحيح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ، ص ۱۰۴

④ علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۱۳

⑤ سید محسن امین عالمی (متوفی ۱۹۵۳ء)، اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۷

علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحيح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ، ص ۱۰۶

ہے۔ اس کے صدر دروازے کو اندر سے مقفل رکھا جاتا ہے تاکہ زائرین اندر نہ جاسکیں۔

شمع رسالت کے پروانے لائبریری کے بند دروازے پر اس اُمید کے سہارے بیٹھے رہتے ہیں کہ شاید مقدر یاوری کرے اور دیدہ و دل کو اس جائے مقدسہ کی اندرونی زیارت نصیب ہو جائے۔

حضور ﷺ عالمین کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے تو بطنِ مادر میں اپنی والدہ ماجدہ کے لیے بھی سراپا رحمت ثابت ہوئے۔ حمل اور عمل پیدائش کی جن تکالیف سے بچہ کو گزرنا پڑتا ہے آپ ﷺ کی والدہ محترمہ آپ ﷺ کی رحمت و برکت کے طفیل ان تمام صعوبتوں سے بالکل محفوظ رہیں گویا کہ وہ حمل اور پیدائش کے عمل سے گزری ہی نہیں۔

حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں، ”مجھے کچھ پتہ نہیں چلا تھا کہ میں حاملہ ہوں۔ عام عورتوں کی طرح نہ کوئی بوجھ اور ثقل محسوس ہوا نہ متلی وغیرہ۔ میں نے حمل سے لے کر ولادت تک کوئی مشقت اور تکلیف محسوس نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی ماں کا حمل و جنین اتنا خفیف و لطیف اور عظیم برکتوں والا ہوتا ہوگا جیسا کہ میرا تھا۔ جب مجھ پر زچگی کا وقت آیا تو ستارے یوں نظر آنے لگے گویا وہ میرے قریب آگئے ہوں اور جب میرا فرزند (ﷺ) دُنیا میں آیا تو اُس نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا (سجدہ کیا) اور اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے اُوپر دیکھا پھر اُس (ﷺ) سے ایک نور ساطع ہوا جس سے ہر چیز روشن ہوگئی۔ اُس نور میں سے آواز آئی کہ (اے آمنہ علیہا السلام!) تم نے سیدِ عرب (ﷺ) کو جنم دیا ہے، اس کا نام محمد (ﷺ) رکھو۔ میں نے جو دیکھا تھا حضرت عبدالمطلب سے بیان کیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کو گود میں لیا اور فرمایا کہ خدا کی حمد ہے کہ اُس نے مجھے ایسا فرزند عطا کیا، یہ خوشبو سے معطر ہے اور گہوارے میں بھی تمام فرزندوں کا آقا ہے پھر حضرت عبدالمطلب نے مجھے ایک تعویذ دیا جس میں ارکانِ کعبہ کا اندراج تھا اور اشعار کے

ذریعے محمد (ﷺ) کی مدحت بیان فرمائی۔“^①

وقتِ ولادت آپ ﷺ کی والدہ ہر آلائش سے پاک تھیں اور آپ ﷺ ناف بریدہ اور مختون تھے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں میری عزت و حرمت یہ (بھی) ہے کہ میں مختون و ناف بریدہ پیدا ہوں اور کسی نے میرے سر کو نہ دیکھا۔^②

بروایت ابنِ واضح، جب آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو شیطان کو رجم کیا گیا، ستارے ٹوٹنے لگے، ایسا زلزلہ آیا کہ دُنیا میں غیر اللہ کی عبادت گاہیں منہدم ہو گئیں۔ جادوگر اور کہانت ہوش و حواس کھو بیٹھے اور اُن کے مؤکلِ محبوس (قید) ہو گئے۔ ایسے ستارے آسمان پر ظاہر ہو گئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ ہزاروں سالوں سے خشک پڑی شام کی وادیِ سہاوہ میں پانی جاری ہو گیا۔ دجلہ میں ایسا سیلاب آیا کہ تمام علاقے زیرِ آب آ گئے۔ کسریٰ کے محل میں پانی بھر گیا، اُس کے طاقِ شکافہ ہو گئے اور محل کے کنگرے زمین بوس ہو گئے۔ کاشان میں موجود سہاوہ کی وہ جھیل جس کی پرستش کی جاتی تھی خشک ہو گئی اور آتشِ کدہٗ فارس کی آگ جو ہزار سال سے روشن تھی اور جسے ایک لمحہ کے لیے بھی بجھنے نہیں دیا جاتا تھا، بجھ گئی۔ آتش پرستوں کے سردار موبدان نے خواب دیکھا کہ طاقتور اور سرکش اُونٹِ عربی گھوڑوں کی قیادت کرتے ہوئے دجلہ عبور کر کے فارس میں داخل ہوئے اور اُس کے بلاد و اطراف میں پھیل گئے۔^③ یہ اشارہ تھا رسولِ عربی ﷺ کی شمعِ رسالت کی طرف جس کی ضوفشائیاں تمام عالم میں پھیلنے والی تھیں۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت جلد ۲ ص ۲۹۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی

۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۶۔ علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، جلد ۲ باب ۳ عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیاء ﷺ (الوفابا حوال المصطفیٰ ﷺ)، باب ۲۱

② عبد الرحمن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا با حوال المصطفیٰ ﷺ)، باب ۲۲ ص ۱۲۶

③ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۴۶۔ بحوالہ ابنِ واضح (متوفی ۲۹۲ ہجری)

اور بحوالہ تاریخ اشاعتِ اسلام دیوبندی ص ۲۱۸ طبع لاہور

اُسی رات حجاز سے ایک نُور برآمد ہوا جو پرواز کرتا ہوا مشرق تک پہنچ گیا۔ اُس وقت تمام سلاطین اندھے ہو گئے، اُن کی رنگت سرخ ہو گئی اور بولنے کی طاقت سلب ہو گئی۔ کاہنوں کا علم اور جادوگروں کا سحر باطل ہو گیا اور اُن کے ہمزاد سلاطین کو اُن سے دُور کر دیا گیا۔ قریش کو اہل عرب کے درمیان ”آل اللہ“ کہہ کر پکارا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بیت اللہ (مکہ) میں سکونت کی وجہ سے اُن کو آل اللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے گرد رکھے ہوئے تمام بُت منہ کے بل گر پڑے اور شام ہوتے ہی آسمان سے آواز آئی، ”حق آیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹ جانے والا ہی تھا۔“ اُس رات تمام دُنیا روشن ہو گئی، پتھر اور درخت بزبانِ حال خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ زمین و آسمان میں موجود ہر شے خدا کی تسبیح کرنے لگی اور شیطان (حواس باختہ ہو کر) بھاگا بھاگا پھرنے لگا۔^①

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل ابلیس ساتویں آسمان تک جایا کرتا تھا اور وہاں کی خبریں کاہنوں اور ستارہ شناسوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُس کا داخلہ تین آسمانوں پر بند کر دیا گیا اور اُس کی رسائی صرف چار آسمانوں تک رہ گئی، جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اُس کا داخلہ ساتویں آسمانوں پر بند کر دیا گیا اور اُسے رُجم کیا گیا۔ بروایت، ابلیس نے اپنے مددگاروں کے درمیان فریاد بلند کی تو تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے ہمارے آقا! کس چیز سے خوفزدہ ہو؟ اُس نے کہا کہ وائے ہو تم پر، میں گذشتہ شب سے آسمان و زمین میں سرگرداں ہوں اور مشاہدہ کر رہا ہوں کہ زمانے میں کیانی اور عجیب بات رونما ہو گئی ہے؟ ولادتِ عیسیٰ (علیہ السلام) سے لے کر اب تک

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، جلد ۲ باب ۳۔

عبدالرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)، باب ۲۳

میں نے ایسا کبھی نہیں محسوس کیا۔ تم سب جاؤ اور جو کچھ واقع ہوا ہے مجھے اُس کی خبر کرو۔ تمام شیاطین چاروں طرف پھیل گئے پھر واپس آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں تو کچھ بھی نیا محسوس نہیں ہوا۔ اِلیس نے اُنہیں کہا کہ تم ٹھہرو میں خود دیکھتا ہوں۔ پھر اُس نے تمام دُنیا میں گھوم پھر کر جائزہ لیا، یہاں تک کہ حرمِ مکہ میں دیکھا کہ فرشتے حرم کو تھامے کھڑے ہیں۔ اِلیس نے چاہا کہ وہ بھی حرم میں داخل ہو مگر اُسے حکم دیا گیا کہ واپس چلے جاؤ۔ پھر وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے روپ میں غارِ حرا کی طرف سے نمودار ہوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُسے دھمکایا اور کہا کہ بھاگ جا اے ملعون!۔ اُس نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے جبرائیل! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ گزشتہ شب سے اب تک کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت ہوئی ہے۔ اِلیس نے کہا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وسلم) میں میرا حصہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ نہیں! اُن (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تیرا کوئی حصہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت میں میرا کوئی حصہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں اس پر راضی ہوں۔^①

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی (متوفی ۳۸۱ھ)، مجالس صدوق (ترجمہ امالی الشیخ الصدوق)، ص ۷۱

سطح کا ہن کی خبر

یہاں میں دو بہت مشہور کاہن رہا کرتے تھے۔ ایک کا نام ربیع بن اذن تھا جس کو سطح کہتے تھے، وہ تمام کاہنوں میں سب سے زیادہ کہانت کا علم رکھنے والا تھا اور دوسرا شق بن ہائلہ یعنی تھا۔ سطح عجیب الخلق تھا۔ خدا نے اُسے گوشت کے ایک لوتھڑے کی شکل میں خلق کیا تھا جس کے جسم میں سوائے سر کے کہیں کوئی ہڈی نہ تھی۔ اس کو کپڑے کی مانند لپیٹ دیا جاتا تھا اور کبھی کھول کر بورے پر ڈال دیا جاتا۔ وہ پشت کے بل پڑا رہتا تھا، اُس کی آنکھ اور زبان کے سوا اُس کا کوئی عضو حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ رات کو چند لمحوں کے لئے سوتا اور پھر تمام شب آسمان کو دیکھتا رہتا۔ بادشاہان وقت رموز و اسرار اور آئندہ حالات معلوم کرنے کے لئے جب اُس کو طلب کرتے تو اُسے پٹارے میں رکھ کر لے جایا جاتا۔

ایک رات، وہ آسمان کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ ناگاہ اُس نے ایک روشنی دیکھی جو اطرافِ عالم میں پھیل گئی، ستارے ٹوٹنے لگے اور نیچے آتے آتے آپس میں ٹکرا کر زمین میں غائب ہونے لگے، ایک دھواں سا چاروں طرف پھیل گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہو گیا اور اگلی رات اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اُسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جائیں۔ وہاں پہنچ کر اُس نے آسمان پر نگاہ کی تو اُسے ایک بہت روشن نور دکھائی دیا جس کی روشنی ہر چیز پر غالب تھی اور زمینوں اور آسمانوں کو گھیرے ہوئے تھی۔ یہ دیکھ کر اُس نے غلاموں سے کہا کہ مجھے نیچے لے چلو، میری عقل حیران ہے، ایسا لگتا ہے کہ میری موت قریب آگئی ہے اور کوئی بڑا حادثہ رونما ہونے والا ہے۔ گمان یہ ہے کہ پیغمبر ہاشمی (ﷺ) کا خروج ہونے والا ہے۔^①

بروایت سفینۃ البحار، اُس نے حضرت رسول کریم ﷺ کی نبوت، حضرت علی علیہ السلام کی خلافت اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کی بھی خبر دی تھی۔ بروایت روضۃ الاحباب،

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، جلد ۲، باب ۳ ص ۱۳۰

اُس کی عمر ۶ سو برس اور بروایت حیات القلوب، ۹ سو برس تھی۔^①

احمد بن محمد رزمہ قزوینی نے بیان کیا، اُن سے حسن بن علی بن نصر بن منصور طوسی نے، اُن سے علی بن حرب موصلی طائی نے، اُن سے ابو ایوب یعلیٰ بن عمران نے (جو جریر بن عبد اللہ کے فرزند تھے)، اُن سے مخزوم بن ہانی مخزومی نے، اُن سے اُن کے والد نے (جو ایک سو پچاس سال زندہ رہے)، بیان کیا کہ حضور ﷺ کی ولادت کی رات ایوانِ کسریٰ لرز اٹھا اور اُس کے چودہ کنگرے گر پڑے، دریائے ساوہ خشک ہو گیا، آتش کدہ فارس جس کی لوگ پرستش کیا کرتے تھے بجھ گیا اور فارس کے سب سے بڑے عالم نے خواب میں دیکھا کہ چند فربہ اُونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچتے ہوئے دریائے دجلہ عبور کر کے بلا وعظم میں منتشر ہو گئے۔ کسریٰ نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو سر پر تاج رکھ کر تخت پر بیٹھا، اپنے امراء اور ارکانِ دولت کو جمع کیا اور جو کچھ وقوع میں آیا تھا سب اُن سے بیان کیا۔ اسی اثناء میں آتشکدہ فارس کے خاموش ہونے کی اطلاع آئی جس سے اُس کا غم و اندوہ اور بڑھ گیا۔ اُس کے ایک عالم نے کہا کہ میں نے بھی ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور پھر وہ خواب بیان کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ مغرب میں کوئی ایسا واقعہ ضرور پیش آیا ہے جسے میں نہیں جانتا۔ کسریٰ نے عرب کے بادشاہ نعمان بن منذر کو خط لکھا کہ عرب کے کسی عالم کو میرے پاس بھیجوتا کہ میں اُس سے ایک اہم مسئلہ دریافت کروں۔ خط پڑھ کر نعمان نے عبد المسیح بن عمرو بن حیان بن نفیلہ غسانی کو بھیج دیا۔ کسریٰ نے اُسے تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ عبد المسیح نے کہا کہ مجھے اس خواب اور اس کے رموز کا علم نہیں مگر میرا خالو سطح جو شام میں رہتا ہے، اس کی تعبیر بتا سکتا ہے۔ کسریٰ نے کہا کہ اُس سے جا کر دریافت کرو اور مجھے اطلاع دو۔ عبد المسیح جب سطح کے پاس پہنچا تو (اُسے ایسا لگا گویا کہ) وہ مر چکا تھا۔ اُس نے سلام کیا مگر

① غم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے ص ۷۷ بحوالہ: سفینة البحار، روضة الاحباب،

کوئی جواب نہ ملا تو چند اشعار پڑھے جن میں ظاہر کیا کہ میں بہت دُور سے تکالیف اٹھا کر ایک بزرگ کے پاس کچھ معلوم کرنے آیا ہوں..... سطح نے جب وہ اشعار سنے تو آنکھیں کھولیں اور..... اُس کا سوال سُن کر کہا کہ اے عبدالمسیح! وہ وقت آ گیا ہے کہ جب (قرآن کی) تلاوت کی جائے گی اور وہ نبی (ﷺ) مبعوث ہوں گے جو ایک چھوٹا عصا اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ ساوہ پُر آب اور سمندر خشک ہو جائے گا۔ شام و عجم اُن کے بادشاہوں کے قبضے سے نکل جائے گا اور قیصر و کسریٰ کے اُن کنگروں کی تعداد کے مطابق جو گر گئے ہیں، اُن کے بادشاہ بادشاہی کریں گے پھر اُن کی حکومت ختم ہو جائے گی اور جو کچھ ہونے والا ہے ضرور ہو کر رہے گا۔ اتنا کہہ کر وہ مر گیا۔^①

یہودی عالم یوسف کی خبر

روایت ہے کہ یوسف نام کا ایک یہودی عالم مکہ میں رہتا تھا۔ اُس نے نبی آخر الزمان ﷺ کی شبِ ولادت رُونا ہونے والے واقعات دیکھے تو بولا کہ یہ اُس نبی (ﷺ) کی ولادت کی رات ہے جس کا تذکرہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ وہ خاتم الانبیاء (ﷺ) ہیں اور اُنہی کی ولادت کے سبب شیطان پر پتھر برسائے گئے۔ صبح ہوئی تو وہ قریش کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آج رات تمہارے قبیلہ میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ کہنے لگا کہ ضرور ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور وہ تمام انبیاء سے افضل اور اُن کا آخر ہے۔ اُس کی بات سُن کر لوگ منتشر ہو گئے اور جستجو کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کے ہاں ایک فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اُس یہودی عالم کو بلایا اور بتایا کہ ہاں! ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اُس نے

① الشیخ الصدوق بن بابویہ الجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۲۰

پوچھا کہ میرے بیان کرنے سے پہلے یا بعد میں؟ انہوں نے کہا کہ پہلے۔ یہودی عالم کہنے لگا کہ مجھے اُس کے پاس لے چلو۔ لوگ اُس کو جناب آمنہ علیہ السلام کے گھرا لے اور کہا کہ ہم بچے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر لایا گیا۔ یوسف یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک اور شانوں کو کھولا اور مُہرِ نبوت کو دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ قریش کو اُس کی حالت پر تعجب ہوا اور اُس کا مذاق اُڑانے لگے۔ اُس نے کہا کہ اے قریش! تم مجھ پر ہنستے ہو حالانکہ یہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو تم لوہار سے تم کو ہلاک کریں گے۔ نبوت قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل سے برطرف ہو گئی ہے۔ پھر لوگ منتشر ہو گئے اور یہودی کی ان باتوں کا چرچا کرنے لگے۔^①

شام سے ابن حواش المقبل کی خبر

شیخ الصدوقؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا، اُن سے علی بن ابراہیم نے، اُن سے اُن کے والد ابراہیم بن ہاشم نے، اُن سے محمد بن ابی عمیر اور احمد بن ابوفضر بزنطی نے، اُن سے ابان بن عثمان احمر نے، اُن سے ابان بن تغلب نے، اُن سے عکرمہ نے اور اُن سے حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب بنی قریظہ کے کعب بن اسد کو سزائے موت کے لیے گرفتار کیا گیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا، ”اے کعب! کیا تجھ کو ابن حواش کی وصیت سے کچھ فائدہ پہنچا؟ ابن حواش، جو شام سے آیا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے شراب کو ترک کر دیا، عیش و عشرت کو خیر باد کہہ دیا، فقر اختیار کر لیا اور خرما کھانا شروع کر دیا ہے، اُس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتظار میں جن کے مبعوث ہونے کا وقت آ گیا ہے، وہ مکہ سے ہجرت کر کے اسی مدینہ میں آئیں گے، خشک روٹی اور خرما اُن کی غذا ہوگی، خنجر پر سوار ہوں گے، اُن کی آنکھوں میں سرخی ہوگی، اُن کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت ہوگی، اپنی تلوار کا ندھے پر رکھیں گے، کسی دشمن کی پرواہ نہیں کریں گے اور اُن کی حکومت ہر اُس مقام تک ہوگی جہاں تک گھوڑوں

① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۲۳

کے پاؤں پہنچ سکیں گے۔“ کعب بن اسد نے کہا، ”یا محمد (ﷺ)! ایسا ہی ہے۔ اگر یہودی یہ نہ کہتے کہ موت کے خوف سے ایمان لے آیا ہے تو میں ضرور ایمان لے آتا۔ میں اب تک یہودیوں کے دین پر رہا ہوں لہذا اُسی پر مرتا ہوں۔“ چنانچہ اُس کی گردن اڑادی گئی۔^①

لیث بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے کعب الاحبار سے پوچھا کہ تم نے اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ولادت سے متعلق کیا پیشین گوئیاں پڑھیں اور آپ ﷺ کے کیا فضائل و صفات مرقوم پائے؟ کعب الاحبار نے کہا کہ میں نے بہتر (۷۲) آسمانی کتب و صحائف کا مطالعہ کیا ہے اور دانیال کے صحائف بھی پڑھے ہیں، اُن سب میں حضور (ﷺ) کا نام بہت واضح طور پر موجود ہے اور آپ (ﷺ) کی ولادت اور عترت کا تذکرہ ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت محمد (ﷺ) کے کسی نبی یا پیغمبر کی ولادت کے وقت فرشتے نازل نہیں ہوئے اور سوائے حضرت مریم (علیہا السلام) اور حضرت آمنہ (علیہا السلام) کے کسی اور (خاتون) کے لیے آسمانوں کے پردے نہیں ہٹائے گئے اور نہ ہی کسی اور عورت پر ولادت کے وقت فرشتے مَوکَل کیے گئے۔ جس رات حضرت محمد (ﷺ) مادرِ گرامی کے بطنِ مطہر میں تشریف لائے تو ساتوں آسمانوں پر ایک منادی نے ندا دی کہ خوشخبری ہو، گوہرِ خاتم الانبیاء (ﷺ) صدفِ مادر میں قرار پایا۔ اس خوشخبری کی منادی زمینوں میں بھی کی گئی اور کوئی چلنے اور پرواز کرنے والا ایسا نہیں تھا جس کو آنحضرت (ﷺ) کی ولادت کی خبر نہ ہوئی ہو۔ آپ (ﷺ) کی ولادت کی رات ستر ہزار قصرِ یاقوتِ سرخ کے اور ستر ہزار قصرِ مروارید کے بنائے گئے جن کے نام قصورِ ولادت رکھے گئے۔ تمام بہشتوں کو آراستہ کیا گیا اور اُن سے فرمایا گیا کہ خوشی مناؤ اور اپنے مقام پر بالیدہ ہوتی رہو کیونکہ آج تمہارے دوست اور پیغمبر (ﷺ) کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ سن کر ہر بہشت خوش ہو کر ہنسی اور وہ سب قیامت تک ہنستی رہیں گی اور میں نے سنا ہے کہ دریا کی مچھلیوں میں سے ایک مچھلی ہے جس کا نام ”عموسا“ ہے۔ وہ سب سے بڑی ہے۔ اُس کی ہزار دُیں ہیں، اُس کی پیٹھ پر

① الشیخ الصدوق بن بابویہ الجعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۲۵

ہر وقت سات لاکھ ایسی گائیں چلتی ہیں کہ ہر گائے دُنیا سے بڑی ہے اور ہر ایک کے سر پر ستر ہزار سینک سبز زمرہ کے ہیں۔ اُس مچھلی کی پشت پر جب یہ گائیں چلتی ہیں تو اُسے پتا بھی نہیں چلتا۔ وہ مچھلی آنحضرت (ﷺ) کی ولادت سے خوش و مسرور ہو کر حرکت میں آئی۔ اگر خدا اُسے ساکن ہونے کا حکم نہ دیتا تو تمام دُنیا اُلٹ جاتی۔ میں نے سنا ہے کہ اُس روز کوئی پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے دوسرے پہاڑ کو خوشخبری نہ دی ہو۔ سب پہاڑ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کا ورد کر رہے تھے اور تمام درخت اور اُن کی شاخیں اپنے پتوں اور پھلوں سمیت خداوندِ عالم کی تسبیح و تقدیس کر رہے تھے۔ اُس روز آسمان و زمین کے درمیان مختلف انوار کے سترستون نصب کیے گئے جن میں سے کوئی ایک دوسرے سے متشابہ نہ تھا۔ جب حضرت آدم (علیہ السلام) کو آنحضرت (ﷺ) کی ولادت کی نوید دی گئی تو فرط مسرت سے اُن کا حُسن ستر گنا بڑھ گیا۔ حوض کوثر میں خوشی سے تلاطم پیدا ہوا اور اُس نے ستر ہزار قصر آنحضرت (ﷺ) پر نثار کرنے کے لیے اپنی تہہ میں سے نکال کر باہر ڈال دیئے۔ شیطان کو چالیس روز کے لیے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور اس دوران اُس کا تخت پانی میں غرق کر دیا گیا۔ تمام بُت سرنگوں ہو گئے اور اُن سے واویلا اور فریاد کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ خانہ کعبہ سے آواز آئی کہ اے آلِ قریش! تمہاری طرف ثواب کی خوشخبری دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا آ گیا ہے، اُس (ﷺ) کا ساتھ دینے میں عزتِ ابدی اور بے انتہا فائدہ ہے۔ وہی خاتم الانبیاء (ﷺ) ہے۔ کعب نے کہا کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ آپ (ﷺ) کی عترت (علیہم السلام) جو کہ اولادِ فاطمہ (علیہا السلام) ہیں، آپ (ﷺ) کے بعد تمام دُنیا کی مخلوق سے افضل ہے اور جب تک اُن میں سے ایک بھی اس زمین پر رہے گا، دُنیا والے خدا کے عذاب سے امان میں رہیں گے۔ ہم نے آپ (ﷺ) کے دونوں فرزندوں کے بارے میں کتابوں میں پڑھا اور دیکھا ہے کہ وہ دونوں حضرت فاطمہ (علیہا السلام) کے فرزند ہیں اور انہیں بدترین لوگ شہید کریں گے۔^①

① الشیخ الصدوق بن بابویہ الجعفری (متوفی ۳۸۱ ہجری)، مجالس صدوق (ترجمہ امالی الشیخ الصدوق)، ص ۵۶۱

آسمائے گرامی جناب رسول کریم ﷺ

حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام محمد (ﷺ) رکھا۔ یہ نام قبیلہ کے رسم و رواج کے مطابق نہیں تھا۔ روایت پسند بنو قریش نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ زمانے بھر کا مدوح بنے۔^(۱)

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے رویائے صادقہ کے مطابق آپ ﷺ کا نام احمد (ﷺ) رکھا۔ خالق کائنات نے بھی آپ ﷺ کو اسی نام سے موسوم فرمایا اور آسمانی کتب و صحائف میں آپ ﷺ کی بخت کی پیش گوئی کی۔ جیسا کہ سورۃ الصف میں ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِنَتِّ إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا يَسْحَرُ مُبِينٌ^(۲)

(اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں (اور) جو (کتابِ سماوی) مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی تمہیں خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اُس کا نام احمد (ﷺ) ہوگا۔ پھر جب وہ اُن کے پاس صاف نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔)

پس، آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر میرا نام محمد (ﷺ) اور آسمان پر احمد (ﷺ) ہے، توریت میں محمد (ﷺ) اور انجیل میں احمد (ﷺ) ہے۔^(۳)

^(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: چشمِ اعظم و آخر ﷺ ص ۱۸۲، بحوالہ ابوالفداء

^(۲) سورۃ الصف، آیت ۶

^(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۱ ص ۶۹

ابن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، ”میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد (ﷺ) ہوں (جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے)، میں احمد (ﷺ) ہوں (اللہ کی حمد و ستائش کرنے والا)، میں حاجی (ﷺ) ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے)، میں حاشر (ﷺ) ہوں (یعنی روزِ محشر لوگ میرے قدم یا مقام پر جمع ہوں گے) اور میں عاقب (ﷺ) ہوں (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔“^①

ابو موسیٰ الاشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”میں محمد (ﷺ) ہوں، احمد (ﷺ) ہوں، المقضیٰ (ﷺ) ہوں (یعنی تمام انبیاء کے بعد آنے والا)، حاشر (ﷺ) ہوں (یعنی لوگوں کو جمع کرنے والا)، میں نبیِ توبہ ہوں (یعنی بکثرت توبہ و استغفار کرنے والا) اور میں نبیِ رحمت ہوں۔“^②

فرزندِ رسول ﷺ، حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ یہود کے چند افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن میں سے جو سب سے بڑا عالم تھا اُس نے آنحضرت ﷺ سے کئی سوالات کیے۔ منجملہ ان سوالات کے، اُس نے یہ بھی پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ (ﷺ) کو محمد و احمد و ابوالقاسم و بشیر و نذیر و داعی (ﷺ) کے ناموں سے پکارا جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میرا نام زمین پر محمد (ﷺ) اور آسمانوں پر احمد (ﷺ) ہے اور میرا نام ابوالقاسم (ﷺ) اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم کرے گا ایک حصہ جہنم کا ہوگا، اولین و آخرین میں سے جو بھی میری نبوت سے انکار کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور دوسرا حصہ جنت کا ہوگا، جو بھی مجھ پر ایمان لائے گا اور میری نبوت کا اقرار

① مسلم، ج ۶ حدیث ۶۱۰۵۔ مشکوٰۃ باب شمائل النبی و صفاتہ۔ جامع ترمذی، حدیث ۲۶۳۹

ج ۲ ص ۱۹۸۔ صحیح بخاری، ج ۵ حدیث ۳۵۳۲

② صحیح مسلم

کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ میرا نام داعی (ﷺ) اس لیے ہے کہ میں لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مجھے نذیر (ﷺ) اس لیے کہا گیا ہے کہ جو میری نافرمانی کرتا ہے اُس کو میں جہنم سے ڈراتا ہوں اور میں بشیر (ﷺ) اس لیے ہوں کہ جو میری اطاعت کرتا ہے میں اُسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔^①

رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک ابوالقاسم سے متعلق ایک حدیث حضرت امام رضا علیہ السلام کی بھی ہے جس سے اہل عرب میں نام رکھنے کے رسم و رواج کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔

بیان کیا علی بن حسن بن فضال نے، اُنہوں نے روایت کی اپنے باپ سے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ نبی ﷺ کی کنیت ابوالقاسم کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے ایک فرزند کا نام قاسم تھا اس لیے آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم (ﷺ) ہو گئی۔^②

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۹۶

② الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۹۴

حضور ﷺ کا نام اور کنیت جمع کرنے کی ممانعت اور حضرت علی علیہ السلام کا استثناء

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنا نام اور کنیت جمع کرنے سے منع فرمایا یعنی بیک وقت نام ”محمد“ اور کنیت ”ابوالقاسم“ رکھنے سے منع فرمادیا، لیکن یہ ممانعت حضرت علی علیہ السلام کے لئے نہیں تھی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (لوگوں کو) اپنے نام اور کنیت کو جمع کرنے سے منع فرمایا، دونوں میں سے کسی ایک کو رکھنے کی اجازت دی، نام یا کنیت۔^(۱)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اگر تم میرا نام رکھو تو میری کنیت نہ رکھو۔^(۲)

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر میرے ہاں کوئی بیٹا ہو تو کیا میں اُس کا نام اور کنیت آپ ﷺ کے نام اور کنیت پر رکھ لوں؟“ فرمایا، ”ہاں۔“ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں میرے لیے اس کی اجازت تھی۔ (یعنی یہ ممانعت دوسروں کے لئے تھی نہ کہ حضرت علی علیہ السلام کے لیے)۔^(۳)

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



^(۱) جامع ترمذی، حدیث ۲۶۴۰ ج ۲ ص ۱۹۹

^(۲) بخاری، باب: کتاب اخلاق کے بیان میں، حدیث ۶۱۸۹، جامع ترمذی

^(۳) جامع ترمذی، حدیث ۲۶۴۲ ج ۲ ص ۱۹۹

رضاعتِ نبی مکرم ﷺ

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین دن یا سات دن یا نو دن تک حضرت آمنہ علیہا السلام کا دودھ پیا پھر تین چار ماہ تک آپ ﷺ کو ابولہب کی کنیز ثویبہ نے دودھ پلایا اس کے بعد آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیئے گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو دو سال تک دودھ پلایا۔ آپ ﷺ دو برس کی عمر تک اُن کے ساتھ رہے اور صحرا کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پائی۔ جب آپ ﷺ پانچ سال اور دو دن کے ہو گئے تو وہ آپ ﷺ کو آپ کے گھرانے میں واپس چھوڑ آئیں۔ معروف مؤرخ اور محقق علامہ نجم الحسن کراوی صاحب، ثویبہ اور حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے والی روایت کی بھرپور تردید کرتے ہوئے اپنی کتاب چودہ ستارے میں لکھتے ہیں، ”اگرچہ تقریباً تمام مؤرخین نے ثویبہ اور حلیمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو دودھ پلایا تھا اور تھوڑے دنوں میں بلکہ کافی عرصہ تک پلایا تھا لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے کیونکہ دنیا کی کسی تاریخ میں یہ نہیں ہے کہ کسی نبی کو اُس کی ماں کے علاوہ کسی اور نے دودھ پلایا ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے حالات دیکھے جائیں تو کوئی ایک مثال بھی ایسی نہ ملے گی جس سے رسول خدا ﷺ کو حلیمہ وغیرہ کے دودھ پلانے کی تائید ہوتی ہو، ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے قدرت کو اس امر پر اصرار شدید تھا کہ وہ اپنے نبی ﷺ کو اُس کی ماں ہی کا دودھ پلوائے۔ مثال کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات دیکھ لیجئے اور اندازہ لگائیے کہ کن ناسازگار حالات و واقعات میں اُن کی ماؤں کو دودھ پلانے کے لیے اُن تک پہنچایا گیا اور جب ایسا دیکھا کہ ماں کے پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے تو خود اُسی بچے کے انگوٹھے سے دودھ پیدا کر دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہوا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر بچے کو ماں کا دودھ دستیاب نہ ہو سکے تو کسی دوسرے طریقے سے شکم سیری ہو جائے۔ دریں حالات میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انبیاء سابق کے طریقے

اور اصول سے ہٹ کر رسول کریم ﷺ کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کے دودھ پلانے کو کیونکر تسلیم کر لیا جائے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ یہ تسلیم شدہ ہو ”حُمَةُ الرِّضَاعِ كُلُّ حُمَةِ النَّسَبِ“ یعنی دودھ سے جو گوشت پیدا ہوتا ہے وہ نسب کے گوشت و پوست کی طرح ہوتا ہے اور ”وَيَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ“ یعنی دودھ پینے سے وہ رشتہ ناجائز ہو جاتا ہے جو نسب سے (بھی) ناجائز ہوتا ہے اور پھر ایسی صورت میں جب کہ ماں موجود تھیں اور عہدِ رضاعت کے بعد تک زندہ رہیں۔ میں یہ تو سمجھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کو جناب آمنہؓ نے دودھ پلایا تھا اور ثویبہؓ وحلیمہؓ نے اُن کی پرورش و پرداخت کی تھی۔ میرے نظریے کو اس سے اور تقویت پہنچتی ہے کہ خداوندِ عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ارشاد فرماتا ہے، ”وَحَرَّ مَنَّا عَلَيْهِ الْمَرَّاضِعُ مِنْ قَبْلُ“^(۱) یعنی ہم نے دودھ پلائے جانے کے سوال سے پہلے ہی تمام دانیوں کا دودھ موسیٰ (علیہ السلام) کے لیے حرام کر دیا تھا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خداوندِ عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماں کی بجائے کسی اور کا دودھ پینے سے بچانے کا اتنا اہتمام کرے اور نحرِ موسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ ایسی عورتیں انھیں دودھ پلائیں جن کا اسلام بھی واضح نہیں ہے؟“^(۲)

علامہ نجم الحسن کراروی صاحب کے اس استدلال کی روشنی میں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاید حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کی صرف پرورش و نگہداشت ہی کی ہو اور دودھ نہ پلایا ہو۔ کم سن بچے کی پرورش کے دوران دایہ اُسے اکثر اپنی گود میں رکھتی ہے اور ممکن ہے اسی وجہ سے ماضی کے مؤرخین کو دودھ پلائے جانے کا خیال سوچھا ہو لیکن اس کے برعکس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حلیمہ سعدیہ

^(۱) سورة القصص، آیت ۱۲

^(۲) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۳۸

نے واقعی دودھ پلایا ہو جیسا کہ کثیر روایات میں ملتا ہے اور اکثر علمائے کرام کے نزدیک اس میں ایسی کوئی عجیب اور قابل اعتراض بات بھی نہیں ہے کیونکہ دودھ تو نبی گرامی ﷺ نے بکری کا بھی نوش فرمایا حالانکہ وہ جانور ہے اور انسان تو اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اُس سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہے۔ مزید برآں اس سے رسول اللہ ﷺ کی شانِ اعلیٰ میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کو فضیلت و بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ یہ شرف و اعزاز خداوند متعال نے نبی بنی حلیمہ سعدیہ کے مقدر میں لکھ دیا ہو کہ وہ سرورِ انبیاء ﷺ کو اپنے شیر سے سیراب کریں۔

روایت شق الصدر

بعض لوگوں کا کہنا ہے (جو ہمارے نزدیک غلط ہے) کہ جب رسول اللہ ﷺ محترمہ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے تو خالقِ مطلق کے حکم پر جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو چاک کر کے آپ ﷺ کے قلبِ اطہر کو باہر نکالا اور اُس میں سے خون کا ایک لوتھڑا (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ قرار دے کر الگ کیا پھر دل کو دھو کر واپس اپنی جگہ منتقل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمل حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں پانچ مرتبہ دہرایا گیا۔ پہلی مرتبہ تین سال کی عمر میں، دوسری دفعہ دس برس کی عمر میں، تیسری بار بعثت کے وقت، چوتھی مرتبہ معراج کی شب جب کہ پانچویں بار میں اختلاف ہے۔ کچھ مکاتبِ فکر کی کتب میں اس واقعے کو تو اتر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اُن کی، سیرتِ نبی (ﷺ) کے موضوع پر لکھی گئی ہر کتاب، مضمون اور بیان میں اس کا ذکر ملتا ہے، جبکہ ایک کثیر تعداد علماء و مؤرخین کی اس روایت کی صحت سے نہ صرف انکار کرتی ہے بلکہ اس کی شدید مذمت بھی کرتی ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ اس روایت کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔

روایت یوں ہے کہ مسلم بن حجاج نے انس بن مالک سے نقل کیا کہ (جب رسول اللہ ﷺ حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے) آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا، آپ ﷺ کے سینہ کو چاک کر کے اُس میں سے دِل کو باہر نکالا اور اُس میں سے ایک لوتھڑا خون کا یہ کہہ کر نکالا کہ یہ آپ (ﷺ) کے اندر (معاذ اللہ) شیطانی حصّہ ہے، پھر دِل کو سونے کے طشت میں رکھ کر آب زمزم سے دھویا اور اُسے درست کر کے واپس (سینہ میں) رکھ دیا۔ بچے دوڑتے ہوئے اپنی ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس آئے اور کہا کہ محمد (ﷺ) قتل ہو گئے۔ وہ سب آپ ﷺ کی طرف لپکے اور (دیکھا کہ) آپ ﷺ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ انس سے روایت ہے کہ میں نے اُن ٹانگوں کا نشان آپ ﷺ کے سینہء مبارک پر دیکھا ہے۔^①

روایت شق الصدک تنقیدی جائزہ

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے بعد اِلیس نے اپنے مددگاروں کے درمیان فریاد بلند کی تو تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو گئے اور کہا کہ اے ہمارے آقا! کس چیز سے خوفزدہ ہو؟ اُس نے کہا کہ وائے ہوتم پر، میں گزشتہ شب سے آسمان وزمین میں سرگرداں ہوں کہ کیا نئی اور عجیب بات رونما ہوئی ہے کہ ولادتِ عیسیٰ (علیہ السلام) سے لے کر اب تک میں نے ایسا نہیں دیکھا۔ تم جاؤ اور جو کچھ پیش آیا ہے مجھے اُس کی خبر کرو۔ وہ سب چاروں طرف پھیل گئے پھر واپس آ کر کہنے لگے کہ ہمیں تو کچھ بھی نیا نہیں لگا۔ اِلیس نے کہا کہ تم ٹھہرو میں خود دیکھتا ہوں۔ پھر اُس نے تمام دُنیا میں گھوم پھر کر دیکھا یہاں تک کہ حرمِ مکہ میں دیکھا کہ فرشتے حرم کو تھامے ہوئے ہیں۔ اِلیس نے چاہا کہ وہ اُس میں داخل ہو مگر اُسے حکم

① صحیح مسلم، ج ۱ ص ۱۰۱

ہوا کہ واپس چلے جاؤ۔ لہذا وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے روپ میں غارِ حرا کی طرف سے نمودار ہوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اُسے دھمکایا اور کہا کہ جاؤ اے ملعون!۔ اُس نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ اے جبرائیل! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ گزشتہ شب سے اب تک کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ہے۔ ابلیس نے کہا کیا اُن میں میرا حصہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں، اُن (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تیرا کوئی حصہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کیا اُن (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت میں میرا کوئی حصہ ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں ہے تو کہنے لگا کہ میں اس پر راضی ہوں۔^①

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر تک ابلیس کی رسائی نہیں تھی اور یہ روایت کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر کو چاک کر کے اُس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو باہر نکالا اور اُس میں سے ایک لوتھڑا خون کا یہ کہہ کر الگ کیا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر (معاذ اللہ) شیطانی حصہ ہے، سراسر غلط ہے۔

(۲) تمام اہل علم اس روایت سے واقف ہیں جو متعدد کتب احادیث میں موجود ہے اور جسے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمیٰؓ کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی یمنی چادر کے نیچے حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ تشریف فرما تھے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

”إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا“^②

(اے اہل بیت! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رِجس (آلودگی/نجاست) کو دُور

① الشیخ الصدوق (متوفی ۳۸۱ ہجری)، مجالس صدوق (ترجمہ مالی الشیخ الصدوق)، ص ۷۱

② سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

رکھے اور تمہیں اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔)

اللہ ربُّ العزت سب سے بڑھ کر حکیم و دانہ ہے اور اُس کا کلام بھی حکمت سے بھرپور ہے۔ اگر ہم اس آیت مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کا ہر لفظ ایک اہم حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ جیسے ”اے اہل بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر قسم کے رِجس کو تم سے دُور رکھے...“ غور کیجیے! فرمایا جا رہا ہے ”تم سے“ دُور رکھے، یہ نہیں فرمایا کہ ”تمہیں“ دُور رکھے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر قسم کے رِجس سے ”تمہیں“ دُور رکھے... تو کہنے والوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ وہ بھی انسان تھے اور رِجس کی طرف مائل ہو جانے کا (معاذ اللہ) طبعی رُحمان رکھتے تھے اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ”تمہیں“ ہر رِجس سے دُور رکھے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہر رِجس کو ”تم سے“ دُور رکھے یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام کا طبعی رُحمان رِجس کی طرف تھا ہی نہیں اس لیے رِجس کو بھی پابند کر دیا کہ وہ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام کا رُخ نہیں کر سکتی، تو پھر سرورِ انبیاء ﷺ کے قلبِ مطہر میں شیطانی حصّے کی وہ رِجس (معاذ اللہ) کیسے ساگئی جسے بعد ازاں بذریعہ آپریشن نکالنا پڑا؟ اس آیت کریمہ کا دوسرا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر رِجس کو تم سے دُور رکھے، یہ نہیں فرمایا کہ دُور ”کرے۔“ دُور رکھنے سے مراد ہے کہ رِجس کبھی قریب آئی ہی نہیں بلکہ اُس کو کہیں اور ہی پابند کر دیا گیا تھا۔ اگر یہ فرمایا جاتا کہ دُور ”کرے“ تو اس کا مطلب نکالنے والے یہ نکالتے کہ رِجس قریب تھی (معاذ اللہ) اس لیے اُسے دُور کرنے کی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمنا کی اور آخر کار جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نبی ﷺ کا قلبِ مطہر چاک کر کے ایسا کیا گیا۔ نہیں! بالکل نہیں! رسول گرامی ﷺ کی عظیم و معصوم ہستی ہر رِجس سے پاک ہے، ازل سے اور ابد تک کیونکہ اللہ یہی چاہتا ہے اور یہی مندرجہ بالا آیت مبارکہ اور متعدد دوسری آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے۔

(۳) ایک عظیم تخلیق کار کی تخلیق نقائص سے پاک ہوتی ہے جیسی وہ عظیم کہلاتا ہے۔ خالق کائنات تو عظیم ترین تخلیق کار ہے۔ وہ ہر شے کو پیدا کرنے والا ہے، لاتعداد اشجار، چرند، پرند، حشرات، پھل، پھول اور اجناس وغیرہ وغیرہ۔ اُس کی پیدا کردہ ہر جنس اپنی فطرت کے عین مطابق ہے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ گلاب کے کانٹے غلطی سے چنبیلی کے پھول کو لگ گئے ہوں یا آم کے پھل میں کریلے کی کڑواہٹ سما گئی ہو۔ وہ خالق اعظم جس شے کو جیسے خلق کرنا چاہتا ہے وہ اُس کے حکم کے عین مطابق ویسے ہی تخلیق ہوتی ہے، پھر کیا اللہ رب العزت سے (معاذ اللہ) اپنے محبوب ﷺ کی تخلیق میں کوئی غلطی ہو گئی تھی جو شیطان نے اپنا حصہ آپ ﷺ کے قلب میں ڈال دیا اور اس پرستم یہ کہ اللہ تعالیٰ جو کہ علیم وخبیر ہے، اُس کو (معاذ اللہ) اس کی خبر تک نہیں ہوئی اور اس لیے بعد از اس شق الصد رک کے اُس حصہ کو نکالنا پڑا؟ تو پھر سیدہ شق کر کے اپنے محبوب کو تکلیف دینے میں کیا حکمت تھی؟ وہ تو ”کُنْ“ کہتا ہے اور جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے، یہاں کیوں نہ ”کُنْ“ کہا؟ ایک فرشتے کے ہاتھوں آپریشن کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ یا پھر اللہ سب جانتا تھا اور اُس نے آپ ﷺ کو جان بوجھ کر اس طرح بنایا؟ اگر جان بوجھ کر اس طرح بنایا تو پھر اس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی؟

(۴) یہ آپریشن پہلی مرتبہ کامیاب کیوں نہ ہوا؟ چار یا پانچ بار کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا خالق کائنات (معاذ اللہ) پہلے آپریشن میں ناکام رہا؟ اللہ جل شانہ کے لیے ”ناکامی“ جیسے کلمات کا سوچنا بھی کفر ہے۔

(۵) روایات میں ہے کہ یہ عمل پانچ مرتبہ دہرایا گیا۔ تین سال کی عمر میں، دس سال کی عمر میں، بعثت کے وقت اور معراج کی شب، جبکہ پانچویں بار میں اختلاف ہے۔ تو کیا ہر آپریشن کے بعد شیطان اپنا حصہ رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مطہر میں پھر ڈال دیا کرتا تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)؟ اور اللہ کے رسول ﷺ جو طیب و طاہر ہیں اور ولادت سے پہلے بھی جن کا نور ہمیشہ اصلاط طیبہ

سے ارحامِ مطہرہ میں منتقل ہوتا رہا، اس دوران اپنے قلبِ مطہر میں شیطان کا حصّہ (معاذ اللہ) لیے ہوئے تھے؟ یہ تصوّر بھی ہمارے نزدیک گناہِ کبیرہ ہے۔

(۶) اب ہم ایک اور زاویے سے اس روایت کو دیکھتے ہیں۔ کیا قلبِ انسان میں شیطان کا یہ حصّہ تخلیقِ انسانی کے عمل میں شامل ہے؟ یا اس کا تعلق محض انبیاء و صالحین سے ہے؟ اگر اس کا تعلق انبیاء و صالحین سے ہے تو گزشتہ انبیاء کے سینے شق کر کے یہ عمل کیوں نہ کیا گیا اور انہیں اس حصّے سمیت ہی کیوں رکھا گیا؟ جب کہ ہر نبی معصوم اور پاک ہوتا ہے۔ سرورِ انبیاء ﷺ کے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا گیا؟ یا پھر گزشتہ انبیاء کرام کے قلوب میں وہ حصّہ نہیں تھا اور یہ معاملہ (معاذ اللہ) صرف حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے ہی ساتھ تھا؟ تو پھر نبیوں کے سردار ﷺ کے ساتھ ہی ایسا کیوں کیا حکمتِ الہی نہیں تھی اس میں؟

اور اگر اس کا تعلق تخلیقِ انسانی کے مقررہ عمل کے ساتھ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شیطانی حصّہ ہر انسان کے قلب کا ایک جزو ہے اور اگر واقعی ایسا ہے تو کیا اللہ ربّ العزت کا قائم کردہ سزا و جزا کا عمل (معاذ اللہ) غیر منصفانہ نہیں ہو جاتا؟ روزِ محشر اپنی بد اعمالیوں کی سزا سننے کے بعد کیا ہم روزِ جزا کے مالک کے روبرو یہ کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ مالک! تُو نے تو ہمیں پیدا ہی ایسا قلب دے کر کیا جس میں شیطانی حصّہ شامل کردہ تھا، اور اگر ہمارے قلوب کا بھی اپنے نبی ﷺ کے قلبِ انور کی طرح آپریشن کروادیا ہوتا تو ہم بھی شیطان مردود کے شر سے بچے رہتے۔ اب اس میں ہمارا کیا تصور؟ ہمیں سزا دینا تو سراسر تیرے عدل کے منافی ہے (معاذ اللہ)۔

(۷) تقریباً تمام مکاتبِ فکر کے لوگ اس پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ محتون اور ناف بریدہ حالت میں بطنِ مادر سے دُنیا میں تشریف لائے۔ جیسا کہ مدارجِ النبوت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں، ”جاننا چاہیے کہ جمہورِ اہل سیر کا مذہب ہے کہ حضور ﷺ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام عزت و کرامت میں جو ربّ العزت کے حضور مجھے حاصل ہے، (ایک) یہ (بھی) ہے کہ میں ختنہ کردہ

پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ ارشاد، ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حکمت یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی کمال خلقت اور تکمیل اعضاء میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہونی یہ بھی کہ کوئی عیب آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو۔^①

حضرت آمنہ بھی فرماتی ہیں کہ وقت ولادت آپ ﷺ ناف بریدہ تھے۔^②

شکمِ مادر میں ایک آنت (Umbilical Cord) کے ذریعے سے جو بچے کی ناف سے منسلک ہوتی ہے، ماں کے پیٹ میں موجود پلے سینٹا (Placenta) کے مادوں سے جو کہ آکسیجن اور خون وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں، نشوونما کے لیے بچے کو غذا فراہم ہوتی ہے۔ ہر بچہ شکمِ مادر میں اسی خون اور مادے سے (جو کہ نجس ہوتا ہے) پرورش پاتا ہے۔ اس آنت (Umbilical Cord) کا دوسرا مقصد بچے کے جسم سے خارج ہونے والے فاضل مادوں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو ماں کے بدن میں منتقل کر کے ماں کے جسم کے ذریعے خارج کرنا ہوتا ہے۔ تقریباً اسی طرح کا مضمون مائیکروسافٹ انکارٹا انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

Umbilical Cord: Long flexible cord that allows a fetus to be nourished as it grows and develops within the uterus, or womb. On one end, the cord attaches to the abdominal area of the fetus. On the other end, the cord attaches to the placenta. It is in the placenta that the blood vessels of the mother and fetus exchange contents from each other's circulatory systems. The umbilical cord contains two large arteries, which deliver oxygen and nutrients to the fetus from the placenta and one large vein, which carries carbon dioxide and other wastes from the fetus to the placenta. Transferred to the bloodstream, most of these wastes are soon eliminated through the mother's excretory system.

(Microsoft Encarta Encyclopedia 2005 © 1993-2004 Microsoft Corporation)

اور حضور ﷺ کا وقت ولادت ناف بریدہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر میں وہ آنت (Umbilical Cord) تھی ہی نہیں جسے ولادت کے بعد کاٹا جاتا ہے اور

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۳۳

② عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ)، ص ۱۲۴

آپ ﷺ کی پرورش شکمِ مادر میں بھی کسی قسم کی نجاست سے نہیں کی گئی۔ آپ ﷺ جب شکمِ مادر میں بھی ہر نجاست سے پاک تھے تو پھر وہ شیطانی نجاست آپ ﷺ کے قلب میں کہاں سے آگئی؟ اُس سے پاک رکھنے کا انتظام خالقِ اعظم نے کیوں نہ فرمایا؟

۸) حضرت آمنہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب دُنیا میں تشریف لائے تو عام بچوں کی طرح نہیں آئے۔ آپ ﷺ نے دُنیا میں آتے ہی دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، سجدہ ریز ہوئے اور پھر آسمان کی طرف نگاہ کی۔

اہلِ اسلام میں ولادت کے بعد ہر بچے کو غسل دیا جاتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اُس کے کان میں اذان و اقامت کہی جاتی ہے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ ولادت کے فوراً بعد اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہو رہے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ پاک و پاکیزہ تھے تو سجدہ کیا۔ اگر وقت ولادت آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری نجاست سے پاک رکھا تو وہ باطنی نجاست کیسے پیدا ہو گئی جس کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ ﷺ کا سینہء اطہر چاک کر کے دُور کرنے کی کوشش بار بار کی گئی؟

لہذا ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ شق الصدروالی یہ روایت غلط اور قطعی طور پر بے بنیاد ہے اور اس روایت پر ایمان رکھنا اللہ رب العزت اور رسولِ گرامی قدر ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ ۝



وفاتِ حضرت سیدہ آمنہؓ

(۴۷ قبل ہجرت / ۵۷۷ء)

حضور ﷺ کی عمر چھ سال تھی جب آپ ﷺ نے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ۵۷۷ء میں پہلا اور آخری سفر کیا۔ حضرت آمنہؓ آپ ﷺ کو اور حضرت اُم ایمنؓ کو لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوئیں جہاں حضرت عبداللہ علیہ السلام مدفون تھے۔ حضرت آمنہؓ نے وہاں خاندانِ نجار کے ہاں قیام کیا جو اُن کے سسرالی رشتہ دار تھے۔ آپ شب و روز شوہر کے مرقد کی زیارت کرتیں اور آنسو بہاتیں۔ کوئی ایک ماہ بعد آپ نے واپسی کا قصد کیا۔ جب جحفہ سے تقریباً ۲۳ میل دُور ابوانامی گاؤں پہنچیں تو گویا سفرِ حیات جاری رکھنے کی سکت نہ رہی اور اپنے دُرِ یتیم ﷺ کو اُم ایمنؓ کے سپرد کر کے ابواہی میں اپنی ابدی آرام گاہ میں مقیم ہو گئیں۔ اُم ایمنؓ حضور ﷺ کو لے کر مکہ پہنچیں اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلبؓ کے سپرد کر دیا۔^①

کم سنی میں ہی حضور ﷺ کے والدین کی رحلت کا فلسفہ

آنحضرت ﷺ ولادت سے پہلے ہی اور بعض روایات کے مطابق ولادت کے کچھ عرصہ بعد شفیق باپ کے سایہ شقت سے محروم ہو گئے تھے۔ یتیمی کے محض چار سال، چھ سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ کے بعد والدہ ماجدہ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس لیے یتیم کر دیا تھا اور کم سنی میں آپ ﷺ کے ماں باپ کو دُنیا سے اس لیے اٹھالیا تھا تاکہ خدا کی اطاعت کے سوا

① مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء)، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۱۲

محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب، ج ۱ ص ۶۷

کسی اور کی اطاعت آپ ﷺ پر واجب نہ ہو اور سوائے خدا کے کسی کو آپ ﷺ پر کوئی حق حاصل نہ ہو۔ ایک روایت کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد جناب محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے والدین کی طرف سے یتیم کیوں بنایا؟ فرمایا، ”تا کہ آپ ﷺ پر مخلوق کا (حتیٰ کہ والدین کا بھی) حق واجب نہ ہو۔“^①

کفالت جناب نبی گرامی ﷺ

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد رسول خدا ﷺ اپنے دادا حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی کفالت میں چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام، آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ سے بخوبی واقف تھے اور آپ ﷺ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی عمر آٹھ سال آٹھ ماہ اور آٹھ روز ہوئی تو حضرت عبدالمطلبؑ شدید علیل ہو گئے۔ اُن کی خواہش کے مطابق انہیں ایک تخت پر لٹا کر کعبہ معظمہ کے پردوں کے سامنے لایا گیا۔ اُن کے بیٹے اُن کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ جناب رسول خدا ﷺ بھی آکر حضرت عبدالمطلب کے پاس تخت پر بیٹھ گئے۔ ابولہب ملعون نے چاہا کہ آپ ﷺ کو وہاں سے ہٹا دے، حضرت عبدالمطلبؑ نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ اے عبدالعزیٰ تو اس برگزیدہ خدا کی عداوت دل سے دُور نہیں کرے گا؟

اس کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی جانب رُخ کر کے سرورِ عالم ﷺ کے بارے میں وصیت کی اور اپنی تمام اولاد کو آنحضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم کرنے کے بارے میں تاکید کی اور فرمایا کہ عنقریب اس کی عظمت و جلالت تم پر واضح ہو جائے گی، پھر آپ بیہوش ہو گئے۔

① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا، ص ۱۱۱

جب ہوش میں آئے تو قریش کے معزز افراد سے کہا کہ کیا تم لوگوں پر میرا کوئی حق ہے؟ سب لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ ہم سب پر آپ کا حق ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور سکرَاتِ موت آپ پر آسان کرے، آپ ہمارے اچھے سردار اور بزرگ تھے۔

حضرت عبدالطلبؓ نے کہا کہ میں تمہیں اپنے فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں وصیت کرتا ہوں کہ اس کی عزت کرنا، اسے اپنا سردار سمجھنا اور اس کے حق اور تعظیم میں کمی نہ کرنا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور جان و دل سے قبول کیا۔

پھر حضرت پر جاں کنی کا عالم طاری ہوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لیا اور کہا کہ اے سعادت مند فرزند! مجھ سے الگ مت ہونا، جب تک تم میرے پاس ہو مجھے راحت و آرام ہے۔ یہ کہہ رہے تھے کہ آپ کی روح جو اتر رحمت پروردگار کی طرف پرواز کر گئی۔^①

مختلف روایات کے مطابق حضرت عبدالطلبؓ کا انتقال بیاسی سال، ایک سو دس سال یا ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبدالطلب کا وقت وفات یاد ہے تو فرمایا کہ کیوں نہیں؟ میں اُس وقت آٹھ سال کا تھا۔ حضرت اُم ایمنؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبدالطلب کے جنازہ کے پیچھے چلتے اور درد و فراق سے آنسو بہاتے ہوئے دیکھا تھا۔^②

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۹۵، ۹۶

② عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ الوفا بحوالہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)، ص ۱۶۵، ۱۶۶

حضور ﷺ کی کفالت کے لیے حضرت ابوطالبؓ کی نامزدگی

حضرت عبدالمطلبؓ نے آنحضرت ﷺ کی پرورش و نگہداشت کے لئے حضرت ابوطالبؓ کو وصیت فرمائی تھی۔ حضرت ابوطالبؓ، حضور ﷺ کے سکے چچا تھے۔ آپ ﷺ کے چچا اور بھی تھے مگر حضرت ابوطالبؓ کو ترجیح دیئے جانے کی چار بنیادی وجوہات سامنے آتی ہیں۔

اول: حضرت عبدالمطلبؓ کی وصیت۔^(۱)

دوم: قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ فال حضرت ابوطالبؓ کے نام نکلا۔^(۲)

سوم: خود سرورِ عالم ﷺ نے ہی انہیں یہ اعزاز بخشا۔^(۳) یعنی جو رضائے نبی ﷺ تھی وہی رضائے الہی بھی تھی۔

چہارم: اس اہم ترین فریضہ کو نبھانے کے اہل حضرت ابوطالبؓ علیہ السلام ہی تھے، کوئی اور نہ تھا۔ حضرت ابوطالبؓ، اولاد عبدالمطلبؓ میں سب سے زیادہ شرافت مند اور معزز تھے اور قریش میں بلند مقام اور مرتبے پر فائز تھے۔^(۴)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلبؓ کے وصال کے بعد حضرت ابوطالبؓ رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس لے آئے، وہ آپ ﷺ سے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت کرتے تھے، ہمیشہ آپ ﷺ کو اپنے پاس سلاتے اور جہر جاتے اپنے ساتھ لے جاتے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے بغیر کھانا بھی نہیں کھایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ اُن کو وہ اُلفت

^(۱) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، تلفیح الفہوم، ج ۱ ص ۱۴۹

^(۲) عبدالرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوقایا بحوال المصطفیٰ ﷺ)، ص ۱۶۷

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۴۲

^(۴) علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ، ص ۱۲۱

و محبت تھی کہ ایسی اُلفت و محبت اور اتنا عشق و اُنس اور کسی سے نہیں تھا۔^①

حضرت ابوطالب کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی حضور ﷺ سے محبت کا عالم بھی ایسا ہی تھا۔ آپ حضور ﷺ کے لیے ہمیشہ خصوصی طعام اور لباس کا اہتمام فرمایا کرتی تھیں اور اپنے بچوں پر ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو ترجیح دیتی تھیں۔ حضور ﷺ بھی اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُن کے لئے فرمایا: ”اے میری ماں! خدا آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے، بہت دفعہ آپ نے مجھے کھلانے کے لیے خود بھوک برداشت کی، آپ نے ایسی اچھی چیزیں مجھے کھلائیں اور ایسا اچھا پہنایا جن سے آپ نے خود کو (میری خاطر) محروم رکھا، خدا یقیناً آپ کے ان اعمال سے خوش ہے کیونکہ آپ کی نیت اللہ کی رضا حاصل کرنا اور آخرت میں کامیاب ہونا تھی۔“ آنحضرت ﷺ اُن کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے چچا ابوطالب کے بعد میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ان سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا۔^②

حضرت ابوطالبؓ کے ہمراہ سفرِ شام

(۴۰ قبل ہجرت / ۵۸۲ء)

حضرت ابوطالبؓ بغرض تجارت شام کی طرف تشریف لے گئے تو نبی اکرم ﷺ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۱۲ سال تھی۔ جب قافلہ بصرہ پہنچا تو ایک دیر اور

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۴۲۔ عبد الرحمن ابن جوزی

(متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ)، ص ۱۶۷۔

علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۴۴ بحوالہ طبقات ابن سعد، ج ۱ ص ۷۵، ۷۶۔

② علی بن محمد شیرازی (متوفی ۸۳۸ھ)، اسد الغابۃ ج ۵ ص ۵۱۷۔

صومعہ (یہودیوں کی عبادت گاہ) کے قریب پڑاؤ ڈالا جہاں قوم نصاریٰ کے علماء اور بحیری نامی راہب کا قیام تھا۔ بحیرا (بحیری/بحیرا۔ یہ نام دونوں طرح سے لکھا جاتا ہے) نے دیکھا کہ قافلہ پر ایک بادل سایہ کیے ہوئے تھا اور جب اہل قافلہ ایک درخت کے نیچے اترے تو وہ بادل بھی وہیں ٹھہر گیا۔ لوگ درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ جہاں تشریف فرما ہوئے وہاں درخت کا سایہ نہیں تھا چنانچہ درخت کی شاخیں آپ ﷺ کی طرف جھک کر سایہ فگن ہو گئیں۔ یہ حیران کن منظر دیکھ کر وہ صومعہ سے نیچے آیا اور قافلے والوں کو دعوتِ طعام دی۔

قافلہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے بحیرا! کیا آج کوئی خاص وجہ ہے؟ ہم یہاں مدتوں قیام و کوچ کرتے رہے مگر تُو نے پہلے کبھی دعوت نہیں دی؟ بحیری نے کہا کہ آج تمہیں اس عزت و اکرام کا حقدار سمجھتے ہوئے یہ خدمت سرانجام دینا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ آنحضرت ﷺ کو بڑے غور و انہماک کے ساتھ دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں آپ ﷺ کے وجودِ مبارک میں وہ علامات تلاش کرتی رہیں جو اُس نے اپنی کتابوں میں پڑھی تھیں اور وہ دل ہی دل میں اُن کی موافقت و تطبیق کرتا رہا۔ جب سارے لوگ کھانا کھا کر چل دیئے تو وہ اُٹھ کر آپ ﷺ کے قریب آیا اور عرض کیا کہ اے شہزادے (ﷺ)! میں آپ (ﷺ) کو قریش کے معبودات لات و عزیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جو کچھ پوچھوں صاف صاف بتائیے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لات و عزیٰ کا واسطہ اور قسم نہ دو کہ میں اُن سے زیادہ کسی شے کو ناپسند اور مبغوض نہیں سمجھتا۔ راہب نے کہا کہ آپ (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور اُس کے نامِ اقدس کی قسم کہ میں جو کچھ پوچھوں وہ ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! اب پوچھو جو پوچھنا چاہتے ہو۔ پھر اُس نے جو پوچھا مدینۃ العلم ﷺ نے اُسے بتا دیا جو کہ کتبِ سابقہ کی پیش گوئیوں کے عین مطابق تھا۔ اُس نے آپ ﷺ کی آنکھوں میں غور سے دیکھا پھر دونوں کان دھوں کے درمیان

موجود علامتِ نبوت کو ملاحظہ کیا تو وہ بھی اُسی طرح موجود پائی جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کی کتب میں مرقوم تھا۔ پس اُس نے خاتمِ نبوت (مُہرِ نبوت) کی جگہ بوسہ دیا اور حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ اپنے عزیز کو لے کر اپنے شہر لوٹ جائیے اور یہود سے ان کی حفاظت کیجئے، اگر انہوں نے ان کو دیکھ لیا اور جو کچھ میں نے جانا ہے جان لیا تو ایذا رسانی کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ کے اس بھتیجے کی شانِ عظیم ظاہر ہونے والی ہے۔ ہمیں یہ اُمور اپنی کتابوں سے اور آباؤ اجداد کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں، پس میں نے اپنا حق نصیحت و خلوص ادا کر دیا ہے۔

چنانچہ جناب ابوطالب آپ ﷺ کو لے کر واپس چلے گئے اور اس کے بعد کبھی آپ ﷺ کو ساتھ لے کر شام کی طرف نہیں گئے کہ مبادا آپ ﷺ کو کوئی گزند اور تکلیف پہنچے۔^①

سفرِ شام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زبانی

شیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؑ فرماتے ہیں کہ بیان کیا ہم سے احمد بن حسن قطان، علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی نے، اُن سے ابو العباس احمد بن محمد بن یحییٰ زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل برکی نے، اُن سے عبد اللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے یثثم نے، اُن سے محمد بن سائب نے، اُن سے ابوصالح نے، اُن سے ابن عباس نے اور اُن سے اُن کے والد عباس نے کہ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ آٹھ سال کے تھے جب میں نے تجارت کے لیے شام جانے کا ارادہ کیا۔ اُس وقت ہوا بہت گرم تھی، میرے رشتہ داروں نے کہا کہ محمد (ﷺ) کو کس کے پاس چھوڑ دو گے؟ میں نے کہا کہ اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیونکہ مجھے کسی کا اعتبار نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اس گرم موسم میں بچے کو سفر پر لے

① عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ)

جاننا مناسب نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ واللہ میں اس کو خود سے جدا نہیں کر سکتا میں اس کے لیے ایک حمل تیار کروں گا اور اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ غرض میں نے حضور ﷺ کو ایک اُونٹ پر سوار کیا اور چل پڑا۔ میں اُن کے اُونٹ کو ہر وقت اپنے سامنے رکھتا تاکہ وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہوں۔ جب دُھوپ تیز ہوتی تو ایک سفید بادل آتا اور آنحضرت ﷺ کے سر پر سایہ فگن ہو جاتا۔ آپ ﷺ جہاں جہاں جاتے وہ بادل آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ جاتا اور ایک ثانے کے لیے بھی آپ ﷺ سے نہ ہٹتا۔ اکثر اُس میں سے عمدہ قسم کے پھل گرتے۔ ایک روز دورانِ سفر پانی کی قلت ہو گئی، قافلے والے ایک مشک پانی دو دینار کے عوض خریدتے لیکن ہمارے پاس حضور ﷺ کی برکت سے وافر پانی موجود رہتا جو کبھی کم نہ ہوتا۔ ہم جس منزل پر ٹھہرتے تھے آپ ﷺ کی برکت سے حوض بھر جاتے اور وہاں کی زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی۔ راستے میں کوئی اُونٹ تھک کر بیٹھ جاتا تو حضور ﷺ اپنا دست مبارک اُس پر پھیر دیتے اور وہ اُٹھ کر چل پڑتا (گویا کہ اُس کی تھکن جاتی رہتی اور وہ تازہ دم ہو جاتا)۔ جب ہم بصرہ کے نزدیک پہنچے تو ایک راہب کا صومعہ نظر آیا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ صومعہ آنحضرت ﷺ کے استقبال کے لیے گھوڑے کی طرح تیز چلتا ہوا آیا اور ہمارے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اُس میں ایک نصرانی راہب تھا جو کسی سے گفتگو نہیں کیا کرتا تھا اور نہ ہی اُس طرف سے گزرنے والے تجارتی قافلوں میں سے کسی کا حال دریافت کرتا تھا۔ اُس نے صومعہ کو حرکت میں دیکھا اور قافلہ پر نگاہ پڑی تو حضور ﷺ کو پہچانا اور کہا کہ جو کچھ میں نے پڑھا اور سنا ہے اگر وہ سچ ہے تو ”وہ“ آپ (ﷺ) ہی ہیں اور آپ (ﷺ) کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہرے تھے جو اُس صومعہ کے نزدیک تھا، اُس کی شاخیں خشک ہو چکی تھیں اور اُس میں پھل نہیں لگتے تھے، قافلے ہمیشہ اُسی کے نیچے ٹھہرا کرتے تھے۔ جب حضور

اکرم ﷺ اُس درخت کے نیچے رونق افروز ہوئے تو وہ سرسبز و شاداب ہو گیا اور اُس میں بہت سی شاخیں نکل آئیں جو حضور ﷺ پر سایہ فگن ہو گئیں۔ اُس میں تین قسم کے پھل لگ گئے، دو گرمیوں کے موسم کے اور ایک جاڑے کے موسم کا۔ قافلہ والے یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ وہ راہب بھی، جس کا نام بحیری تھا، حیران رہ گیا۔ وہ اپنے صومعہ سے باہر آیا اور آپ ﷺ کے قریب پہنچ کر بولا کہ یہ چچر کس کے ساتھ ہے؟ میں نے کہا کہ میں ان کی خدمت میں رہتا ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں ان کا چچا ہوں۔ اُس نے کہا کہ ان کے تو کئی چچا ہیں۔ آپ کون سے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ میں ان کے باپ کا حقیقی بھائی ہوں، یعنی میں اور وہ ایک ماں سے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ بولا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لڑکا وہی ہے جس کو میں جانتا ہوں اور اگر یہ وہی نہ ہو تو پھر میں بحیری نہیں۔ پھر وہ بولا کہ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں کھانا پیش کروں؟ میں نے کہا، ہاں! پھر میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص آپ (ﷺ) کی ضیافت کے لیے کھانا لایا ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ کیا صرف میرے لیے لایا ہے؟ میرے ساتھیوں کے لیے نہیں؟ میں نے محسوس کیا کہ آپ (ﷺ) اس کو ناپسند فرما رہے تھے لہذا میں نے عرض کیا کہ اے میرے فرزند! وہ آدمی آپ (ﷺ) کی خاطر داری کرنا چاہتا ہے اس لیے آپ (ﷺ) اس میں سے تناول فرمائیں۔ بحیری نے کہا کہ اس سے زیادہ میرے پاس نہیں تھا، یہ صرف آپ (ﷺ) کے لیے ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میں تو اپنے ساتھیوں کے بغیر نہیں کھاؤں گا کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان سب کو اس کھانے میں شریک کر لوں؟ اُس نے کہا ضرور! ضرور!

(یہ نکتہ قابل غور ہے کہ سرورِ انبیاء ﷺ اُس وقت اپنے بچپن میں ہیں اور اس کم سنی میں بھی

اصول و ضوابط کی پاسداری کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص کھانا ہدیہ کر رہا ہے مگر آپ (ﷺ) دوسروں کو اُس میں شامل کرنے سے پہلے ہدیہ کرنے والے سے اجازت طلب فرما رہے ہیں۔ مؤلف (پس، آپ (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ بسم اللہ! کھاؤ۔ ہم ایک سوستر آدمی تھے جنہوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہوئے اور وہ پھر بھی اُتنے کا اُتنا ہی رہا۔ بحیرئ، آپ (ﷺ) کی خدمت میں کھڑا پنکھا جھل رہا تھا اور طعامِ قلیل سے افرادِ کثیر کے سیر ہونے پر حیرت زدہ تھا۔ وہ بار بار جھک کر آپ (ﷺ) کا سر اقدس چومتا اور کہتا کہ مسیح کے خدا کی قسم! یہ ”وہی“ ہیں مگر لوگ انہیں نہیں سمجھتے۔ آخر قافلے میں سے ایک شخص نے کہا کہ اے راہب! تیری باتیں عجیب ہیں، ہم اکثر تیرے صومعہ کی طرف سے گزرتے ہیں مگر تُو نے کبھی ہماری طرف توجہ نہ دی۔

بحیرئ نے کہا کہ ہاں! لیکن اس مرتبہ میرا حال عجیب ہے، میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا اور چند ایسے اُمور جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، یہ جو اس درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اگر تم ان کو پہچان لیتے جس طرح میں پہچانتا ہوں تو یقیناً اپنی گردنوں پر سوار کر کے ان کے وطن تک لے جاتے۔ خدا کی قسم! میں اس مرتبہ تمہاری جو عزت کر رہا ہوں وہ صرف ان کی بدولت ہے۔ جب وہ میرے صومعہ کے قریب آئے تو میں نے ان کے آگے ایک ٹُردی کھاجوز مین سے آسمان تک پھیل رہا تھا اور کچھ مردوں کو دیکھا جو یا قوت و زبرد کے پتکھے ہاتھوں میں لیے ہوئے حضرت (ﷺ) کو جھل رہے تھے اور ایک دوسری جماعت طرح طرح کے میوے لیے ہوئے ان پر نثار کر رہی تھی اور ابر ان پر سایہ کیے ہوئے ہے اور ان سے جُدا نہیں ہوتا۔ میرا عبادت خانہ ان کے استقبال کے لیے گھوڑے کی طرح دوڑ پڑا۔ یہ درخت مدتوں سے خشک تھا، اس میں شاخیں بہت کم تھیں، یہ ان کے اعجاز سے سرسبز و شاداب ہو گیا، اس میں نئی شاخیں نکل آئیں اور تین طرح کے پھل پیدا ہوئے، دو گرمیوں کے موسم کے اور ایک سردی کے موسم کا اور یہ تمام حوض اُس زمانے

سے خشک پڑے تھے جب سے بنی اسرائیل کے حواریوں کے بعد اُن میں اختلاف و فساد پیدا ہوا۔ ہم نے کتاب شمعون میں پڑھا ہے کہ شمعون نے اُن لوگوں پر لعنت کی تھی اور فرمایا تھا کہ جب تم دیکھو کہ ان حضوں سے پانی نکل آیا ہے تو سمجھ لو کہ اُس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکت سے ہے جس کا ظہور شہر تہامہ (مکہ) میں ہوگا۔ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ اُن کی قوم میں اُن کا نام 'امین' اور آسمان میں 'احمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' ہوگا۔ وہ نسل اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام سے ہوں گے۔ خدا کی قسم یہ وہی ہیں۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں موجود تین علامات کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں اور لات وعزی کی قسم دیتا ہوں کہ جواب عنایت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، لات وعزی کا نام سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ اُن کے واسطے سے کچھ مت کہو، خدا کی قسم میں کسی کو اُن سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا، یہ دونوں پتھر کے بُت ہیں۔ یہ سُن کر بحیری نے کہا کہ یہ پہلی علامت ہے۔ پھر کہا کہ اچھا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ بتائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اب جو چاہو پوچھو کہ تم نے مجھے اُس خدا کی قسم دی ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور جس کا کوئی مثل نہیں ہے۔ بحیری نے کہا کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خواب اور بیداری کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ پھر اُس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اکثر حالات دریافت کیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب سوالوں کے جواب دیئے۔ اُس نے تمام جوابات و امور اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے مضامین کے مطابق پائے تو وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدموں میں گر پڑا۔ پاؤں کو چومتا اور کہتا کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! کس قدر خوشگوار ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوشبو، تمام پیغمبروں کی پیروی سے بہتر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی ہے، دُنیا میں جو روشنی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سبب سے ہے۔ مساجد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے آباد ہوں گی، میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کشی کر رہے

ہیں، عربی گھوڑوں پر سوار ہیں، عرب و بنجم جبراً و قہراً آپ (ﷺ) کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور اُن کے کتنے بہادروں اور سوراؤں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ لات و عزی کو آپ (ﷺ) نے توڑ ڈالا ہے، خانہ کعبہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور اُس کی کنجی جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔ جنت و دوزخ کی چابیاں آپ (ﷺ) کے پاس ہیں اور عظیم فائدہ آپ (ﷺ) کے ساتھ ہے۔ آپ (ﷺ) ہی ہیں جو بتوں کو توڑیں گے۔ آپ (ﷺ) ہی ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تمام بادشاہِ ذلت و خواری کے بعد آپ (ﷺ) کے دین میں داخل نہ ہو جائیں۔ بحیرانے دوبارہ آپ (ﷺ) کے دست و پائے مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ اگر میں آپ (ﷺ) کے زمانہ نبوت تک زندہ رہا تو آپ (ﷺ) کے سامنے آپ (ﷺ) کے دشمنوں سے مقابلہ و شمشیر زنی (جہاد) کروں گا، آپ (ﷺ) ہی بہترین انسانوں اور پرہیزگاروں کے پیشوا اور خاتم المرسلین (ﷺ) ہیں۔ خدا کی قسم آپ (ﷺ) کے یومِ ولادت پر زمین خنداں ہوئی اور تاقیامت خنداں رہے گی۔ خدا کی قسم گر جے، بُت خانے اور شیطین آپ (ﷺ) کے ظہور کی وجہ سے گریاں کنناں ہیں اور وہ تاقیامت گریہ کرتے رہیں گے۔ آپ (ﷺ) ہی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بشارت ہیں اور آپ (ﷺ) جاہلیت کی نجاستوں سے ہمیشہ پاک اور طاہر رہے ہیں۔ پھر بحیرئ نے میری طرف رُخ کیا اور کہا کہ آپ (ﷺ) ان کو اپنے شہر واپس لے جائیں کیونکہ رُوعِ زمین پر کوئی ایسا یہودی، عیسائی اور صاحب کتاب نہیں ہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ آپ (ﷺ) کی ولادت ہو چکی ہے اور ہر کوئی آپ (ﷺ) کو آپ (ﷺ) کی علامتوں کے ساتھ دیکھتا اور پہچانتا ہے جس طرح میں پہچانتا ہوں۔ وہ آپ (ﷺ) کو نقصان پہچانے کے لیے مکر و حیلہ کریں گے اور یہودی تو اس میں پیش پیش رہیں گے۔ میں نے پوچھا کہ اُن کی عداوت کا سبب کیا ہے؟ بحیرئ

نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی کا بیٹا پیغمبر ہوگا اور جبرائیل (علیہ السلام) ان پر نازل ہوں گے جس طرح موسیٰ اور عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ اللہ ان کو تنہا نہیں چھوڑے گا کہ کوئی انہیں ضرر پہنچا سکے۔ پھر ہم شام کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ہم شام کے نزدیک پہنچے تو واللہ! وہاں کے قصر حرکت میں آگئے اور آفتاب کے نور سے زیادہ روشن ایک نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساطع ہوا۔ وہاں اُن لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے بازار میں داخل ہونا ممکن نہ رہا جو ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے دوڑے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن و جمال اور فضل و کمال کا شہرہ تمام اطرافِ شام میں پہنچا۔ جہاں جہاں راہب اور عالم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد آکر جمع ہو گئے۔ علمائے اہل کتاب کا سب سے بڑا عالم، تین روز تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا لیکن کوئی گفتگو نہیں کی۔ تیسری شب وہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے یوں پھرنے لگا جیسے کوئی اتناس کرنا چاہتا ہو۔ میں نے پوچھا کہ اے راہب تُو کیا چاہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ ان کا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبد اللہ ہے۔ خدا کی قسم! یہ سنتے ہی اُس کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ آپ ان سے گزارش کریں کہ اپنے شانے کھولیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شانے پر سے کپڑا ہٹایا تو اُس کی نگاہ مہرِ نبوت پر پڑی، وہ بے تاب ہو کر مہرِ نبوت کو چومنے لگا اور مجھ سے کہا کہ بہت جلد اس بچے کو واپس اس کی جائے پیدائش پر لے جائیے، اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ اس سرزمین پر ان کے کتنے دشمن ہیں تو آپ انہیں ہرگز اپنے ہمراہ نہ لاتے۔ پھر وہ روزانہ آتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لذیذ کھانے لاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا اور مراسمِ خدمت بجا لاتا۔

جب ہم لوگ وہاں سے واپس چلے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پیرا بن لایا اور عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس کو پہن لیجیے شاید اس کے سبب سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یا دفرما لیا کریں۔

میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک سے ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہو رہے تھے، تب میں نے وہ پیراہن لے کر رکھ لیا اور کہا کہ میں ان کو پہنا دوں گا اور نہایت عجلت کے ساتھ حضرت ﷺ کو لے کر مکہ واپس آ گیا۔ خدا کی قسم اُس روز جو کوئی بھی مکہ میں تھا، عورتیں یا مرد، جوان یا بوڑھے اور چھوٹے یا بڑے، سب نے حضور ﷺ کا استقبال کیا سوائے ابو جہل کے کیونکہ وہ نہایت لا اُبابی، نفس کا غلام اور مدہوش شخص تھا۔^①

انہی اسناد کے ساتھ ہی عبداللہ بن محمد سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد اور عبدالرحمن بن محمد نے بیان کیا، اُن سے محمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے، اُن سے اُن کے والد نے اور اُن سے اُن کے جد نے بیان کیا کہ حضرت ابوطالب فرماتے ہیں کہ جب ہجرا نے حضور پر نور ﷺ کو رخصت کیا تو وہ بہت رویا اور کہا کہ اے فرزندِ آمنہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام عرب آپ (ﷺ) کے ساتھ دشمنی اور جدال کرے گا اور آپ (ﷺ) کے عزیز و اقارب آپ (ﷺ) سے قطع تعلق کر لیں گے۔ اگر وہ آپ (ﷺ) کی قدر و منزلت جانتے تو اپنے بیٹوں سے زیادہ آپ (ﷺ) کو عزیز رکھتے۔ پھر مجھ سے کہا کہ اے عم محترم! ان کی قرابت کا لحاظ کیجئے گا اور اپنے والد کی وصیت کا خیال رکھیے گا، بہت جلد قریش آپ سے کنارہ کش ہو جائیں گے مگر آپ پرواہ نہ کیجئے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ اپنے ایمان کا (بر ملا) اعلان نہیں کریں گے مگر باطن میں ان کی نبوت پر ایمان رکھیں گے۔ آپ کا ایک بیٹا ہوگا جو ایمان کا اظہار و اعلان بھی کرے گا اور ان کا مددگار بھی ہوگا، آسمانوں میں اُس کا نام ”شیر شجاع“ اور زمین میں ”شجاع الانزع“ ہوگا، اُس کے دو فرزند دلہند ہوں گے، وہ سید عرب اور اُمّت کا ذوالقرنین ہوگا اور خدا کی کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب سے زیادہ معروف ہوگا۔ حضرت ابوطالب کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہجرا کی بیان کردہ تمام صفات میں سے اکثر میں نے ملاحظہ کیں۔^②

① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۳

② الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۷

عربوں میں بُت پرستی کی تاریخ اور ہبل، لات و عزلی وغیرہ

شروع میں عرب کے لوگ دین ابراہیمی کی وجہ سے توحید پرست تھے لیکن بیرونی دُنیا کی بُت پرست و مشرک اقوام کے ساتھ میل جول کی وجہ سے اُن میں بُت پرستی کا رُجحان پیدا ہو گیا۔ اس کی ابتدا قریش مکہ کے ایک سردار عمرو بن لُحی نے کی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ شام جا رہا تھا، راستے میں اُس نے کچھ لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا۔ بُت پرستوں نے اُسے بتایا کہ بُت ہمارے حامی و مددگار ہوتے ہیں اور ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عمرو اُن کی باتوں سے بہت متاثر ہوا اور ایک بُت لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔ اُس بُت کا نام ”ہبل“ تھا، وہ اُسکی پوجا کرنے لگا۔ دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی اُس کی پوجا شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد مزید بُت لا کر وہاں رکھ دیئے گئے اور لوگ باقاعدہ اُن کی پرستش کرنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ ”ہبل“ رُحل ستارے (سیارے) کا ایک خیالی مجسمہ تھا۔ ایک بُت طائف میں رکھا گیا جس کا نام ”لات“ تھا۔ ”عزلی“ ایک دیوی تھی جس کا مندر مکہ سے چند میل دُور ”نخلہ“ میں تھا۔ دومتہ الجندل میں ”سواع“ کا بُت تھا، قبیلہ ہذیل اُس کی پوجا کیا کرتا تھا۔ جدہ کے ساحل پر ”سعد“ کا مجسمہ نصب تھا اور اُس کی پرستش بنو ماکان بن خزیمہ بن مضر کیا کرتے تھے۔ مکہ میں صفاء مروہ پر ”استاف“ اور ”نائلہ“ کے اصنام تھے، اُس دور میں بُت پرستی کے لیے آنے والے لوگ اُن کو چوما کرتے تھے۔ بنو ثقیف کا بُت طائف میں تھا جبکہ جبار، مناف، اوال اور محرق کے مجسمے عکاظ میں تھے اور ہوازن، قریش، بکر و تغلب کے قبائل اُن کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ کے قبائل اوس، خزرج اور غسان ”منات“ کی اور قبیلہ کلب جو دومتہ الجندل میں رہتا تھا، ”وَد“ نامی بُت کی پوجا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے وقت جب نبی اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو اُس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے۔^(۱)

^(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۶۰۴

شُرک و بُت پرستی اور فسق و فجور سے

سرورِ انبیاء ﷺ کی نفرت

سرورِ انبیاء ﷺ کو شرک و بُت پرستی، مشرکانہ رسوم و قیود اور فسق و فجور سے طبعاً شدید نفرت تھی۔ آپ ﷺ بچپن ہی سے بتوں سے متنفر اور بیزار تھے اور اگر لوگ اُن کی طرف جانے کی دعوت دیتے تو آپ ﷺ اس قسم کی عرضداشتوں کو قطعاً قبول نہ فرماتے اور ہرگز بتوں کے قریب نہ جاتے بلکہ اُن کی قباحت اور عیوب و نقائص بیان فرماتے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی قوم (قریش) کے دین و مذہب پر تھے تو اُس نے بہت بُری بات کہی۔ کیا یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں نہیں ہے کہ آپ ﷺ بتوں کے لیے اور انصاب پر زنج کیے ہوئے جانور کا گوشت بالکل نہیں کھاتے تھے؟ آپ ﷺ کی فطرتِ سلیمہ اور خلوصِ نیت و محویت اور تقدیمِ رسالت و نبوت، ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے لیے رُوحِ نبوی کا مربی ہونا، ملائکہ کو درسِ تسبیح و تقدیس دینا، اپنے آباؤ اجداد کے اصلاہ میں ذکرِ خداوندی اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہنا اور وقتِ ولادت سر بسجود ہونا وغیرہ ایسے اُمور ہیں جو آپ ﷺ کے ایمان باللہ پر شاہد و عا دل ہیں اور ناقابلِ انکار و تردید ہیں اور آپ ﷺ کے آباؤ اجداد جو زمانہ شرک میں دارفانی سے رحلت کر گئے وہ بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور اُسی کے لیے حج بھی کرتے تھے حالانکہ وہ جاہلیت اور شرک و کفر کا دور تھا، تو جب وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان سے بے خبر نہیں تھے تو سید المرسلین ﷺ کیوں کر بے خبر ہو سکتے تھے؟^①

آپ ﷺ کو ہبل و عزى اور لات و منات کا نام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ آپ ﷺ اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی آرزو تھی کہ لوگوں کو بھی شرک و بُت پرستی سے نجات دلا کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف مائل کیا جائے۔

① عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرتِ سید الانبیاء ﷺ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۷۷

حربِ فجار

(۷۳ قبل ہجرت/۵۸۶ء)

فجار کے نام سے دو جنگیں مشہور ہیں، ایک کو فجارِ اوّل اور دوسری کو فجارِ ثانی کہتے ہیں۔ فجارِ اوّل کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر دس سال تھی، اس لڑائی میں تین مرتبہ حرب و قتال تک نوبت پہنچی۔ پہلی مرتبہ بدر بن معشر غفاری نامی ایک مغرور شخص کے چیلنج پر بنی نصر کے ایک آدمی احمد بن مازن نے اُس کی ٹانگ کو تلوار کے وار سے کاٹ دیا تھا اور دونوں کے قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ دوسری مرتبہ بنی کنانہ قریش کے چند شرارتی نوجوانوں نے بنی عامر کی ایک عورت کا گرتہ پھاڑ ڈالا۔ اُس عورت کی پکار پر بنی عامر کے لوگوں نے جمع ہو کر بنی کنانہ کے ساتھ جنگ کی۔ اُس لڑائی میں دونوں طرف سے کئی آدمی مارے گئے۔ تیسری مرتبہ بنی جشم بن عامر کے ایک شخص کا بنی کنانہ کے ایک آدمی سے قرض کے لین دین پر جھگڑا ہوا اور یہ تنازعہ رفتہ رفتہ دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ و جدل میں تبدیل ہو گیا۔ اس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ جنگِ فجارِ اوّل میں رسول اللہ ﷺ موجود نہیں تھے۔

فجارِ ثانی، قبیلہ ہوازن اور بنی کنانہ کے درمیان ہوئی۔ اس کو فجارِ اس لیے کہا گیا کہ یہ جنگ حرم کے اندر ہوئی اور ہتکِ حرم کا ارتکاب ہوا۔ بقولِ اس جنگ میں رسول اکرم ﷺ بھی موجود تھے اور اپنے چچاؤں کو تیراٹھا اٹھا کر دیتے تھے (ہمیں اس قول سے اتفاق نہیں ہے۔ مؤلف) اور اُس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ایک روایت کے مطابق چودہ سال تھی اور دوسرے قول کے مطابق بیس سال تھی۔

دوسری روایت کے مطابق تجارت پیشہ قریش کے لیے حُجّاج و زائرین کی آمد ایک منافع بخش ذریعہ آمدن تھی اس لیے انہوں نے مختلف مقامات پر تجارتی میلوں کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اُن میلوں میں

جو لوگ سامان تجارت لاتے اُن سے عشر یعنی دسواں حصہ بطور محصول درآمد وصول کیا جاتا تھا۔ اُن تجارتی میلوں کے فروغ کے لیے اُنھوں نے حرام مہینوں کا نظام رائج کر رکھا تھا یعنی اُن مہینوں میں راہزنی، ڈکیتی، لوٹ مار، انتقام جوئی اور قتل و غارت گری وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ وہ مہینے محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تھے۔ اُن میں سے کسی بھی مہینے کی حرمت شکنی ہو جاتی تو اسے فجار یعنی ناجائز فعل سمجھا جاتا تھا۔ یہ جنگ بھی کیونکہ انہیں حرام مہینوں میں لڑی گئی اس لیے اسے فجار کہا جاتا ہے۔ ۳۷ قبل ہجرت/ ۵۸۶ء کا زمانہ تھا، فجار کی لڑائی میں ایک طرف قبیلہ قریش اور بنو کنانہ تھے اور دُوسری طرف بنو قیس عیْلان اور بنو ہوازن تھے۔ قریش اور کنانہ کا کمانڈر حرب بن اُمیہ تھا۔ حضور ﷺ اُس وقت سولہ برس کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اس جنگ میں حصہ لیا اور وہ اس طرح کہ آپ ﷺ اپنے چچاؤں کو تیراٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔^① (ہمارے نزدیک یہ روایت غلط ہے۔ مؤلف)

حرب فجار میں حضور ﷺ اور حضرت ابوطالبؑ شریک نہیں تھے

ہمارے نزدیک، رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوطالبؑ کے اس لڑائی میں حصہ لینے کی روایت ضعیف اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں حرام مہینوں کی یا حرم کی بے حرمتی اور کسی بھی ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب ناممکن ہے اور ایسا سوچنا بھی کفر ہے۔ حضرت ابوطالبؑ بھی نہایت متقی اور پرہیزگار انسان تھے، اُس وقت بنی ہاشم کے امیر تھے اور آپ کو اپنے قبیلے میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ آپ ہی کو اللہ کے رسول ﷺ کی کفالت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ دوسروں سے زیادہ معزز اور اس اعزاز کے صحیح اہل تھے، تو ایسا عظیم انسان کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کر سکتا جس سے حرم کی بے حرمتی ہو یا جو اُس کے مذہب و ملت میں ناجائز اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہو۔ ابن واضح المعروف یعقوبی کہتے ہیں، ”حضرت ابوطالب

① عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۷۲، ۱۷۳

نے تمام بنی ہاشم کو جنگِ فجار میں شامل ہونے سے منع کیا اور کہا کہ یہ ظلم و تعدی، قطع رحمی اور حرام مہینوں کو حلال قرار دینے کے مترادف ہے لہذا میں اور میرے خاندان میں سے کوئی بھی اس میں شریک نہ ہوگا۔^(۱)

حَلْفُ الْفُضُول

(۳۷ قبل ہجرت/۵۸۶ء)

قبیلہ زبید کا ایک شخص تجارت کی غرض سے مکہ میں اپنا مال لے کر آیا۔ وہ مال اُس سے عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن معاوضہ ادا نہیں کیا۔ اُس شخص نے بنی عبدالدار، بنی مخزوم، بنی جمع، بنی سہم اور بنی عدی بن کعب وغیرہ سے مدد مانگی مگر انہوں نے مدد سے انکار کرتے ہوئے اُسے بھگا دیا۔ زبیدی کوہ البقیس پر چڑھ کر فریاد کرنے لگا۔ اُس کی فریاد سن کر زبیر بن عبدالمطلب بہت متاثر ہوئے اور چند افراد کو اکٹھا کر کے اُس کی مدد پر آمادہ کیا۔ اُن افراد کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے حلفُ الفضول کہتے ہیں۔ بقولے اس حلف میں شامل اکثر افراد کا نام ”فضل“ سے مشتق تھا اس لیے اسے حلفُ الفضول کا نام دیا گیا۔^(۲)

اس معاہدے کی تفصیل یوں ہے کہ عبداللہ بن جدعان نبی کے گھر ایک مجلس ہوئی جس میں شریک بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبدالعزیٰ زہرۃ اور تیم کے افراد نے آپ زبیر بن عبدالمطلب کے عہد کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا خواہ وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر کا، یہ سب اُس کی مدد اور حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اُس کا حق دلو کر رہیں گے۔ معاہدے کے بعد ان لوگوں نے عاص کا محاسبہ کیا اور اُس سے زبیدی کا مال لے کر اُسے لوٹایا۔ یہ واقعہ بعثت سے پہلے کا ہے،

^(۱) احمد ابن ابویعقوب ابن جعفر ابن وہب ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۳۲

^(۲) علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۳۰۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم)، ص ۱۹۵

اس عہد و پیمان میں حضرت رسالت مآب ﷺ بھی شریک ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی تائید اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مجھے پسند نہیں کہ حلف الفضول میں شرکت کا معاوضہ (کسی بھی چیز کی صورت میں) چاہے سرخ بالوں والے اُونٹ ہی ہوں، قبول کروں۔^(۱)

حضور ﷺ کا بھیڑ بکریاں چرانا

متعدد روایات میں ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں بھیڑ بکریاں بھی چرائیں۔ اس ضمن میں مختلف وجوہات بیان کی جاتی ہیں، مثلاً:

(۱) تمام انبیاء علیہم السلام نے ایسا کیا کیونکہ بھیڑ بکریوں جیسے سرکش جانوروں کی گلہ بانی سے نہ صرف سرکش اور غیر منظم قوتوں کو منظم کرنے کا تجربہ اور سلیقہ حاصل ہوتا ہے بلکہ مزاج میں تحمل و بردباری بھی پیدا ہوتی ہے جو کہ انبیاء کرام کے فرائض نبوت کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہ تو جہہ ہمیں مناسب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ:

(الف) نبی اکرم ﷺ علم کا شہر ہیں اس لیے کارِ رسالت انجام دینے کے لئے آپ ﷺ کو کسی ایسے علم یا عملی تربیت کی ضرورت قطعاً نہیں تھی۔ جس علیم و خبیر نے آپ ﷺ کو رسالت کے منصب جلیلہ پر فائز فرمایا اُسی نے اس منصب کے لیے ضروری علم اور تربیت عطا فرما کر دُنیا میں بھیجا۔

(ب) بھیڑ بکریوں کو سرکش تو نہیں البتہ غیر منظم کہا جاسکتا ہے اور ان کو سدھارنا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ انسان کو۔ انسان عقل و خرد، دل و دماغ، ارادہ و اختیار، پسند و ناپسند، نظریات و عقائد اور

^(۱) ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر (متوفی ۱۳۳۱ھ)، تاریخ ابن کثیر (البدایة والنهاية)، ج ۲ ص ۱۸۲۔

عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ)

ص ۱۷۳۔ علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحیح من سیرة النبی الاعظم ﷺ، ص ۱۳۰۔

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم ص ۸۹

جذبات و تعصبات رکھتا ہے جب کہ حیوان ان سے تقریباً عاری ہوتا ہے۔

(۲) حضور ﷺ نے قوم میں کسبِ حلال کا رُحمان پیدا کرنے کے لیے اُجرت پر بھیڑ بکریاں چرائیں۔

یہ وجہ بھی ہمارے نزدیک غلط ہے کیونکہ اجیر ہمیشہ آجر کا ماتحت اور اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کا پابند ہوتا ہے جبکہ آپ ﷺ کو سوائے اللہ کے کسی اور کا پابند و ماتحت نہیں بنایا گیا۔ آپ ﷺ کبھی کسی کے ملازم، مزدور یا اجیر نہیں رہے جیسا کہ معروف و معتبر مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کسی کے مزدور نہ تھے۔^(۱)

(۳) آپ ﷺ اپنے گھر والوں کی یعنی اپنی ہی بکریاں چراتے تھے۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ بھیڑ بکریوں کا شمار حلال پالتو جانوروں میں ہوتا ہے اور اُس دور میں دودھ، گھی اور گوشت وغیرہ کی ضروریات زیادہ تر انہیں سے پوری کی جاتی تھیں لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے گھر والوں نے یا آپ ﷺ نے خود، اپنی ضرورت کے تحت بکریاں پال رکھی ہوں جنہیں آپ ﷺ خود ہی چراتے بھی ہوں۔

روایت ہے کہ اُس زمانے میں اہل مکہ میں تجارت اور بھیڑ بکریاں پالنا شرفاء کے پیشے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے تجارت کی اور بکریاں بھی چرائیں۔^(۲)

اکثر روایات میں آیا ہے کہ آپ ﷺ اپنا کام خود اپنے دستِ مبارک سے کرنا پسند فرمایا کرتے تھے، اس کام کا تعلق بھی آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ایسا کیا ہو۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے نعلین پاک (جوتے) خود مرمت کر لیا کرتے، اپنے کپڑے خود سی لیتے، اپنی بکری کا دودھ خود دودھ لیتے اور اپنے گھر میں اُسی طرح

^(۱) احمد ابن ابویعقوب ابن جعفر ابن وہب ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۳۸

^(۲) محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد۔ صحیح بخاری۔ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ)، زاد البعاد

کام کرتے تھے جس طرح تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔^(۱)

مزید یہ کہ آپ ﷺ رحمة للعالمین ہیں۔ آپ ﷺ کے جانوروں پر لطف و کرم فرمانے کی متعدد روایات موجود ہیں، ہو سکتا ہے اس لطف و کرم کی ایک مثال یہ رہی ہو کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی پرورش کا اہتمام فرمایا ہو۔
(۴) غور و فکر اور عبادت کے لیے۔

یہ نکتہ بھی وزن رکھتا ہے کیونکہ جانوروں کو اکثر آبادی سے دُور چراگاہوں میں چرایا جاتا ہے۔ آبادی کے ہنگاموں اور شور شرابوں سے دُور، تنہائی میں غور و فکر اور عبادت و ریاضت کا خوب موقع ملتا ہے اس لیے ممکن ہے گلہ بانی کو حضور ﷺ نے اسی لیے پسند فرمایا ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ عبادت و ریاضت کے لیے آبادی سے دُور غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش

مؤرخ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ابھی خانہ کعبہ کی تعمیر نو نہیں ہوئی تھی کہ ایک مرتد عثمان بن حریث نے قسطنطنیہ کے دربارِ قیصری میں جا کر مسیحی مذہب اختیار کر لیا۔ وہ قیصر روم سے مال و زر لے کر واپس حجاز آیا اور مکہ پر یونانیوں کے اقتدار کی سازش تیار کی۔ وہ اپنی خفیہ کارائیوں میں مصروف تھا کہ خداوند متعال نے رسول اللہ ﷺ کو اُس کے ارادوں کی خبر کر دی، جس کی وجہ سے وہ ناکام ہو گیا۔ اہلِ فرنگ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے مولد و مسکن کو قسطنطنیہ کے قیصروں کے دستِ اقتدار سے بچا کر مسلمانوں پر عظیم احسان کیا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ ابدی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔^(۲)

^(۱) ترمذی

^(۲) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۰ بحوالہ تنقید الکلام، ص ۳۳ اور تاریخ کا سن ڈی

پرسون۔ ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون

حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام

حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام سیرت و کردار، عزت و احترام اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے قریش کی بہترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ آپ بے حد مالدار، پاکباز اور خوبصورت تھیں، دورِ جاہلیت میں آپ کو طاہرہ کا لقب دیا گیا تھا اور سیدۃ القریش کہا جاتا تھا۔ آپ ایمان لانے والی پہلی خاتون تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار خواتین کو بہترین زنانِ بہشت قرار دیا آپ ان میں سے ایک ہیں۔ بسند حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ خدا کی جانب سے اور میری طرف سے خدیجہ کو سلام کیے گا۔^(۱) متعدد روایات میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو حضرت خدیجہ (علیہا السلام) کو سلام بھیجواتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہم چاہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے خوش ہوں تو ہم خدیجہ (علیہا السلام) کا تذکرہ نیکی کے ساتھ (یعنی بہترین الفاظ میں) کیا کرتیں۔^(۲)

روایت ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کا رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قابلِ وزیر اور مددگار تھیں۔ جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا تو وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منس و غمخوار تھیں اور جب اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزار و تکالیف پہنچا رہے تھے تو وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور تسلی و تشفی کرتی تھیں اور اپنے حسنِ اخلاق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلا سے و تسکین دیتی تھیں۔^(۳)

مروی ہے کہ آپ غریب و مساکین کی مالی اعانت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت کرتیں اور اپنا مال خرچ کرتیں۔^(۴)

^(۱) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

^(۲) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

^(۳) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

^(۴) علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

قطب راوندی اور ابن شہر آشوب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن زنانِ قریش مسجد الحرام میں جمع تھیں کہ ایک یہودی عالم اُن کے سامنے سے گزرا اور کہا کہ بہت جلد ایک پیغمبر تم میں مبعوث ہوگا لہذا تم اُس سے نکاح کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ سن کر دوسری عورتوں نے تو اُس کو ڈھیلے مارے مگر اُس کی بات حضرت خدیجہ (ؓ) کے دل میں اتر گئی۔^①

صاحبِ کتاب انوار نے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت خدیجہؓ اپنے بالا خانہ پر چند عورتوں اور کنیزوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں، یہودیوں کا ایک عالم بھی وہاں موجود تھا، ناگاہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے۔ اُس عالم نے کہا کہ ابھی ایک جوان یہاں سے گزرا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُسے یہاں بلاؤ؟ جناب خدیجہؓ نے اپنی ایک کنیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے روانہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہودی عالم کی نگاہ مہرِ نبوت پر پڑی اور وہ بولا کہ میں بحقِ کلیم قسم کھاتا ہوں کہ یہی پیغمبرِ آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اُس یہودی عالم سے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ یہ پیغمبر ہیں؟ اُس نے کہا کہ ان کے اوصاف میں نے توریت میں پڑھے ہیں، ان کے والدین ان کے بچپن میں وفات پا جائیں گے اور ان کے دادا اور چچا ان کی پرورش کریں گے اور یہ قریش کی ایک ایسی عورت سے نکاح کریں گے جو اپنی قوم میں سب سے بلند مرتبہ، اپنے خاندان کی ملکہ اور صاحبِ تدبیر ہوگی۔ پھر اُس نے اپنے ہاتھ سے حضرت خدیجہؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا، اے خدیجہ! میری بات یاد رکھنا اور کوشش کرنا کہ ان سے تمہارا رشتہ ازدواج قائم ہو جائے کیونکہ ان کا ساتھ دُنیا اور آخرت میں سعادت ہے پھر اُس نے چند اشعار پڑھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کے عقد پر مشتمل تھے۔^②

حضرت خدیجہؓ کے ایک چچا جن کا نام ورقہ بن نوفل تھا اپنے دین کے بہت بڑے عالم اور

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۷۰

② علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۷۵

آسمانی کتابوں کے قاری تھے۔ انہوں نے اُن کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی صفات میں یہ بھی پڑھا تھا کہ آپ ﷺ قریش کی اُس عورت سے نکاح کریں گے جو اپنی قوم میں بزرگ و بلند مرتبہ ہوگی، آپ ﷺ کے لیے اپنی دولت خرچ کرے گی اور تمام اُمور میں آپ ﷺ کی معاون و مددگار ہوگی۔ ورقہ بن نوفل کو معلوم تھا کہ وہ دولت مند اور بلند کردار عورت حضرت خدیجہ علیہا السلام ہی ہو سکتی ہیں جن کے ہر شہر و آبادی میں غلام اور مویشی تھے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اُن کے اسی ہزار اُونٹ تھے جو متفرق مقامات پر تھے اور ہر ملک و شہر مثلاً مصر، شام اور حبشہ وغیرہ میں، اُن کے ملازم و منیب تجارت کیا کرتے تھے۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ تم ایسے شخص کی زوجہ بننے والی ہو جو تمام اہل زیم و آسمان میں افضل و بہتر ہوگا۔^①

حضور ﷺ کی محبت حضرت خدیجہ علیہا السلام کے دل میں مستحکم ہو گئی تھی مگر آپ اسے ہمیشہ پوشیدہ رکھتی تھیں۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کے ساتھ تجارتی شراکت

روایت ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا کہ قوم قریش کا ایک قافلہ بغرض تجارت شام کو جانے والا ہے، خدیجہ بنت خویلد، قریش کے بہت سے آدمی تجارت کے لیے بھیجتی رہتی ہیں اگر آپ (ﷺ) اُن کا مال لے جانے پر آمادگی ظاہر کریں اور اُن سے اس سلسلہ میں بات کریں تو وہ اس پر فوراً تیار ہو جائیں گی۔ دوسری طرف، حضرت خدیجہ علیہا السلام کو کسی طرح حضرت ابوطالب علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی گفتگو کا علم ہو گیا چنانچہ انہوں نے خود ہی پیش کش کر دی اور کہا کہ میں آپ کو دوسروں کی نسبت دو گنا مال پیش کروں گی تو حضرت ابوطالب بولے، ”یہ رزق اور مال تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی آپ کے حصہ میں آیا ہے۔“^②

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۷

② عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ)

(حضرت ابوطالب علیہ السلام کے یہ الفاظ اُن لوگوں کے لیے قابلِ غور ہیں جنہیں آپ کے ایمان پر کوئی شک ہے۔)

ابن واضح یعقوبی، تاریخ یعقوبی میں لکھتے ہیں، ”لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجیر کیا، نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کے اجیر نہیں ہوئے۔“^①

بنابرایں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ شام حضرت خدیجہ کے کارندے کے طور پر نہیں بلکہ نفع و نقصان میں شراکت کے عنوان سے تھا۔

پس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کے غلام میسرہ کے ساتھ سفرِ شام کے لیے نکلے۔ بقولے شام کی طرف یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا سفر تھا اور اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی۔^②

پہلا سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ جب بصرہ پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ نسطور انامی راہب نے یہ دیکھا تو کہا کہ اس درخت کے نیچے آج تک سوائے نبی کے اور کوئی نہیں ٹھہرا۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں کی زیارت کر کے) میسرہ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں جو باریک سرخ دھاریاں ہیں وہ وقتی ہیں یا ہمیشہ یونہی رہتی ہیں؟ اُس نے کہا کہ ہمیشہ یونہی رہتی ہیں۔ نسطور ابولا کہ یہ آخر الزمان نبی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے شام میں مالِ تجارت فروخت کیا۔ ایک شخص نے کسی معاملے میں خصومت (عداوت) کرتے ہوئے کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم کھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے کبھی اُن کی قسم کھائی ہے نہ کبھی اُن کی طرف التفات کیا ہے۔ اُس نے میسرہ سے کہا کہ بخدا یہ نبی ہیں اور ہمارے علماء اُن کی صفات و علامات کو اپنی کتب میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

① احمد ابن ابویعقوب ابن جعفر ابن وہب ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۸۴ ہجری)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۳۸

② علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ باب ۴، ص ۵۴

علی بن عیسیٰ اربیلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشف الغمۃ

میسرہ دیکھتا تھا کہ دوپہر کے وقت جب گرمی عروج پر ہوتی تو دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ فلکں ہوتے۔ اُس نے یہ سارے عجائب و خوارق یاد رکھے اور واپسی پر حضرت خدیجہ علیہا السلام سے بیان کیے۔ الغرض آنحضرت ﷺ نے سامان تجارت فروخت کیا اور آپ ﷺ کی برکت سے منافع پہلے کی نسبت دو گنا ہوا۔

آپ ﷺ کی واپسی دوپہر کے وقت ہوئی۔ اُس وقت حضرت خدیجہ علیہا السلام اپنے بالا خانہ پر تشریف فرما تھیں۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ منظر گھر میں موجود دوسری عورتوں کو بھی دکھلایا تو سب حیران رہ گئیں۔ حبیب پاک صاحبِ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات اُن کے پاس پہنچے اور سفر میں حاصل ہونے والے نفع کی تفصیلات بیان فرمائیں تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ میسرہ نے سفر کے تمام واقعات و معجزات اور سطورِ اراہب کا بیان گوش گزار کیا۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام بڑی زیرک و دانا خاتون تھیں، دل میں آپ ﷺ کے ساتھ عقد و تزویج کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس ارادہ کی تکمیل کو سعادتِ دارین سمجھ لیا۔ اُس وقت بہت سے لوگ حضرت خدیجہ کے ساتھ مناکحت کے آرزو مند تھے اور اس سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کیونکہ آپ اوصافِ حمیدہ کی حامل اور اعلیٰ حسب و نسب کی مالک تھیں اور دولت مندی میں بھی سب پر فائق تھیں مگر آپ نے کسی کی طرف مطلق توجہ نہ فرمائی۔ قریش کے جن سرداروں نے آپ کو شادی کے پیغام بھیجوائے اُن میں صلت بن ابی یہاب، ابو جہل، ابوسفیان اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ بھی شامل تھے۔^①

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، بحار الانوار، ج ۱۶ ص ۲۲۔

علامہ مرتضیٰ جعفری، الصبیح من سیرۃ النبی الاعظم ﷺ، ص ۱۵۱

نبی ﷺ کے بارے میں بزرگ راہب سے خالد بن اسید اور طلح بن سفیان بن اُمیہ کی گفتگو

احمد بن حسن قطان اور علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شیبانی نے بیان کیا، اُن سے ابو العباس احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل نے، اُن سے عبد اللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے یثیم بن عمرو المزنی نے، اُن سے اُن کے چچا نے اور اُن سے یعلیٰ انسابہ نے بیان کیا کہ حضور ﷺ جس سال تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے خالد بن اسید بن ابی العیص اور طلح بن ابی سفیان بن اُمیہ بھی حضور ﷺ کے قافلے میں شامل تھے۔ اُنہوں نے واپس آ کر حضور اکرم ﷺ کے تعجب انگیز حالات مثلاً آپ ﷺ کی سواری کی رفتار اور جانوروں اور پرندوں کی اطاعت گذاری وغیرہ سے متعلق واقعات بیان کیے اور کہا کہ جب ہم بصرہ کے بازار میں پہنچے تو راہبوں کے ایک گروہ کو دیکھا جن کے چہرے زرد تھے، یوں لگتا تھا جیسے اُن کے رخساروں پر زعفران علا ہوا ہو اور اُن کے اعضاء کانپ رہے تھے۔ وہ ہمارے پاس آئے اور بولے کہ ہمارے بزرگ کے پاس چلیں جو قریب ہی کلیسائے اعظم میں رہتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہمیں تم سے کیا واسطہ؟ وہ بولے کہ اگر آپ ہمارے عبادت خانہ تک چلے چلیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ ہم تو آپ کا احترام کرتے ہیں۔ وہ سمجھے کہ ہم میں سے کوئی محمد (ﷺ) ہے۔ غرض ہم لوگ اُن کے ساتھ ایک بڑے عبادت خانہ میں گئے۔ وہاں ایک بزرگ آدمی کو دیکھا جس کے گرد اُس کے اسی شاگرد جمع تھے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، وہ کبھی اُس کتاب پر نظر کرتا اور کبھی ہم لوگوں کو دیکھتا۔ آخر اپنے ساتھیوں سے بولا کہ میں جسے ملنا چاہتا تھا تم اُسے نہیں لائے۔ پھر اُس نے ہم سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم قریشی ہیں۔ پھر پوچھا کہ کس قبیلے سے ہو؟ ہم نے بتایا کہ ہم فرزندانِ عبد المطلب سے ہیں۔ اُس نے سوال

کیا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہاں! ایک جوان بنی ہاشم میں سے ہے جس کو ہم یتیم فرزند عبدالمطلب کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی اُس نے ایک نعرہ لگایا اور اپنی جگہ سے اُچھل پڑا، قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو جاتا، پھر وہ بولا کہ آہ! آہ! دین نصرانیت برباد ہو گیا۔ وہ اپنی صلیب پر ٹیک لگا کر تھوڑی دیر غور و خوض کرتا رہا پھر اُس نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں اُس جوان کو دیکھ سکوں؟ ہم نے کہا کہ ہاں! چلو، وہ ہمارے ساتھ آئے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ بصرہ کے بازار میں خورشید تاباں کی مانند کھڑے تھے اور رُخِ انور سے نُورِ ساطع تھا۔ دیکھنے والے چاروں طرف سے آپ ﷺ کے نظارہ حُسن و جمال میں محو تھے اور بیوپاری محض آپ ﷺ کو دیکھنے کے شوق میں آپ ﷺ سے معاملہ کر رہے تھے۔ وہ آپ ﷺ کا مال تجارت زیادہ قیمت دے کر خرید رہے تھے اور اپنا مال بہت کم دام پر آپ ﷺ کے ہاتھ فروخت کر رہے تھے۔ ہم نے چاہا کہ کوئی دوسرا شخص اُس راہب کو دکھادیں تاکہ اُس کا امتحان ہو جائے، تب اُس نے کہا کہ بس! بس! میں نے انہیں پہچان لیا ہے۔ پھر وہ بے قرار ہو کر آپ ﷺ کی طرف دوڑا اور آپ ﷺ کے سراقدس کو چومنے لگا۔ اُس نے کہا کہ آپ (ﷺ) ”وہی“ مقدس ذات ہیں۔ پھر اُس نے آپ ﷺ کی نشانیوں سے متعلق آپ ﷺ سے کئی سوالات کئے۔ آپ (ﷺ) نے سب سوالات کے جواب دیئے پس اُس نے کہا کہ اگر میں آپ (ﷺ) کے زمانہ (زمانہ نبوت) تک موجود رہا تو آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر حق جہاد ادا کروں گا۔ پھر ہم سے کہا کہ بہترین زندگی اور موت ان ہی کے ساتھ ہے، جو شخص ان کی پیروی کرے گا وہ زندہ و جاوید ہوگا اور جو شخص ان کے طریقہ سے منحرف ہوگا وہ اس طرح مرے گا کہ کبھی زندہ نہ ہوگا، تمام نفع اور عظیم فائدہ ان ہی کے ساتھ ہے۔ پھر اُس نے آپ ﷺ کے سراقدس کو چوما اور اپنے عبادت خانہ میں واپس چلا گیا۔^①

① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۸

ابوالمویہب راہب کی خبر

ابوالمویہب راہب بھی حضور ﷺ کو آپ ﷺ کی کامل صفات و علامات کے ساتھ جانتا تھا۔ نیز اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام آپ ﷺ کے وصی ہیں۔

شیخ الصدوقؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا ہے احمد بن حسن قطان اور علی بن احمد بن محمد اور محمد بن احمد شبیبانی نے، اُن سے احمد بن یحییٰ بن زکریا قطان نے، اُن سے محمد بن اسماعیل نے، اُن سے عبد اللہ بن محمد نے، اُن سے اُن کے والد نے، اُن سے قیس بن سعد دیلمی نے، اُن سے عبد اللہ بن بحر نے، اُن سے بکر بن عبد اللہ اشجعی نے اور اُن سے اُن کے آباء نے بیان کیا ہے کہ جس سال حضور اکرم ﷺ حضرت خدیجہ کمال لے کر بغرض تجارت شام کی جانب روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ قافلہ میں عبد مناة بن کنانہ اور نوفل بن معاویہ بن عروہ بن صخر بن یعمر بن نعمانہ بن عدی بھی تھے۔ جب قافلہ شام پہنچا تو ابوالمویہب راہب نے قافلہ والوں کو دیکھا اور پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ ہم کعبہ کے رہنے والے ہیں، اہل قریش میں سے ہیں اور تاجر ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ کیا قریش میں سے کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ ہاں! فرزدان ہاشم میں سے ایک جوان ہے۔ اُن کا نام محمد (ﷺ) ہے اور ہم اُنہیں یتیم قریش (ﷺ) کہتے ہیں، وہ قریش کی ایک خاتون خدیجہ کمال تجارت لے کر آئے ہیں۔ ابوالمویہب نے کہا کہ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے پوچھا کہ تمہیں اُن سے کیا کام ہے؟ ابوالمویہب نے کہا کہ مجھے دکھاؤ تو سہی! لوگوں نے کہا کہ ہم نے اُن کو بصرہ کے بازار میں چھوڑا تھا۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حضور ﷺ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ جب اُس کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو قبل اس کے کہ لوگ کچھ کہتے، اُس نے کہا کہ ”وہ“ یہی ہیں۔

وہ آنحضرت ﷺ کو الگ لے گیا اور بہت دیر تک آپ ﷺ سے راز و نیاز کرتا رہا پھر آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کوئی چیز اپنی آستین سے نکالی اور چاہا کہ آپ ﷺ کو ہدیہ کرے لیکن آپ ﷺ نے وہ چیز قبول نہ کی۔ پھر وہ آپ ﷺ سے الگ ہو کر اُن لوگوں کے پاس آیا اور کہا کہ میری نصیحت سُن لو! اُن کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ اور اُن کی فرمانبرداری کرو کیونکہ واللہ! یہ آخری نبی (ﷺ) ہیں اور بہت جلد مبعوث ہوں گے اور لوگوں کو ’لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ‘ کی دعوت دیں گے، جب یہ نبوت کا اعلان کریں گے تو بلا تامل اُن کی پیروی کرو۔ پھر پوچھا کہ کیا اُن کے چچا ابوطالب کا کوئی فرزند پیدا ہو چکا ہے جس کا نام علیؑ ہے؟ اُن لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ وہ بولا کہ وہ پیدا ہو چکے ہیں یا پھر غریب پیدا ہونے والے ہیں۔ سب سے پہلے وہی اِن (ﷺ) پر ایمان لائیں گے۔ اُن کے وصی ہونے سے متعلق میں نے کتابوں میں پڑھا ہے۔ وہ سیدِ عرب نبی آخر الزمان (ﷺ) کے ذوالقرنین ہوں گے اور جنگوں میں شمشیر زنی کا حق ادا کریں گے۔ ملائِ اعلیٰ میں اُن کا نام علی (علیہ السلام) ہے۔ قیامت کے روز حضور ﷺ کے بعد اُن کا رُتبہ سب سے بلند ہوگا۔ فرشتے اُن کو فلاح یافتہ، روشن اور شجاع کہتے ہیں۔ وہ جس طرف رُخ کریں گے یقیناً فتح پائیں گے۔ وہ تمہارے پیغمبر (ﷺ) کے اصحابؓ میں آسمان کے آفتاب سے زیادہ مشہور ہوں گے۔^①

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، کمال الدین، ج ۱ ص ۲۱۹

حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام سے عہد

(۲۷ قبل ہجرت / ستمبر ۵۹۵ء)

آنحضرت ﷺ کی عمر پچیس برس تھی۔ آپ ﷺ کے اخلاق و کردار، صدق و دیانت اور پاکبازی و شرافت کی شہرت عام ہو چکی تھی حتیٰ کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ ﷺ کو صادق و امین کہتے تھے۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد بھی بہت پاکیزہ نفس، خوش اخلاق، خوبصورت، نیک سیرت اور بنو قریش کی سب سے زیادہ دولت مند خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کو نفیسہ بنت منیہ کے ہاتھ شادی کا پیغام بھیجا۔^(۱)

نفیسہ بنت منیہ کہتی ہیں: ”جب رسول اکرم ﷺ شام سے مراجعت فرما ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت خدیجہ اپنے بالا خانہ پر تشریف فرما تھیں۔ دیکھا کہ سرورِ دو عالم ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور تمازتِ آفتاب سے بچانے کے لیے دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دل میں آپ ﷺ کے ساتھ عقد و تزویج کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس ارادہ کی تکمیل کو سعادتِ دارین سمجھا چنانچہ خود سلسلہ جنابی شروع کرتے ہوئے مجھے آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا۔ میں حضور (ﷺ) کی خدمت میں شادی کا پیغام لے کر حاضر ہوئی تو آپ (ﷺ) نے قبول فرمایا۔“ نفیسہ نے واپس جا کر حضرت خدیجہ علیہا السلام کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی رضامندی کا مژدہ سنایا تو انہوں نے ایک شخص کے ذریعے آپ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ فلاں وقت اپنے خاندان کے اکابرین کے ساتھ میرے غریب خانہ پر (نکاح کے لئے) تشریف لائیے، اور ایک آدمی اپنے چچا عمرو بن اسد کی طرف روانہ کیا کہ نکاح کے ولی بن کر عقد کریں، پس وہ بھی پہنچے اور سرورِ انبیاء ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف لائے۔^(۲)

بروایت اُس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ علیہا السلام کی چالیس سال

^(۱) علامہ علی نقی نقوی، تاریخ اسلام ص ۷۰۷ بحوالہ ابن سعد، ج ۱ ص ۸۴۔

^(۲) امام عبدالرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۳

تھی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہ کا عقد اُن کے والد خویلد نے کیا مگر یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ اُن کی وفات حرب بن اُسریث سے قبل ہوئی اور نکاح کا انعقاد پانچ سال بعد ہوا۔

ابو الحسین بن فارس کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب نے نکاح پڑھایا اور یہ خطبہ پڑھا:

”سب تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اولادِ ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) ہونے کا شرف بخشا اور گلستانِ اسماعیل (علیہ السلام) کے نو نہال بنایا، معد بن عدنان کے اصل سے اور مضر کے عنصر و جوہر سے عالمِ عناصر کی طرف منتقل فرمایا۔ اپنے حرم کا محافظ و نگران اور اپنے گھر کا مجاور و خادم بنایا اور ہمیں ایسے گھر سے مشرف فرمایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ہمیں ایسا حرم عطا فرمایا جو مقامِ امن و اطمینان ہے اور ہمیں لوگوں پر حکومت عطا فرمائی۔“ پھر فرمایا: ”میرے یہ بھتیجے محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) شرف و فضل کی اُن بلندیوں پر فائز ہیں جن کا موازنہ آپ سے کیا جائے تو آپ سب پر حاوی ہو جائیں۔ اگرچہ مال کی ان کے ہاں قلت ہے مگر مال تو ڈھلتی چھاؤں ہے اور تغیر پذیر ہے (لہذا اس کا کیا اعتبار؟) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قرابت تم میں سے کون نہیں چاہتا؟ انہوں نے خدیجہ بنت خویلد کو دعوتِ نکاح دی ہے اور اُس کے لیے حق مہر صرف کیا ہے جس کا مُعَجَّل (فوری طور پر ادا ہونے والا یعنی نقد) اور مُؤَجَّل (مہلت دیا گیا یعنی واجب الادا) میرے ذمہ ہے۔ حضرت ابوطالب نے مزید فرمایا، بخدا کچھ عرصہ بعد میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت، شان اور بلندی، کمالِ عروج کے مرتبہ پر ہوگی اور ہر ایک پر ظاہر و عیاں ہوگی۔“^۱

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھانا اور مندرجہ بالا خطبہ دینا اُن لوگوں کے لیے دعوتِ فکر ہے جو آپ کے ایمان کے بارے میں کوئی منفی رجحان رکھتے ہیں۔ کیا یہ الفاظ کسی غیر مسلم یا ناقص الایمان شخص کے ہو سکتے ہیں؟

^① امام عبد الرحمن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۱۸۳

علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۵۴ بحوالہ کافی ج ۵ ص ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷،

ذرا غور فرمائیے، جب ایک عام مسلمان کا نکاح کوئی غیر مسلم نہیں پڑھا سکتا تو نبی آخر الزمان ﷺ جو باعثِ ایمان ہیں، کا نکاح کوئی غیر مسلم کیسے پڑھا سکتا ہے؟

حضرت خدیجہ کا مہر بارہ اونس سونا اور پچیس اُونٹ مقرر ہوا جسے حضرت ابوطالب نے اُسی وقت ادا کر دیا۔^(۱) یہ واقعہ ۵۹۵ء کا ہے۔ روایت ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ علیہا السلام زندہ رہیں رسول کریم ﷺ نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔^(۲)

حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور ﷺ سے پہلے کوئی شادی نہیں کی تھی بعض لوگوں کا یہ کہنا بے بنیاد اور غلط ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام نے حضور ﷺ کے عقد میں آنے سے پہلے دو شادیاں کی تھیں اور دونوں خاندنوں سے آپ کی اولاد بھی تھی۔ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ احمد بلا ذری، ابوقاسم کوئی، ابوجعفر اور مرتضیٰ نے اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت خدیجہ علیہا السلام سے شادی کی تو وہ باکرہ (کنواری/دوشیزہ) تھیں۔“^(۳)

حضرت خدیجہ علیہا السلام کے پہلے سے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کا شوشہ ممکن ہے انہیں لوگوں کا چھوڑا ہوا ہوجن کے آباؤ اجداد نے ہر حیلہ کیا کہ کسی طرح عرب کی سب سے زیادہ خُبرو، زیرک ودانا اور مالدار خاتون کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کر سکیں مگر وہ اپنے عِزائم میں کامیاب نہ ہو سکے اور اپنی ناکامی کو اپنے لیے باعثِ رسوائی سمجھنے لگے، چنانچہ جب وہ درِّ نایاب چالیس سال آغوشِ صدف میں رہنے کے بعد تاجِ رسالت کی زینت بنا تو یہ لوگ اُس کی تابندگی ماند کرنے کی کوششِ ناکام میں آپ کے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونے کا پروپیگنڈہ کرنے لگے اور اس کا استدلال اُن لوگوں کے نزدیک آپ کی چالیس سالہ عمر ہی تو ہے۔ یعنی اُن کے حساب سے آپ کی

(۱) نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، بحوالہ مسٹر کے اے حمید، مسلمانانِ عالم ص ۳۸

(۲) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۱۱۹

(۳) علامہ مرتضیٰ جعفر عالمی، الصحيح من سيرة النبي الاعظم ﷺ، ص ۱۶۴ بحوالہ ابن شہر آشوب

پہلی شادی نو جوانی میں ہوئی مگر آپ بیوہ ہو گئیں، پھر دوسری شادی ہوئی، پھر بیوہ ہو گئیں حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر میں پہنچ گئیں تب آپ نے حضور ﷺ کے ساتھ عقد کیا اور عرب میں چونکہ کم عمری میں ہی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش کی سب سے زیادہ حسین و دانا اور مالدار عورت چالیس سال تک غیر شادی شدہ رہے؟

اگر ہم اس دلیل پر ذرا سا غور کریں تو حیرت انگیز طور پر یہ دلیل انہیں لوگوں کے خلاف جاتی نظر آتی ہے جو اسے اپنے موقف کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی حسین و جمیل، اوصاف حمیدہ کی حامل، اعلیٰ حسب و نسب کی مالک اور فہم و ادراک سے مالا مال ایک دولت مند خاتون کا کئی لوگوں کے رشتوں کو ٹھکراتے ہوئے چالیس سال تک غیر شادی شدہ رہنا یہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اُن جیسی عظیم المرتبت خاتون کو اپنے سے بڑھ کر کوئی عظیم ترین شخصیت نظر آتی تو وہ شادی پر آمادہ ہوتیں۔ پس چالیس سال تک کوئی ایسی ہستی ملی نہ ہی شادی کی۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ”ہر ماں کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے، پس میں ہی اُن کا ولی ہوں اور میں ہی اُن کا نسب ہوں۔“^(۱) اسی حدیث رسول ﷺ کو جناب جابر بن عبد اللہ اور حضرت عمر بن خطابؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ مزید براں حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، ”میرے نسب اور رشتہ کے سوا قیامت کے دن ہر نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا۔“^(۲)

^(۱) حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (متوفی ۳۶۰ ہجری)، المعجم الکبیر ۲۲: ۲۲۳۔

ابو یعلیٰ (۹۱۹ھ)، المسند ابویعلیٰ ۱۰۹: ۱۲۔ نور الدین علی بن ابی بکر بنی (متوفی ۸۰۷ھ)، جمیع الزوائد

۲۲۴: ۲۔ حافظ دہلی (متوفی ۵۵۸ھ)، کتاب الفردوس ۳: ۲۶۲۔

خطیب بغدادی (متوفی ۱۰۷۱ء)، تاریخ بغداد، ۱۱: ۲۸۵۔ عجلونی (متوفی ۱۶۲ھ)، کشف الخفا ۴: ۱۵۷۔

^(۲) ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ)، الصواعق المحرقة ۳: ۹۳۔ ڈاکٹر طاہر القادری، مناقب فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا

اس حدیث مبارکہ کو حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی روایت کیا ہے۔
پس! رسول ﷺ (کی آل پاک) کا سلسلہ ہی جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمہ علیہا السلام سے شروع
ہوتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خاتونِ جنتؓ نے جس بطنِ مطہر میں قیام فرمایا ہو وہاں کبھی کوئی
”آمیزش“ رہی ہو؟ یہ ناممکن ہے کیونکہ خود اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا“ (اے اہل بیت
رسول ﷺ)! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر نجاست کو تم سے دُور رکھے اور تمہیں پوری طرح پاک
رکھے۔^①

حضور ﷺ کی کثرتِ ازواج سے متعلق ایک منفی خیال اور اُس کی تردید

بعض عاقبت نا اندیش لوگ، حضور ﷺ کے کثیر الازوج ہونے سے متعلق یہ منفی خیال رکھتے
ہیں کہ آپ ﷺ کا رجحان ازدواجی تعلقات کی طرف بہت زیادہ تھا۔ شانِ رسالت میں گستاخی
کا ارتکاب کرنے والے ملعون مصنفین اور فلم ساز بھی اس بیہودہ خیال کی عکاسی کرتے ہیں جبکہ
حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد، غلط اور کم علمی، کم عقلی، تعصب اور بد بختی پر مبنی ہے۔
اگر چشمِ خیال میں ذرا بھی بینائی باقی ہو تو رسول اللہ ﷺ کے کثیر الازوج ہونے کے پیچھے کئی
مصلحتیں اور حکمتیں دکھائی دیتی ہیں۔

رشتہ ازدواج یعنی نکاح یا شادی کیا ہے؟ اگر ہم تھوڑا سا غور اس پر بھی کر لیں تو حضور ﷺ کی
کثرتِ ازواج کا فلسفہ با آسانی سمجھ میں آجائے گا۔

نکاح، سنتِ مُکدہ اور بعض علماء کے نزدیک واجبِ عمل ہے۔ اسلام میں تہجر دُک زندگی گزارنا یعنی
ازدواجی رشتے کے بغیر رہنا ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ اگرچہ بعض دیگر مذاہب میں تہجر دُک کو ایک

خاص مقام حاصل ہے مگر دین اسلام نے جہاں دوسرے مذاہب کے کئی غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر سماجی رسوم و رواج کو ختم کر کے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین قوانین وضع کیے ہیں وہاں رشتہ ازدواج کو لازمی قرار دے کر نہ صرف کئی غیر سماجی اور غیر اخلاقی افعال کی راہیں مسدود کی ہیں بلکہ بہترین اور صحت مند معاشرے کی تشکیل میں بھی ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

جنسی ضروریات دیگر ضروریات زندگی کی طرح انسانی زندگی میں بہت نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ اگر ان کی تکمیل کا جائز اور صحت مند ذریعہ میسر نہ ہو تو ظاہر ہے کہ انسان کا رجحان ناجائز اور غیر اخلاقی ذرائع کی طرف ہوگا جو کئی سماجی اور قانونی مسائل کا سبب بنتا ہے۔ مثلاً فریقین کے درمیان باہمی اعتماد کا فقدان، غیر یقینی صورت حال، عدم تحفظ، حقیقی قربت داری کا خاتمہ، وراثت کا مسئلہ اور تاریک مستقبل وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے معاشرے میں مرد چاہے غیر شادی شدہ ہو، رنڈوا ہو یا بیوی کو طلاق دے چکا ہو، ایک نارٹل زندگی گزار سکتا ہے مگر عورت کے لیے ایسی صورت حال کا سامنا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ زمانے بھر کے مسائل اُس کا گھر دیکھ لیتے ہیں جیسے چیلوں کے درمیان چڑیا کا گھونسلا۔

اسلام نے نکاح کے ذریعے ایسے تمام مسائل کا نہایت عمدہ حل پیش کیا ہے۔ پس اللہ رب العزت کا ارشاد ہوتا ہے:

”وَ أَنْكِحُوا الْأَيَالَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۖ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ“^①

(اور نکاح کر دیا کرو اپنی (قوم کی) بے شوہر عورتوں اور اپنے نیک بخت غلاموں اور لونڈیوں کا، اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل (و کرم) سے انہیں مالدار بنا دے گا اور اللہ تو بڑی کشادگی والا واقف کار ہے)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کا آغاز ”وَ أَنْكِحُوا“ کے لفظ سے ہوتا ہے، جو گرامر یعنی دستور زبان کی

اصطلاح کے مطابق صیغہ امر کہلاتا ہے یعنی نکاح ایک واجب عمل ہے یا سُنَّتِ مُوَكَّدہ ہے۔^①
 اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے: ”خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
 إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً“،^②

(اُس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر
 تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے) اور فرمانِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ میری اُمت
 کے بہترین افراد وہ ہیں جو نکاح کرتے ہیں اور اپنے لیے ہمسروں کا انتخاب کرتے ہیں اور
 (برخلاف اس کے) میری اُمت کے بدترین افراد وہ ہیں جو ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار
 کرتے ہیں اور اپنی زندگی مجھ دوں کی طرح گزارتے ہیں۔^③

اسی طرح نکاح کے باوجود تجربہ کی زندگی گزارنے کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ عثمان بن مازون،
 پیغمبر اکرم ﷺ کے ایک صحابی تھے۔ روایت ہے کہ ایک دن اُن کی زوجہ رسول مقبول
 ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! عثمان دنوں میں روزے
 رکھتا ہے اور راتوں کو عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ یعنی ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ بیان کیا کہ اُس کا
 شوہر شب و روز عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے اُس کے ازدواجی حقوق ادا نہیں کرتا۔ یہ سُن
 کر رسول مقبول ﷺ غضبناک ہو گئے اور اتنا توقف بھی نہ کیا کہ اپنی نعلین مبارک پہن لیں،
 فوراً عثمان بن مازون کے گھر پہنچے۔ عثمان نماز میں مشغول تھے، فارغ ہوئے تو آنحضرت
 ﷺ نے فرمایا کہ اے عثمان! اللہ نے مجھے رہبانیت کی تبلیغ کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اُس نے مجھے
 ایک سادہ اور سیدھی شریعت کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں بھی روزے رکھتا ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں
 اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ازواج کے ساتھ قریبی تعلقات بھی برقرار رکھتا ہوں۔ جو کوئی میری

① سید محمد رضوی، ازدواج اور اخلاقیات در اسلام

② سورۃ روم، آیت ۲۱

③ شہب رضوی، اسلامی ازدواج / ورڈ اسلامک نیٹ ورک، جوان کے لیے تحفہ

سُنّتوں کو پسند کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ ان کی متابعت کرے اور نکاح میری سُنّتوں میں سے ایک ہے۔“^① حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون (یا عثمان بن مازون، یہ نام دونوں طرح سے کتب میں آیا ہے۔ مؤلف) کے سینے پر اپنا دست مبارک رکھتے ہوئے فرمایا کہ میری سُنّت سے منہ نہ پھيرو، کیونکہ جو شخص بھی میری سُنّت سے اعراض کرے گا قیامت کے روز فرشتے اُس کا راستہ روک لیں گے اور اُسے میرے حوض کی طرف نہیں آنے دیں گے۔^②

مندرجہ بالا گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ رشتہ ازدواج ایک اہم انسانی اور سماجی ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لیے دین میں اصرار کیا گیا ہے۔ اب رہا نبی گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازدواج کا سوال، تو عرض ہے کہ:

اول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرتِ ازدواج کے پیچھے کوئی ”فطری تقاضا“ یا ”طبعی رجحان“ قطعاً نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جیسے کوئی عام انسان نہیں بلکہ ایک ایسی عظیم شخصیت ہیں جن کی ہستی کو خداوند متعال نے تمام انسانوں کے لیے ایک عمدہ نمونہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الہی ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ^③ (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات (میں پیروی کے لئے) بہترین نمونہ ہے۔) اور پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ^④ (اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلقِ عظیم کے مالک ہیں)

دوم: چند کنیزوں کے علاوہ جن میں حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ بھی شامل تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازدواج تھیں، ان میں سوائے حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کے (جن کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اور عقد نہیں کیا) اور حضرت عائشہؓ کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازدواج بیوگان تھیں۔ ایک زوجہ جن کا نام زینب بنت جحش اسدیہ تھا کے بارے میں روایت ہے کہ وہ مطلقہ تھیں۔

① محمد بن حسن بن علی بن محمد بن حسین المعروف بہ شیخ حرعالمی (متوفی ۱۱۰۴ ہجری)، وسائل الشیعہ، ج ۴ ص ۱۰

② آیت اللہ مشکینی (متوفی ۱۳۸۶ھ)، ابواب المقدمات، ازدواج در اسلام

③ سورة الاحزاب، آیت ۲۱

④ سورة القلم، آیت ۴

حضور ﷺ کی کثرتِ ازواج کے پیچھے اگر کوئی ”فطری خواہش“ کا فرما ہوتی تو آپ ﷺ ایسی خواتین پر نوعمر اور کنواری دوشیزاؤں کو ترجیح دیتے۔ آپ ﷺ خدا کے رسول اور اُمت کے راہنما و پیشوا تھے اس لیے کسی بھی شخص کے لیے آپ ﷺ کو اپنی نوجوان بیٹی دے کر آپ ﷺ سے رشتہ قرابت استوار کرنا باعثِ فخر ہوتا مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔

سوم: آپ ﷺ محبوبِ خدا اور وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ اگر آپ ﷺ کا میلانِ طبع اس طرف ہوتا تو کیا پروردگارِ عالم آپ ﷺ کے لیے ایسا کوئی خصوصی انتظام نہ فرماتا؟ اگر وہ قادرِ مطلق، آپ ﷺ کے لیے جنت سے خوان، آپ ﷺ کے نواسوں کی خاطر جنت سے لباس، اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کے واسطے جنت سے دُنبہ اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں شیث علیہ السلام اور یافث کے لیے جنت سے ”نزلہ“ اور ”منزلہ“ نامی حوریں بھیج سکتا ہے تو اپنے محبوب ﷺ کا رجحان دیکھتے ہوئے اُن کے لیے بھی جنت سے حوریں بھیج سکتا تھا۔ مگر یہاں تو ایسا رجحان تھا ہی نہیں چنانچہ ایسا کوئی انتظام ہوا نہ جنت سے کوئی حور بھیجی گئی۔

چہارم: آپ ﷺ نے جن بیوگان سے نکاح فرمایا اُن میں صاحبِ اولاد خواتین بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے اُن کے ساتھ عقد صرف اس لیے کیا کہ وہ بیوگی کی تکلیف دہ زندگی سے اور اُن کے بچے یتیمی کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی ازواج کے تاریخی پس منظر سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

پنجم: اُن بیوگان کو سماجی تحفظ اور اُن کے یتیم بچوں کو کفالت و سرپرستی مہیا کر کے آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے بیواؤں اور یتیموں کو سہارا دینے کی ترغیب پیدا کی تاکہ لوگ سنتِ نبوی ﷺ سمجھتے ہوئے اس عملِ خیر کو بخوشی انجام دیں۔ یاد رکھیں ایک آدھ بیوہ سے نکاح کر لینے سے شاید وہ ترغیب پیدا نہ ہوتی جو زیادہ بیوگان سے نکاح کرنے سے پیدا ہو سکتی تھی، اور اس امر کے پیشِ نظر کہ لوگ اس عمل میں کہیں شرعی، اخلاقی اور سماجی حدود سے تجاوز نہ کر جائیں، شریعتِ محمدی ﷺ نے ایک سے زیادہ ازواج رکھنے کے اصول وضع کر دیئے۔

از و ارج نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حضرت خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام بنت خویلد: آپ قبیلہ قریش کی ایک نہایت مدبر اور عظیم خاتون تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہترین زنان بہشت میں قرار دیا۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین زنان بہشت چار ہیں، خدیجہ بنت خویلد (علیہا السلام)، فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، مریم (علیہا السلام) بنت عمران اور حضرت آسیہ (علیہا السلام) بنت مزاحم۔^(۱) خواتین میں سب سے پہلے علی الاعلان ایمان لانے والی خاتون بھی آپ ہی ہیں۔^(۲) آپ کا انتقال بعثت کے دسویں سال ماہ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ آپ کی حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا عقد نہیں کیا۔ آپ ججون میں مدفون ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی پر اتنا رشک نہیں کیا جتنا خدیجہ (علیہا السلام) پر کیا۔ اگر میں اُن کے زمانے میں ہوتی تو میرا کیا حال ہوتا! اور یہ سب اس لیے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت یاد کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی کسی سہیلی کو تلاش کرتے اور (اُس بکری کا گوشت) اُسے ہدیہ کرتے۔^(۳)

(۲) حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا: آپ سکران بن عمرو بن عبد شمس کی بیوہ تھیں، ابتدائی دور میں اسلام قبول کر چکی تھیں، مکہ کے مخدوش حالات کی بنا پر شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی مگر وہیں شوہر کا انتقال ہو گیا۔ شوہر کی وفات کے بعد مکہ واپس نہیں جاسکتی تھیں کیونکہ ان کے

^(۱) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۶۹

^(۲) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۱۶۹

^(۳) ترمذی، ج ۱ حدیث نمبر ۱۲۹۸

قبیلہ کے تمام افراد مشرک تھے اور واپسی کی صورت میں اُن کی طرف سے کئی قسم کے خطرات لاحق تھے۔ لہذا حضور ﷺ سے عقد کر کے آپ ﷺ کے سایہ رحمت میں پناہ حاصل کی۔ رمضان المبارک ۳ قبل ہجرت / فروری ۶۱۹ء میں حضور ﷺ نے ان سے نکاح کیا، اُس وقت ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ تھی۔^(۱) بروایت حضرت سودہؓ، حضرت خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے ایک سال بعد رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔^(۲)

(۳) حضرت عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا: حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کی ازواج میں سب سے کم عمر تھیں۔ شوال ۳ قبل ہجرت / مارچ ۶۱۹ء میں حضور ﷺ نے ان سے نکاح کیا اور رخصتی چار سال بعد شوال ۱ ہجری / اپریل ۶۲۳ء میں ہوئی۔^(۴) آنحضرت ﷺ کی رحلت کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ ان کا انتقال تقریباً ستر سال کی عمر میں ہوا۔^(۵)

(۴) حضرت اُم سلمہؓ ہند رضی اللہ عنہا: آپ کا نام ہند بنت ابی اُمیہ مخزومیہ اور کنیت اُم سلمہ تھی، والدہ کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب تھا جو حضور ﷺ کی چھوٹی چھٹی تھیں۔ آپ عبد اللہ ابوسلمہ بن عبد الاسد کی بیوہ تھیں۔^(۵) آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ واپس آ گئیں۔ ابوسلمہ غزوہ اُحد میں شریک تھے، لڑائی کے دوران جو زخم آئے کچھ عرصہ مندمل رہنے کے بعد دوبارہ تازہ ہو گئے اور وفات کا سبب بنے۔ حضرت اُم سلمہؓ صاحبِ اولاد بھی تھیں۔ ان کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضور ﷺ نے عقد میں لے لیا تاکہ انہیں بیوگی کا اور ان کی اولاد کو یتیمی کا درد نہ

(۱) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۳۳۲

(۲) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۷۴

(۳) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۳۳۲

(۴) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۷۴

(۵) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ، ص ۳۳۲

سہنا پڑے۔ آپ بہت نیک سیرت، رحم دل اور آلِ رسول ﷺ سے محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ کربلا میں آلِ رسول ﷺ پر ڈھائی جانے والی قیامت کے بعد تک حیات رہیں۔ آپ کا انتقال چوراسی سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

(۵) حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پہلے حضرت حفصہؓ، خنیس بن عبد اللہ بن خذافہ سہمی کی زوجیت میں تھیں۔^(۱) وہ شرکائے بدر میں سے تھے، اُن کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو بیوگی کے عذاب سے بچانے کے لیے اپنا دامنِ رحمت واکیا اور عقد میں لے لیا۔ روایت ہے کہ ان کے پہلے شوہر خنیس کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کو ان سے نکاح کی پیش کش کی مگر انہوں نے کوئی مثبت جواب نہ دیا، پھر حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ اگر آپ راضی ہوں تو حفصہؓ کا نکاح آپ سے کر دوں مگر وہ بھی خاموش رہے اور کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں، ”اس پر میں غصہ میں آ گیا اور یہ غصہ اس سے بھی زیادہ تھا جتنا کہ عثمانؓ کے انکار پر تھا، اس کے بعد چند راتیں نہیں گزریں تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا اور میں نے حفصہؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔“^(۲) بروایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شعبان ۳ ہجری/ فروری ۶۲۵ء میں نکاح کیا تھا۔^(۳) ان کا انتقال سنہ ۴۱، ۴۵ یا ۴۷ ہجری میں مدینہ میں ہوا۔

(۶) حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا: ان کا اصل نام برہ تھا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما کر زینبؓ رکھا۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت زینبؓ پہلے حضرت زیدؓ بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ زید نے ان کو طلاق دے دی،

^(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخِرُ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۳۳۲

^(۲) مولانا سید ظفر حسن، کتاب: مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۷۴

^(۳) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم وآخِرُ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۴۹۵

عِدَّت پوری ہونے کے بعد ان کا نکاح حضور ﷺ کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ”فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا“^(۱)

(جب زید نے اُس عورت (زینب) سے اپنی حاجت پوری کر لی (شادی کے بعد طلاق دے دی) تو ہم نے اُس خاتون کو آپ (ﷺ) کے نکاح میں دے دیا تاکہ اہل ایمان پر منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے (نکاح) کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہ جائے جب وہ اُن سے حاجت پوری کر چکے ہوں (اور اُنہیں طلاق دے چکے ہوں) اور اللہ کا حکم تو بہر حال ہو کر رہتا ہے)

حضرت زینبؓ کا انتقال ۵۳ سال کی عمر میں سنہ ۱۲ ہجری یا ۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ازواجِ رسول ﷺ میں سب سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔ آپ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہیں۔^(۲)

(۷) حضرت جویریہ بنت حارثؓ: ان کا نام برہ بنت حارث بن ابی ضرار تھا، حضور ﷺ نے تبدیل کر کے جویریہؓ رکھا۔ ان کا والد حارث، قبیلہ بنی المصطلق کا سردار تھا اور یہ خود جنگِ بنی المصطلق کے گرفتار شدگان میں سے تھیں، ان کے ساتھ دو سو قیدی اور بھی تھے۔ آپ ایمان لے آئیں اور حضور ﷺ نے آپ کو آزاد کر دیا پھر ازراہِ کرم عقد کیا، تب تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا گیا۔ ان کے قبیلہ کے کئی لوگ رسول اللہ ﷺ کا حُسنِ سلوک دیکھتے ہوئے مسلمان ہو گئے۔ حضرت جویریہؓ کے والد حارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ جویریہؓ پر قسمت مہربان ہو گئی ہے اور

^(۱) سورة الاحزاب، آیت نمبر ۷۳

^(۲) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۷۴

وہ رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آچکی ہیں چنانچہ وہ ان کی رہائی کے لیے فدیہ کا بہت سا مال اُونٹوں پر لاد کر مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوا۔ مقام عقیق پر پہنچ کر دو بہترین اُونٹوں کو گھائی میں چھپا دیا، باقی مال لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میری بیٹی کا فدیہ لے کر اُسے رہا کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حارث! دو اُونٹ تو تم عقیق کی گھائیوں میں چھپا آئے ہو؟ حارث پر کلام نبی ﷺ کا ایسا اثر ہوا کہ فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ اُس کی بیٹی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے سایہ رحمت میں لے لیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ حضرت جویریہؓ کا انتقال سنہ ۵۰ ہجری یا سنہ ۵۶ ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔

(۸) حضرت اُم حبیبہؓ رملہ بنت ابوسفیان: رسول اللہ ﷺ نے ذوالحجہ ۶ ہجری / اپریل، مئی ۶۲۸ء میں ان سے نکاح فرمایا۔^① یہ خاتون ابوسفیان بن حرب بن اُمیہ کی بیٹی اور عبید اللہ بن جحش کی بیوہ تھیں۔ ان کی ایک بیٹی کا نام حبیبہ تھا اُسی سے ان کی کنیت اُم حبیبہ ہوئی۔ یہ شوہر کے ساتھ ہجرت حبشہ میں شریک ہوئیں مگر اُس نے وہاں پہنچ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ شوہر کے مرتد ہو جانے کے بعد اُس کے ساتھ رہنا یا اپنے باپ ابوسفیان کے گھر جانا ممکن نہ رہا۔ ایک طرف دیوار تھی تو دوسری طرف آگ، شوہر کے ساتھ رشتہ ختم ہو گیا تھا اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے میکے والے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ ایسے میں حضور ﷺ نے عقد کر کے اپنی پناہ میں لے لیا۔ مروی ہے کہ عمرو بن اُمیہ، حضور ﷺ کے لیے اُم حبیبہؓ کا رشتہ لینے بادشاہ نجاشی کے پاس حبشہ پہنچے۔ نجاشی نے وکیل کے تعین اور عقد نکاح کے سلسلے میں اپنی کنیز ابرہہ کو ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور شکرانے کے طور پر اپنا تمام زیور جو جسم پر تھا لونڈی کو دے دیا۔ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور دیگر مسلمان مہاجرین کو مدعو کر کے تواضع کی

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم ﷺ، ص ۵۸۵

اور خطبہ نکاح پڑھا۔ حضرت اُم حبیبہؓ کا انتقال سنہ ۴۰ یا ۴۲ ہجری میں شام میں ہوا۔

اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہؓ کے فضائل میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے جسے ابن اسحاق نے یوں بیان کیا ہے کہ ان کا باپ ابوسفیان تجدید صلح کے لئے مدینہ منورہ آیا اور ان سے ملنے گیا۔ وہ بستر پر بیٹھنے لگا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ بیٹی میں سمجھا نہیں کہ تُو بستر کو مجھ سے دُور رکھنا چاہتی ہے یا مجھے بستر سے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بستر رسول اللہ ﷺ کا ہے، تُو مشرک ہے اور اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔^(۱)

(۹) حضرت صفیہ بنت حبیبی بن اخطبؓ: حضرت صفیہؓ، سلام بن مسلم کے بعد کنانہ بن ربیع کی زوجیت میں آئیں۔^(۲) بروایت ان کے پہلے شوہر کا نام سلام بن مشکم اور دوسرے کا کنانہ بن ابی الحقیق تھا جو جنگ خیبر میں مارا گیا اور یہ گرفتار ہوئیں۔ حضور ﷺ نے رحم فرماتے ہوئے آزاد کر دیا اور ان کے ساتھ عقد کر کے اسیروں کے ساتھ احترام اور مہربانی کے ساتھ پیش آنے کا درس دیا۔ مروی ہے کہ لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور قبیلہ کے سردار کی بیٹی بھی ہیں لہذا مناسب یہی ہے کہ انہیں سردارِ دو عالم ﷺ کے سپرد کر دیا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اُن سے عقد فرمایا۔ اُن کا انتقال سنہ ۵۰ ہجری میں ہوا۔^(۳)

(۱۰) حضرت زینب بنت خزیمہ بن حرث (اُم المساکین)ؓ: آپ پہلے عبیدہ بن حرث بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھیں۔ حضور ﷺ نے ازراہِ ترحم ان سے عقد کر لیا تاکہ مسلمان عورتوں میں بے کسی اور لاوارثی کا احساس پیدا نہ ہو۔ آپ کا لقب ”اُم المساکین“ تھا کیونکہ آپ

^(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان، کتاب: رحۃُ لَعْلَعِ الْمَیْمَنِ ﷺ، ج ۲ باب ۲، ص ۲۳۳ بحوالہ جلاء الافہام لابن قیم المتوفی ۷۵۱ء

^(۲) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۷۵

^(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحۃُ لَعْلَعِ الْمَیْمَنِ ﷺ، ج ۲ باب ۲، ص ۲۶۶ بحوالہ الاستیعاب

غرباء پروری میں خاصی شہرت رکھتی تھیں۔ آپ بہت کم عرصہ تک، بروایت دو ماہ، چھ ماہ یا آٹھ ماہ تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہیں اور ماہِ ربیع الآخر سنہ ۴ ہجری میں وفات پا گئیں۔^①

(۱۱) حضرت میمونہ بنت حارث الہمالیہ رضی اللہ عنہا: حضرت میمونہؓ کا اصل نام برہ تھا رسول اللہ ﷺ نے تبدیل کر کے میمونہؓ رکھا۔ یہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ ﷺ نے ازراہ کرم ان سے عقد کر کے قبول فرمالیا۔ حضور ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح ماہِ ذیقعدہ سنہ ۷ ہجری میں عمرہ القضاء میں ہوا۔ بروایت رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے ان کے بارے میں آپ ﷺ سے عرض کیا تھا۔^②

رسول اللہ ﷺ کو اپنی پسند کے مطابق

ازواج کو رکھنے اور چھوڑنے کا اختیار

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا تھا کہ آپ ﷺ اپنی ازواج میں سے جن کو چاہیں رکھیں اور جن کو ناپسند فرمائیں انہیں چھوڑ دیں لیکن آپ ﷺ نے کسی بھی زوجہ کو طلاق نہیں دی سوائے حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے جنہیں صرف ایک طلاقِ رجعی دی تھی لیکن بعد میں رجوع فرمالیا تھا۔^③ باقاعدہ طلاق نہ دینے کی یہ وجوہات سمجھ میں آتی ہیں:

اول: حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں اور عالمین کو آپ ﷺ سے ہمیشہ رحمت و برکت ہی حاصل ہوئی ہے۔ اگر آپ ﷺ اپنی کسی زوجہ کو طلاق دے دیتے تو معاشرتی و معاشی حوالے

① علامہ سید زیشان حیدر جوادی (متوفی ۲۰۰۰ء)، نقوش عصمت، ص ۷۷

② قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۲، باب ۲، ص ۲۷۷

③ سنن ابی داؤد حدیث ۲۲۸۳۔ سنن نسائی حدیث ۳۵۹۰

سے اُس خاتون کے لیے کئی مسائل پیدا ہو جاتے اور ممکن ہے کہ وہ مسائل اُس خاتون کے لیے باعثِ رَحمت بن جاتے کیونکہ ایک دفعہ اُمّ المؤمنین بن جانے کے بعد وہ باقی مردوں کے لیے حرام ہو جاتی اور دوسرا نکاح نہ کر سکتی، ہمیشہ ایک مطلقہ عورت کی زندگی بسر کرتی، ملامت آمیز نگاہوں کا سامنا کرتی اور ہزیمت بھری زندگی گزارتی۔ جیسا کہ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

”وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوْجَاهُ مِنْ بَعْدِهَا أَبَدًا ۖ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا“^(۱) (اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو بیشک یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی (برائی اور گناہ کی) بات ہے۔

دوم: طلاق ایک ایسا حلال فعل ہے جو ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کسی ناپسندیدہ فعل کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں۔

سوم: اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی کسی زوجہ کو طلاق دیتے تو طلاق کا فعل سُنّتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جاتا، مسلمان اپنی بیویوں کو بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق دیتے اور اپنے اس فعل کو سُنّتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گردانتے، اس طرح مسلم معاشرے میں طلاق کی شرح خوفناک حد تک بڑھ جاتی اور سماج میں عدم توازن و عدم تحفظ اور بگاڑ پیدا ہو جاتا۔

طلاق ایک ایسا ذاتی فعل ہے جو زوجین کے درمیان باہمی نا اتفاقی، عدم توازن، بد اعتمادی یا ایسی شدید رنجش جو کہ ناقابلِ مفاہمت ہو، کی بنیاد پر انجام پاتا ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس فعل سے اجتناب، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعلیٰ ترین کردار و اوصاف کے حامل ہونے اور بہترین اور کامل راہبر و راہنما ہونے کی ایک علامت ہے۔ ایک قائد کی نجی زندگی، اُس کا کردار اور عمل اُس کی قوم کے

لیے ایک نمونہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ تو تمام عالم کے قائد اور راہنما ہیں لہذا آپ ﷺ سے کسی بھی ناپسندیدہ فعل کا سرزد نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ انسانیت کے لیے واقعی ایک بے مثال نمونہ ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ..... اللہ عزوجل نے جب یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

”تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤَمَّى إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ط“،^(۱) (اے محبوب ﷺ!) (آپ کو

اختیار ہے کہ) اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں دور کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں)

تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا خدا کی قسم! آپ ﷺ کا پروردگار

آپ ﷺ کو نور اور عطا فرمادیتا ہے جس کی آپ ﷺ خواہش فرماتے ہیں۔^(۲)

حضرت عائشہؓ مزید فرماتی ہیں کہ جس وقت یہ اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ میرے پاس

تشریف لائے اور مجھ سے آغاز کیا اور فرمایا کہ میں تم کو ایک بات بتانے والا ہوں لیکن تم (اس

بارے میں) اپنے والدین کی رائے اور مشورہ کے بغیر فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ آپ فرماتی

ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ میرے والدین کبھی بھی مجھ کو آپ ﷺ سے الگ ہونے کا حکم نہیں دیں گے۔

پھر رسول کریم ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ

أُمْتَعِكُنَّ وَأَسْرِ حُكْنًا سَرًّا بَحِيمًا ۖ وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ

الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۖ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَنِ يَأْتِ

^(۱) سورة الاحزاب، آیت ۵۱

^(۲) سنن نسائی، ج ۲ حدیث ۳۲۰۴

مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيَّنَةٍ يُضَعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرًا^①

(اے پیغمبر ﷺ)! اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور اُس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی بہشت) کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں اُن کے لیے خدا نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے پیغمبر ﷺ کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (الفاظ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے کی) حرکت کرے گی، اُس کو دو گنی سزا دی جائے گی۔ اور یہ (بات) خدا کو آسان ہے)

جب آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت سے فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ کیا اسی سلسلہ میں آپ ﷺ مجھ کو میرے والدین سے مشورہ کرنے کا حکم فرما رہے ہیں؟ میں تو خدا اور اُس کے رسول ﷺ اور آخرت کی خواہش رکھتی ہوں۔^②

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَالِ مُحَمَّدٍ ۝



① سورة الاحزاب، آیت ۲۸ تا ۳۰

② سنن نسائی، ج ۲ حدیث ۳۲۰۶

اولادِ نبی ﷺ

نبی کریم ﷺ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت قاسم طیبؓ: آپ کی ولادت بعثت سے قبل مکہ میں ہوئی اور آپ دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

(۲) حضرت عبداللہؓ: آپ طاہر کے نام سے بھی مشہور تھے۔ بعثت سے پہلے مکہ میں آپ کی ولادت ہوئی اور بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔

(۳) حضرت ابراہیمؓ: آپ سنہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۸ ارجب ۱۰ ہجری کو انتقال فرما گئے۔ آپ کی قبر جنت البقیع میں موجود اور مشہور ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہؓ تھا۔

(۴) سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراءؓ: آپ ﷺ حضور ﷺ کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ آپ ہی کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ کی نسل آگے بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف حاصل ہوا اور وہ قیامت تک ”سید“ کہلائی جائے گی۔^(۱)

مشہور زمانہ امریکی انسائیکلو پیڈیا ”مائکروسافٹ انکارٹا انسائیکلو پیڈیا“ کے الفاظ ہیں:

Muhammad's (ﷺ) sons all died in infancy, and the only daughter to survive him was Fatima (ؓ), who married Ali (ؓ), the fourth caliph."

(Microsoft Encarta Encyclopedia 2005 © 1993-2004 Microsoft Corporation)

(حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کے تمام فرزند عہدِ طفولیت میں ہی انتقال کر گئے تھے اور صرف ایک صاحبزادی باقی رہیں جن کا نام حضرت فاطمہ (ؓ) تھا، آپ ﷺ چوتھے خلیفہ حضرت علی (ؓ) سے بیاہی گئیں۔^(۲)

^(۱) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۸۹ بحوالہ علامہ جلال الدین، لوا مع التنزیل ج ۳

ص ۴، ۳۔ اسعاف الراغبین بر حاشیہ نوال البصائر شبلنجی ص ۱۱۴

^(۲) مائکروسافٹ انکارٹا انسائیکلو پیڈیا

جناب ابراہیمؑ کے سوا جن کی والدہ کا نام حضرت ماریہ قبطیہؓ تھا، تمام اولاد حضرت خدیجہ طاہرہؓ کے بطن سے تھی۔ تین لڑکیاں، اُم کلثوم، رقیہ اور زینب، حضور ﷺ کی پروردہ تھیں جن کے بارے میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ حضرت خدیجہؓ کی بیٹیاں تھیں اور کچھ کا خیال ہے کہ اُن کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں، اور حقیقت یہی ہے کہ وہ ہالہ ہی کی بیٹیاں تھیں۔

علامہ نجم الحسن کراروی صاحب ”چودہ ستارے“ میں لکھتے ہیں کہ ”مناقب شہر آشوب“ میں ہے کہ جناب خدیجہؓ کے ساتھ جب آنحضرت ﷺ کی شادی ہوئی تو آپ باکرہ (کنواری/دوشیزہ) تھیں۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ قاسمؓ، عبداللہؓ یعنی طیب و طاہر اور فاطمہ زہراؓ بطن خدیجہؓ سے رسول اسلام ﷺ کی اولادیں تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ زینب، رقیہ اور اُم کلثوم آنحضرت ﷺ کی لڑکیاں تھیں یا نہیں۔ یہ مسلم ہے کہ یہ لڑکیاں ظہور اسلام سے قبل کافروں کے ساتھ بیاہی گئی تھیں جن کے نام عتبہ، عنتیہ پسران ابولہب اور ابولعاص ابن ربیع تھے جیسا کہ المواہب اللدنیۃ (ج ۱ ص ۱۹۷ طبع مکتبہ الازہر مصر) اور مروج الذهب مسعودی (ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مصر) سے واضح ہے۔ یہ ماننا نہیں جاسکتا کہ رسول اسلام ﷺ اپنی لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ بیاہ دیتے لہذا یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ یہ عورتیں ہالہ بنت خویلد، ہشیرہ جناب خدیجہؓ کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے باپ کا نام ابوالہند تھا۔ علامہ معتمد بدخشانی نے ”مرجاء الانس“ میں لکھا ہے کہ یہ لڑکیاں زمانہ کفر میں ہالہ اور ابوالہند میں باہمی چپقلش کی وجہ سے جناب خدیجہؓ کے زیر کفالت اور تحت تربیت رہیں اور ہالہ کے انتقال کے بعد مطلقاً انہیں کے ساتھ ہو گئیں اور حضرت خدیجہؓ کی بیٹیاں کہلائیں۔ اس کے بعد جناب خدیجہؓ کے توسط سے آنحضرت ﷺ سے منسلک ہو کر اُسی طرح رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں کہلائیں جس طرح جناب زیدؓ محاورہ عرب کے مطابق آپ ﷺ کے بیٹے کہلاتے تھے۔ میرے نزدیک ان عورتوں کے شوہر دستور عرب کے مطابق داماد رسول کہے

جانے کا حق تو رکھتے ہیں لیکن یہ کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ یہ رسول ﷺ کی صلیبی بیٹیاں تھیں کیونکہ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کا نکاح ۲۵ سال کے سن میں حضرت خدیجہ (ؓ) سے ہوا، تیس سال کی عمر تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور چالیس سال کے سن میں آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا۔ ان لڑکیوں کا مشرکوں سے نکاح آپ ﷺ کی چالیس سال کی عمر سے پہلے ہو چکا تھا اور اس دس سال کے عرصہ میں آپ ﷺ کے فرزند کا اور ان تین لڑکیوں کا پیدا ہونا تحریر کیا گیا ہے جیسا کہ ”مدارج النبوت“ میں تفصیل موجود ہے۔ بھلا غور تو کیجیے کہ دس سال کی عمر میں چار پانچ اولادیں بھی پیدا ہو گئیں اور لڑکیوں کی اتنی عمر بھی ہو گئی کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا۔ کیا یہ عقل و فہم میں آنے والی بات ہے کہ چار سال کی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا؟ حضرت عثمانؓ سے بھی ایک لڑکی کا نکاح حالتِ شرک ہی میں ہوا تھا جیسا کہ ”مدارج النبوت“ میں مذکور ہے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضور ﷺ کی نہ تھیں بلکہ ہالہ ہی کی تھیں اور اس عمر میں تھیں کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہوا۔^①

حضرت قاسمؓ کی ولادت

(۲۵ قبل ہجرت / ۵۹۸ء)

شادی کے تین سال بعد ۲۵ قبل ہجرت میں جب آپ ﷺ کی عمر مبارک اٹھائیس سال تھی، حضرت خدیجہ الکبریٰ (ؓ) کے بطن سے حضرت قاسمؓ کی ولادت ہوئی۔^②

① نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۹۲ بحوالہ: (۱) مدارج النبوت، (۲) سوانح سیدہ عائشہ (ؓ) ص ۳۴،

(۳) مناقب ابن شہر آشوب، (۴) احمد بن محمد قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ)، المواہب اللدنیہ، ج ۱ ص ۱۹۷،

(۵) ابوالحسن بن حسین بن مسعودی (متوفی ۳۴۶ھ) مروج الذهب مسعودی، ج ۲ ص ۲۹۸

② ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظمؐ و آخر ﷺ، ص ۲۱۸

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت (۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل / ۶۰۰ء)

رسول اللہ ﷺ کے وحی، جانشین اور جاں نثار بھائی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت ۱۳ رجب سنہ ۳۰ عام الفیل ۶۰۰ء بروز جمعۃ المبارک خانہ کعبہ میں ہوئی۔ مؤرخین میں آپ کی خانہ کعبہ میں ولادت پر کوئی اختلاف نہیں بلکہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے کوئی خانہ کعبہ میں پیدا نہ ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔^(۱)

تواریخ میں آپ کی ولادت کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد کو جب ولادت کے آثار نظر آئے تو وہ رسول کریم ﷺ کے مشورہ پر خانہ کعبہ کے قریب گئیں اور اُس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں پھر بارگاہِ الہی میں عرض پیرا ہوئیں، ”خدا یا! میں مومنہ ہوں، تجھے ابراہیم (علیہ السلام) بانی خانہ کعبہ اور اس مولود کا واسطہ جو میرے بطن میں ہے، میری مشکل دُور فرما۔“ ابھی دُعا کے جملے ختم نہیں ہوئے تھے کہ دیوار کعبہ شق ہو گئی اور جناب فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو گئیں۔ دیوار کعبہ پھر جوں کی توں ہو گئی۔^(۲)

پس خانہ کعبہ کے اندر علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ آپ دُنیا میں تشریف لائے مگر آنکھیں نہیں کھولیں۔ جناب فاطمہ بنت اسد سمجھیں کہ بچہ بے نور ہے لیکن تیسرے دن سید الانبیاء ﷺ تشریف لائے اور علی علیہ السلام کو آغوش رسالت میں لیا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پہلی نظر جمال رسالت مآب ﷺ پر ڈالی، سلام عرض کیا اور تلاوتِ صحف آسمانی شروع کی۔ نبی کریم ﷺ نے گلے لگایا اور یہ کہہ کر کہ اے علی! جب تم میرے ہوتو میں بھی تمہارا ہوں، اپنی زبانِ اطہر دینِ علی علیہ السلام میں دے دی۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ زبانِ رسالت ﷺ سے دین

^(۱) حاکم، مستدرک، ج ۳ ص ۸۴

^(۲) عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ، ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ ص ۲۳ بحوالہ بخاری و مسلم۔ کتاب مستطاب مجمع الفضائل ترجمہ مناقب علامہ ابن شہر آشوب، مترجم مولانا سید ظفر حسن ج ۱ ص ۴۳

امامت میں بارہ چشمے جاری ہو گئے اور علیؑ علیہ السلام خوب سیراب ہوئے اسی لیے اس دن کو، 'یوم الترویہ' کہتے ہیں کیونکہ 'ترویہ' کے معنی سیرابی کے ہیں۔^(۱)

حضرت علیؑ علیہ السلام خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے۔ آپ پاک و پاکیزہ، طیب و طاہر اور مخنون پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی پیشانی کبھی کسی بُت کے سامنے نہیں جھکی اسی لیے آپ کو کرم اللہ وجہہ بھی کہا جاتا ہے۔^(۲)

آپ علیؑ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام حیدر اور والد نے اسد رکھا۔ خاندان والوں نے زید رکھنا چاہا لیکن حضرت ابوطالب علیہ السلام کی دعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی جس پر مرقوم تھا کہ اس بچے کا نام، نام خدا پر علی رکھو، تاکہ خدا کے نام کی برکت سے اس کی بلندی برقرار رہے اور اس کی بقا سے نام خدا کی بقا وابستہ رہے۔^(۳)

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے والد حضرت ابوطالب علیہ السلام کی آغوش میں پرورش پائی تھی اور حضرت علیؑ علیہ السلام کو آغوش رسول معظم ﷺ میں پروان چڑھنے کا شرف عظیم حاصل ہوا، پس علیؑ علیہ السلام نے اس کا حق یوں ادا کیا کہ اپنے بابا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی طرح اپنی زندگی رسول اللہ ﷺ کے نام وقف کر دی۔ اسلام کی پہلی نماز باجماعت ہو یا دعوتِ ذوالعشرہ، غزوہٗ اُحد و بدر و حنین ہوں یا خیبر کا ناقابلِ تسخیر قلعہ، یا پھر حیاتِ رسولِ مکرم ﷺ کا کوئی بھی اہم اور نازک لمحہ، آپ علیؑ علیہ السلام اپنے رسول، اپنے ہادی، اپنے معلم اور اپنے بھائی کی حفاظت کے لئے ڈھال کی طرح آگے، بہترین معاون کی طرح شانہ بشانہ اور اطاعت کے لیے پیچھے پیچھے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اپنی کتاب السیف الجلی علی منکر و لایۃ علی (علیہ السلام)

(۱) علی بن عیسیٰ الریلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشف الغمۃ، ص ۱۳۲

(۲) نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۱۱۹، ۱۲۰ بحوالہ ابن حجر مکی (متوفی ۷۷۴ھ) الصواعق المحرقة، ص ۷۲، علی بن عیسیٰ الریلی (متوفی ۶۹۴ ہجری)، کشف الغمۃ۔ نُور الابصار، ص ۷۶۔

(۳) علامہ سید ذیشان حیدر جوادی (متوفی ۲۰۰۰ء)، نقوشِ عصمت، ص ۱۱۳

میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب الفہیات الالہیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”اس اُمتِ مرحومہ میں فاتحِ اوّل ولایت کا دروازہ سب سے پہلے کھولنے والے فرد حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام ہیں یعنی حضور ﷺ کی اُمت میں پہلا فرد جو ولایت (سب سے اعلیٰ و اقویٰ طریق) کے بابِ جذب کا فاتح بنا اور جس نے اس مقامِ بلند پر (پہلا) قدم رکھا وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے، اسی وجہ سے روحانیت و ولایت کے مختلف طریقوں کے سلاسل آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، حضرت امیر علیہ السلام کا رازِ ولایت آپ کی اولادِ کرام میں سرایت کر گیا چنانچہ اولیائے اُمت میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طور پر حضرت علی علیہ السلام کے خاندانِ امامت سے (اکتسابِ ولایت کے لئے) وابستہ نہ ہو۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں، ”اس نکتہ کو شاہ اسماعیل دہلوی نے بصراحت یوں لکھا ہے، ”حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے لئے شیخینؑ پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ علیہ السلام کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدانیت اور انہی جیسی باقی خدمات کا ”آپ کے زمانہ سے لے کر دُنیا کے ختم ہونے تک“ آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالمِ ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ اہلِ ولایت کے اکثر سلسلے بھی جنابِ مرتضیٰ علیہ السلام ہی کی طرف منسوب ہیں، پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبے والے ہونگے، حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کا لشکر اس رونق اور برزگی سے دکھائی دے گا کہ اس مقام کا تماشا دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا۔ یہ فیضِ ولایت کہ اُمتِ محمدی ﷺ میں جس کا منبع و سرچشمہ سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام مقرر ہوئے اس میں سیدہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء علیہا السلام اور حضراتِ حسنین کریمین علیہم السلام بھی آپ کے ساتھ شریک کئے گئے ہیں اور پھر اُن کی وساطت سے یہ سلسلہٴ ولایت کبریٰ اور غوثیتِ عظمیٰ اُن بارہ ائمہٴ اہلبیت (علیہم السلام) میں ترتیب سے چلایا گیا جن کے آخری فرد سیدنا امام محمد مہدی علیہ السلام ہیں۔

جس طرح سیدنا مولا علیؑ اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فاتح ولایت کے درجہ پر فائز ہوئے، اُسی طرح سیدنا امام مہدی علیہ السلام اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں خاتم ولایت کے درجہ پر فائز ہونگے۔ اس موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ آپ لکھتے ہیں، ”اور ایک راہ وہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔ اقطاب و اوتاد اور بدلا اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں، اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے، بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے سردار اور اُن کے بزرگوں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب اُن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم مبارک حضرت علیؑ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہؑ اور حضرات حسنین کریمینؑ اس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر علیؑ اپنی جسدی پیدائش سے پہلے اس مقام کے لطا و ماویٰ تھے، جیسا کہ آپ علیؑ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسے بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی ان کے ذریعے سے پہنچی، کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے، اور جب حضرت امیر علیؑ کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کریمینؑ کو سپرد ہوا اور اُن کے بعد وہی منصب آئمہ اثنا عشرہ میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے تفویض ہوا، اور ان بزرگوں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کسی کو فیض اور ہدایت پہنچی ہے انہی بزرگوں کے ذریعے پہنچی ہے، اگرچہ اقطاب و نجباء وقت ہی کیوں نہ ہوں، اور سب کے لطا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔“ حضرت مجدد الف ثانی مزید فرماتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام بھی کار ولایت میں حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوں گے۔^①

① ذاکر محمد طاہر القادری، السیف الجلی علی منکر ولایۃ علیؑ، ص ۱۵، بحوالہ مجدد الف ثانی، مکتوبات، مکتوب ۱۲۳

خانہ کعبہ کی تعمیر نو اور حضور ﷺ کا تدبیر اور انصاف

(۱۸ قبل ہجرت / ۶۰۵ء)

آپ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال تھی جب قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو شروع کر دی۔ آنحضرت ﷺ بھی بنفسِ نفیس اس تعمیر میں شامل ہوئے۔ آپ ﷺ بھی دوسروں کے ہمراہ پتھر لاتے اور محنت و مشقت کرتے۔ جب خانہ کعبہ کی دیواریں حجرِ اَسود کے مقام تک پہنچیں اور اُسکے نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو قبائل میں جھگڑا پیدا ہو گیا حتیٰ کہ جنگ و جدال اور قتل کی دھمکیاں دی جانے لگیں۔ ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ حجرِ اَسود کو اپنی جگہ پر نصب کرنے کی سعادت اُسے نصیب ہو۔ چند دن اسی طرح گزرے پھر باہم صلاح مشورہ ہوا تو ابو امیہ بن مغیرہ نے کہا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے خانہ کعبہ میں آئے اُس کو اپنا حکم بنا لو اور وہ جو فیصلہ کرے اُسے تسلیم کر لو۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اگلے دن سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ حرم میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ محمد (ﷺ) امین ہیں اور ہمیں ان کا فیصلہ قبول ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی متفقہ رائے سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مضبوط چادر لاؤ۔ جب چادر لائی گئی تو آپ ﷺ نے حجرِ اَسود کو اُٹھا کر اُس پر رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ چادر کا ایک کنارہ پکڑ کر اسے اُٹھائے۔ پس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب حجرِ اَسود تنصیب کی جگہ تک لایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے اُٹھا کر اُس کی جگہ پر نصب کر دیا اور پھر باقی تعمیر پایہ تکمیل تک پہنچی۔ اس طرح آپ ﷺ کے تدبیر اور عدل کی وجہ سے جنگ و جدال کا خطرہ ٹل گیا اور امن نصیب ہوا۔^①

① عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۵

غارِ حرا میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت گزاری

روایت ہے کہ جناب سید المرسلین ﷺ نے ۳۸ سال کی عمر میں ”کوہِ حرا“ جسے ”جبلِ نور“ بھی کہتے ہیں، کے ایک غار کو عبادت گزاری کے لیے مخصوص فرمایا۔ آپ ﷺ اُس میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر راحت محسوس کرتے۔ یوں تو دو دو چار چار شب و روز وہاں رہا کرتے لیکن ماہِ رمضان سارے کا سارا وہیں گزارتے تھے۔^(۱)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ستوا اور پانی لے کر مکہ سے کوئی دو میل دُور کوہِ حرا کے ایک غار میں تشریف لے جاتے۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام بھی آپ ﷺ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں۔ آپ ﷺ رمضان کا پورا مہینہ اس غار میں گزارتے، آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور کائنات کے مشاہد اور اس کے پیچھے کارِ فرما قدرتِ نادرہ پر غور فرماتے۔^(۲) ”بخاری“ میں ہے کہ توشہ ختم ہونے پر اپنی اہلیہ محترمہ خدیجہ (علیہا السلام) کے پاس تشریف لاتے اور کچھ توشہ ہمراہ لے کر پھر وہاں جا کر خلوت گزریں ہو جاتے۔^(۳)

غارِ حرا میں رسول اللہ ﷺ کی عبادت گزاری کا زمانہ آپ ﷺ کی عمر مبارک کا وہ دور تھا جس میں عام انسان اپنی ہی ہستی کے مدار میں چکر لگا رہتا ہے۔ اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنے گھر اور اپنے ارد گرد کے ماحول میں مگن رہتا ہے اور دولت و شہرت کے حصول میں گامزن رہتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ ایک عام انسان نہیں تھے بلکہ تمام بنی نوع انسان کے سردار، رہبر و راہنما اور اللہ کے نبی تھے۔ (لفظ ”تھے“ کا استعمال اس لیے کیا گیا ہے کہ بات ماضی کے حوالے

^(۱) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۲

^(۲) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۹۶

^(۳) بخاری، باب وحی، حدیث ۳

سے ہو رہی ہے ورنہ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نبی ”ہیں“ آپ ﷺ اوصاف کی ان بلند یوں پر براجمان تھے کہ اُس مقامِ اعلیٰ تک کوئی اور پہنچ ہی نہیں سکتا، آپ ﷺ اپنی گھریلو اور معاشرتی ذمہ داریوں کو بھی نبھاتے تھے اور عبادتِ الہی اور غور و فکر کے لیے آبادی سے دُور گوشہ تنہائی میں بھی جاتے تھے۔ اُس موقع پر آپ ﷺ کی شریکِ حیات کا آپ ﷺ کے ہمراہ ہونا اور قریب ہی کسی مقام پر موجود رہنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے ”تجرُّد“ وغیرہ قطعی نہیں اختیار کیا تھا بلکہ اپنی عبادت و ریاضت کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کو بھی بھرپور وقت دیتے تھے۔ دوسری طرف اس موقع پر آپ ﷺ کی شریکِ حیات جناب خدیجہ الکبریٰ ؓ کا نہایت عمدہ کردار سامنے آتا ہے یعنی انہوں نے عام بیویوں کی طرح آپ ﷺ کے گھر سے باہر اتنا وقت گزارنے پر نہ صرف یہ کہ کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس معاملے میں آپ ﷺ کی بہترین معاون و مددگار بھی ثابت ہوئیں۔ حضرت خدیجہ کبریٰ ؓ اکثر آپ ﷺ کے ہمراہ جاتی تھیں اور ستواور پانی ختم ہو جانے پر جبلِ نُور سے نیچے تشریف لاتیں اور آپ ﷺ کے لیے اشیائے خورد و نوش لے کر پھر پہاڑ پر جاتیں۔

۱۲ فٹ لمبا اور ۵ فٹ ۱۳ انچ چوڑا غارِ حرامہ سے ۲ میل دُور، سطح سمندر سے ۲۵۰۰ فٹ اور زمینی سطح سے ۸۹۰ فٹ بلند تقریباً ۶۰۰ قدم کی انتہائی دشوار گزار چڑھاٹی پر واقع ہے۔ اس کا نصف قطر (Radius) ۸۶۳ فٹ سے کچھ زیادہ ہے۔^①

جناب خدیجہ طاہرہ ؓ جو مکہ کی سب سے مالدار خاتون تھیں اور جنہوں نے بہت ناز و نعم سے ایک نہایت پُر آسائش زندگی گزاری تھی، اپنے شوہر اور نبی اللہ ﷺ کی محبت میں بایادہ یہ مشکل ترین سفر کرتیں مگر یہ کٹھن سفر ان کی طبعِ نازک پر کبھی گراں نہیں گذرا۔

① ویکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا (Wikipedia, Encyclopedia)

پہلی وحی اور آغازِ بعثت

(۱۲ قبل ہجرت/ ۶۱۰ء)

بعثت کا لفظ عام طور پر رسالت کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی آغازِ بعثت کا مطلب آغازِ رسالت لیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ ازل سے اللہ کے رسول ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ آپ ﷺ کی رسالت کا آغاز، آغازِ بعثت سے نہیں ہوتا کیونکہ آغازِ بعثت سے مراد وہ موقع ہے جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف اعلانِ رسالت کا حکم ہوا۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ کی عمر چالیس سال ایک یوم تھی اور آپ ﷺ غارِ حرا میں مشغول عبادتِ پروردگار تھے کہ آواز آئی ”یا محمد (ﷺ)!“ آپ ﷺ نے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر آواز آئی، آپ ﷺ نے دوبارہ ادھر ادھر دیکھا تو آپ ﷺ کی نظر ایک نورانی مخلوق پر پڑی۔ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا، ”اقْرَأْ“ (پڑھیے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ”مَا اَقْرَأُ“ (کیا پڑھوں؟) انہوں نے عرض کیا ”اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“^① (پڑھیے اپنے رب کا نام لے کر جس نے (آپ ﷺ کو) خلق فرمایا)۔ پھر آپ ﷺ نے سب کچھ پڑھ دیا کیونکہ آپ ﷺ کو علمِ قرآن پہلے سے حاصل تھا۔ جبرائیل علیہ السلام کی اس تحریکِ اقراء کا مقصد یہ تھا کہ نزولِ قرآن کی ابتدا ہو جائے۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے وضو اور نماز کی طرف اشارہ کیا اور نماز کی تعدادِ رکعت کی طرف بھی متوجہ کیا تو آپ ﷺ نے وضو کیا اور نماز ادا فرمائی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے جو نماز ادا فرمائی وہ ظہر کی تھی۔ آپ ﷺ وہاں سے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ الکبریٰ

① سورة العلق، آیت ۱

ﷺ اور حضرت علی علیہ السلام سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ دونوں نے فوراً اظہارِ ایمان کیا اور نمازِ عصر آپ ﷺ کے پیچھے باجماعت ادا کی۔ یہ اسلام کی پہلی نمازِ باجماعت تھی، اس میں رسول اللہ ﷺ امام اور حضرت خدیجہ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام ماموم تھے۔ عقیف کندی نے اپنی روایت میں چشم دید گواہ کی حیثیت سے بیان کیا ہے کہ بعثت کے فوراً بعد میں نے رسول خدا ﷺ کو اس عالم میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پیچھے جناب خدیجہ علیہا السلام اور حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے، اور اُس وقت کوئی اور اسلام نہیں لایا تھا۔^①

اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ابنِ عقیف کندی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں تجارت پیشہ آدمی تھاج کے لیے مکہ آیا تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے پاس کچھ مال خریدنے کے لیے آیا۔ ہم منیٰ میں تھے کہ قریب ہی نصب ایک خیمہ سے ایک عظیم شخصیت برآمد ہوئی۔ انہوں نے وقت کا اندازہ لگانے کے لیے سورج کی طرف دیکھا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر اُس خیمہ سے ایک خاتون نکلیں اور اُن کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہو گئیں، پھر ایک نوخیز نوجوان بھی خیمہ سے نکلا جو بلوغت کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ وہ بھی اُن کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے (اُس عظیم شخصیت سے متعلق) حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ میرے بھتیجے محمد (ﷺ) بن عبد اللہ بن عبدالمطلب ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ کہنے لگے کہ یہ اُن کی زوجہ خدیجہ بنت خویلد (علیہا السلام) ہیں۔ میں نے جو ان کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ محمد (ﷺ) کے چچا زاد بھائی علی (علیہ السلام) ابن ابی طالب ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نماز پڑھ رہے

① علامہ ابن عبد البر قرطبی، استیعاب، ج ۲ ص ۲۵۵۔ علی بن محمد ابن اثیر الجزیری (متوفی ۸۳۸ھ)،

اسد الغابۃ، ج ۲ ص ۴۱۴۔ علامہ ابن جریر طبری، تاریخ کبیر، ج ۲ ص ۴۱۲۔ علامہ ابن کثیر، تاریخ کامل،

ج ۲ ص ۲۰۔ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۲، ۵۳

ہیں، محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ میں نبی ہوں، ابھی تک اس دعویٰ میں اُن کی تصدیق و تائید صرف ان کی زوجہ خدیجہ الکبریٰ (ؓ) اور چچا زاد بھائی (علی علیہ السلام) نے کی ہے۔^①

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ سورۃ العلق سب سے پہلے نازل ہوا البتہ بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہوا جبکہ بعض سورۃ فاتحہ کو پہلا سورۃ کہتے ہیں لیکن یہ روایت کہ جب پہلی دفعہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو حضور ﷺ ڈر گئے اور جا کر لحاف میں چھپ گئے، یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے اور ہمارے عقیدے کی رو سے اس روایت کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

پہلی دفعہ غار حرا میں جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ پر نازل ہوئے تو وہ نظر نہیں آرہے تھے۔ آپ ﷺ عبادت سے فارغ ہو کر جب گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السلام سے ذکر فرمایا اور حضرت خدیجہ علیہا السلام نے جواب دیا کہ آپ ﷺ ادائے امانت، صلہ رحمی اور صدق بیانی میں اپنی نظیر آپ ہیں لہذا یہ اللہ کے فضل و کرم کے آثار ہیں جن کا ظہور ہو رہا ہے۔ پھر حضرت خدیجہ علیہا السلام کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے سامنے جب اس کا تذکرہ ہوا تو اُس نے بھی یہی رائے ظاہر کی۔ جب دوسری دفعہ جبرائیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ سے لے کر ”وَلَا الضَّالِّينَ“ تک پورا سورۃ فاتحہ پڑھا اور حضور ﷺ سے کہا ”اقراء“، یعنی آپ (ﷺ) پڑھیے۔ جب آپ ﷺ وحی لے کر پلٹے اور ورقہ بن نوفل نے قرآن کی آیات سنیں تو فوراً ایمان لایا اور کہنے لگا کہ آپ (ﷺ) یقیناً حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی پیشین گوئی کا نتیجہ ہیں اور شریعت موسوی کی طرح مالک شریعت ہیں۔ اگر میری زندگی باقی رہی تو میں ہر طرح سے آپ (ﷺ) کی نصرت کا فریضہ ادا کروں گا۔ چنانچہ اُس کی موت کے بعد آپ ﷺ نے اُس کو جنت کے باغات میں دیکھا۔^②

① عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا بحوالہ المصطفیٰ ﷺ) ص ۲۰۵

② علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، تفسیر سورۃ العلق، ج ۱۴ ص ۲۳

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کے ساتھ شادی کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پوری چالیس برس ہوئی تو غارِ حرا میں عبادت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غائبانہ آواز سنی اور حضرت خدیجہ علیہا السلام سے اس کا تذکرہ کیا۔ دوسرے دن غارِ حرا میں تشریف لے گئے تو جبرائیل علیہ السلام ایک حسین ترین شکل میں سامنے آئے، اللہ کا سلام اور پیغام پہنچایا کہ آپ جن و انس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں لہذا اُن کو دینِ حق کی تبلیغ فرمائیں اور عقیدہ توحید و نبوت اور ولایت کی دعوت دیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پر مارا تو پانی کا شیریں چشمہ جاری ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس میں سے کچھ پانی پیا اور وضو کیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے سورۃ العلق کی آیات پڑھیں اور واپس چلے گئے۔ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس درخت، پتھر اور کنکر کے پاس سے گذرتے تھے وہ، ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ علیہا السلام سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئیں۔^①

اکثر کتابوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی اس فصل کے بارے میں ایسے ناموزوں مطالب نظر آتے ہیں جو جعلی، وضعی اور گھڑی ہوئی روایات پر مبنی ہیں، مثلاً یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے پہلے واقعہ پر بہت ہی پریشان ہوئے اور ڈر گئے..... اور جب جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! پڑھیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو پڑھاؤا نہیں ہوں۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آغوش میں لے کر دایا اور پھر کہا، ”پڑھیے“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھاؤا نہیں ہوں، وغیرہ وغیرہ۔^② اسی قسم کی روایات کے حوالے سے بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب ”اُمّی“ کے معانی ”اُن پڑھ“ اخذ کرتے ہیں۔

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، تفسیر سورۃ العلق، ج ۱ ص ۱۳۷

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۵۹

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب ”اُمّی“ کی وضاحت

اُمّی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خوبصورت القاب میں سے ایک ہے جسے بعض لوگ اپنی کم علمی، کم فہمی یا کم بخشی کی بنا پر غلط معانی پہناتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اُمّی کا مطلب ”اُن پڑھ“ ہے اور اسی مطلب کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منسوب کرتے ہیں اور استدلال یہ پیش کرتے ہیں کہ جب پہلی وحی آئی اور جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“، یعنی پڑھیے! اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا، یہ مکالمہ ایک مرتبہ نہیں دو یا تین مرتبہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لئے کہا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنا آتا ہی نہیں تھا۔

میں جب اس طرح کی غیر منطقی روایات پڑھتا ہوں تو مجھے سخت تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والے ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم کا شہر ہیں، پھر اچانک وہ بھول جاتے ہیں اور یہ کہنے لگتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اُن پڑھ تھے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اُن پڑھ تھے تو جبرائیل علیہ السلام نے کیوں کہا کہ پڑھیے! کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا نہیں جانتے؟ چلو کوئی بات نہیں وہ بھی تو فرشتے تھے، اللہ کی ایک مخلوق، کمپیوٹر کی طرح پروگرامڈ (Programmed) ایک ایسی مخلوق جسے جو پروگرام خالق کائنات نے دے دیا بس اُسی پر چلتے جانا ہے، بغیر کسی رد و بدل کے، وہ فرشتے تھے معاذ اللہ خدا تو نہیں تھے لہذا جب اللہ جل شانہ نے فرما دیا کہ جا کر میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ دو، تو کہہ دیا۔ توجہ طلب نکتہ اس ساری بحث میں یہ ہے کہ وہ اللہ جو علیم وخبیر ہے، کیا وہ بھی یہ نہیں جانتا تھا (معاذ اللہ) کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھنا نہیں جانتے؟ اور پھر اپنے مقرب فرشتے کے ذریعے، اُن سے جو پڑھنا

نہیں جانتے تھے، یہ کہہ رہا ہے کہ پڑھیے!..... چنانچہ یہ کہہ کر کہ (معاذ اللہ) اللہ واقعی یہ نہیں جانتا تھا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا پڑے گا یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ آپ ﷺ کو ”اَنْ پڑھ“ کہنا سراسر جہالت ہے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے کسی انسان، کسی مکتب یا کسی ادارے سے قطعاً کوئی تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ اللہ کریم نے آپ ﷺ کی تخلیق کے ساتھ ہی آپ ﷺ کو تمام علوم سے سرفراز فرمادیا، یہی وجہ ہے کہ سبھی علوم کے چشمے آپ ﷺ کی ذاتِ باکمال سے ہی پھوٹے ہیں چنانچہ آپ ﷺ خود فرماتے ہیں: ”میں علم کا شہر ہوں.... الخ“^①

شیخ صدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین علیہ السلام ”علل الشرائع“ میں عبد اللہ محمد بن خالد برقی جعفر بن محمد صوفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد تقی علیہ السلام سے سوال کیا کہ نبی ﷺ کو اُمتی کے لقب سے کیوں یاد کیا جاتا ہے؟

آپ نے پوچھا کہ لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے وہ آپ ﷺ کو اُمتی کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ (جو یہ کہتے ہیں) وہ جھوٹے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی کتاب حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:^②

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ^③

(وہی ہے جس نے اُمیوں میں سے ایک رسول اُٹھایا خود انہی میں سے جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو دانائی

① حاکم، المستدرک ۳: ۱۳۴۔ الدیلمی فی فردوس مآثور الخطاب ۳: ۳۳۔ الطبرانی، المعجم الکبیر

② سورة المجعه، آیت ۲

سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے)

سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص خود لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو وہ دوسروں کو کیسے پڑھائے گا؟ اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہتر (۷۲) زبانوں میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

راوی کا کہنا ہے کہ یا شاید آپ نے فرمایا کہ بہتر (۷۳) زبانوں میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ ﷺ کو اُمّی کے لقب سے اس لیے یاد کیا گیا کہ آپ ﷺ مکہ کے باشندے تھے اور مکہ ہی اُمّ القریٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلْيُنْذِرْ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا“^①

(اور تاکہ ڈراؤ تم اہل مکہ کو)

یہی روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی بیان کی گئی ہے۔^②

صَلَّى اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَالْإِبْرَاهِيمَ وَسَلَّمَ

صَلَوَةٌ وَسَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ۝



① سورة انعام، آیت نمبر ۹۲

② شیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرائع، ص ۹۴

ہو اتف، جمادات، نباتات

اور حیوانات وغیرہ کی گواہی

نصر بن سفیان ہذلی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ہم نے شام جاتے ہوئے زرقا و معان کے درمیان قیام کیا، رات کے وقت زمین و آسمان کے بیچ ایک سوار پکار پکار کر کہہ رہا تھا، ”اے سونے والو! اُٹھو یہ سونے کا وقت نہیں، احمد مُرسل (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ) مبعوث ہو چکے ہیں اور شیاطین کو انتہائی دُور دراز بھگادیا گیا ہے۔“ یہ آواز ہم سب نے سنی۔^①

محمد بن کعب سے روایت ہے کہ سواد بن قارب کو اُن کے تابع ایک ”جَنّ“ نے نبی اکرم ﷺ کے ظہور و بعثت کی خبر دی۔ سواد کا بیان ہے کہ اُس نے مجھے سوتے ہوئے پاؤں کی ٹھوکر مار کر جگایا اور کہا، ”اے سواد بن قارب! اُٹھ اگر تجھ میں ذرا بھی شعور ہے تو اُسے کام میں لا اور کہانت کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو جا کیونکہ لوی بن غالب کی اولاد سے ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف بلا تے ہیں اور اُسی کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔“ میں نے اُس کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا اور کہا کہ مجھے سونے دو۔ دوسری رات ہوئی تو پھر ایسا ہوا۔ میں نے کوئی توجہ نہ دی اور اُسے کہا کہ مجھے سونے دو۔ تیسری رات وہ جَنّ پھر آیا اور حسبِ سابق مجھے ٹھوکر مار کر جگایا اور کہا، ”میں نے تجھے بارہا کہا ہے، عقل سے کام لے اور غفلت کے پردوں سے باہر آ، لوی بن غالب کی نسل سے نبی آخر الزمان (ﷺ) مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف اور اُس کی عبادت و اطاعت کی طرف بلا تے ہیں، پس تُو فوراً بنی ہاشم کی طرف جا جو مکہ مکرمہ کے ٹیلوں اور پہاڑوں کے درمیان ہیں۔“ اُس جَنّ کے بار بار متنبہ کرنے پر میرے دل میں اسلام کی محبت و رغبت پیدا ہو گئی اور صبح

① عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا بحوالہ المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۶

ہوتے ہی میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما گئے ہیں۔ میں مدینہ طیبہ پہنچا اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔^①

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ بعثت نبوی کی پہلی خبر ایک جن کے ذریعہ مدینہ طیبہ پہنچی۔ وہ ایک عورت پر عاشق تھا۔ اکثر اُس کے گھر پہنچ جاتا اور برائی کا مرتکب ہوتا۔ ایک دن وہ غائب ہو گیا اور کچھ عرصہ غیر حاضر رہنے کے بعد پھر ظاہر ہوا، لیکن اس مرتبہ اُسکے گھر میں داخل ہونے کی بجائے دیوار پر آ بیٹھا۔ عورت نے اُس کے غائب ہو جانے اور خلاف معمول اس طرح دیوار پر بیٹھنے پر تعجب کا اظہار کیا تو وہ بولا، ”اب وہ ہستی ظہور پذیر ہو چکی ہے جس نے انسانوں کے گھروں میں ہمارا رہنا ممنوع اور بدکاری کو حرام قرار دیا ہے۔“^②

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ روایت یوں منقول ہے کہ بنی النجار کی ایک عورت کے پاس ایک جن آیا کرتا تھا۔ جب سید عرب و عجم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو وہ اُس کے گھر کی دیوار پر آ پڑا۔ عورت نے پوچھا آج پہلے کی طرح نہیں آیا، کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ وہ ذات ظہور فرما چکی ہے جس نے شراب اور بدکاری کو حرام فرما دیا ہے۔^③

مروی ہے کہ خرم بن فالک نے کہا کہ میں اپنے چوپائیوں کی تلاش میں تھا کہ مجھے ابرق غراف کے مقام پر رات آ گئی۔ میں نے بلند آواز سے کہا میں اس وادی کے عزت و عظمت والے جن کی سفہاء اور بیوقوف جنات کے شر سے پناہ لیتا ہوں تو ناگاہ غیب سے ندا آئی، ”اے جوان! اللہ کی پناہ لے جو برتری کا مالک ہے اور انعامات و افضال سے نوازنے والا ہے اور رسول اللہ (ﷺ)“

① عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفابا حوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۷

② عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفابا حوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۹

③ عبد الرحمن ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ)، سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفابا حوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۹

خیرات و فیوض کے مالک ہیں اور نجات کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ نماز اور روزہ کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو بد اعمالیوں اور بد کرداریوں سے سختی کے ساتھ الگ کرتے ہیں۔“^(۱)

عبداللہ عمانی نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک بُت عمان کے ایک قریہ میں نصب تھا اور چند قبل اُس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اُس کے مجاور کا نام مازن تھا۔ ایک رات ہم نے اُس کے قریب قربانی کی تو میں نے بُت کے اندر سے یہ آواز سنی، ”اے مازن! اُس اور خوش ہو جا کہ خیر ظاہر اور غالب ہو گیا اور شر پوشیدہ اور ذلیل ہو گیا۔“ قبیلہ ”مُضَر“ سے ایک نبی مبعوث ہو گئے ہیں جنہوں نے لوگوں کو خدائے برتر کا دین عطا کیا ہے، لہذا اب پتھر سے تراشے ہوئے معبود کو ترک کرتا کہ تُو جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے۔“^(۲)

ابو عمر ہذلی کا بیان ہے کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کے ساتھ ”سواع“ کے پاس قربانیاں لے کر پہنچا۔ میں نے اُس کے لیے ایک گائے کو ذبح کیا تو اُس کے اندر سے یہ آواز آئی، ”نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے جو زنا کو اور بتوں کے لیے ذبح کو حرام قرار دیتے ہیں۔ آسمانوں کو جَنَات (شیاطین) کی آمد و رفت سے محفوظ کر دیا گیا ہے اور انہیں شہب نار یہ سے نشانہ بنایا جاتا ہے۔“^(۳)

مجاہد سے مروی ہے کہ ہمیں ابن عنبس نامی ایک بوڑھے نے بتایا کہ میں اپنی گائے ہانکے ہوئے جا رہا تھا کہ میں نے اُس کے اندر سے آواز سنی ”اے آلِ ذَرِّج! کھلی اور واضح بات ہے کہ ایک ہستی بآوازِ بلند لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پکار رہی ہے،“ ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہو چکی تھی اور آپ ﷺ نبوت کا دعویٰ فرما چکے تھے۔“^(۴)

^(۱) عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء بحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۸۹

^(۲) عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء بحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۹۱

^(۳) عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء بحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۹۲

^(۴) عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء بحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۹۳

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں تھا، ہم ایک طرف کو نکلے جدھر پہاڑ اور درخت تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جس درخت یا پتھر کے پاس سے گذرتے تھے وہ اَلْسَلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کہہ کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتا۔^(۱)

اس روایت کی تائید حضرت جابر بن سمرہ نے بھی کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”مکہ میں ایک پتھر تھا جو مجھے اُن راتوں میں سلام کیا کرتا تھا جب میں مبعوث ہوا، میں اُسے اب بھی پہچانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں مکہ میں جس پتھر کی طرف سے گذرتا (اُس سے) ”اَلْسَلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ“ کی آواز آتی تھی۔^(۲)

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ قاصعہ میں فرمایا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت سے فرمایا کہ اگر تُو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور مجھے اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتا ہے تو باذنِ خدا اپنی جگہ سے چل کر میرے پاس آ جا۔ پس قسم اُس خدا کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث برسات کیا ہے، ایک آواز پیدا ہوئی اور وہ اپنی جگہ سے اُکھڑا۔ اُس کی شاخیں طائر کے پروں کی طرح دونوں طرف پھیل گئیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اُس کی کچھ بلند شاخیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک گئیں اور کچھ میرے شانوں پر۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو زراہِ عمر دی کہنے لگے، ”اسے حکم دیجیے کہ اس کا آدھا حصہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے حکم دیا تو وہ بیچ میں سے دولخت ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا آیا۔ اس پر وہ کہنے لگے۔ ”اسے کہیے کہ اب اپنے بقیہ آدھے حصے سے جا ملے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

^(۱) عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرتِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (الوفاء بحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۱۹

مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۲

^(۲) جامع ترمذی ج ۲ حدیث نمبر ۳۴۰۰

پاکروہ اپنے بقیہ حصے سے جا ملا، مگر وہ کہنے لگے، ”یہ شخص ساحر اور کذاب ہے۔“ (معاذ اللہ) ^①

حضرت ابن عباسؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ (ﷺ) کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک۔ انہوں نے کہا کہ اچھا پھر آپ (ﷺ) اس درخت کو بلا دیجیے۔ آپ ﷺ نے درخت کو بلایا تو وہ آکر آپ ﷺ کے سامنے جھک گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوطالب علیہ السلام بولے، ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ﷺ) خدا کے سچے رسول (ﷺ) ہیں۔“ پھر انہوں نے اپنے بیٹے علی (علیہ السلام) سے کہا، ”اے علی! تم اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔“ ^②

بارواہیتے، مالک بن صفین نے کہا کہ اگر میرا فرش گواہی دے تو ایمان لے آؤں گا۔ ابولبابہ بن عبد اللہ بولا کہ میرا کوڑا گواہی دے تو ایمان لاؤں گا۔ کعب بن اشرف کہنے لگا کہ میرا گدھا گواہی دے تو ایمان لاؤں گا۔ خالق کائنات کے حکم سے فرش نے شہادتین (کلمہ شہادت) کو بیان کیا تو لوگوں نے کہا یہ تو گھلا جادو ہے۔ پس فرش بلند ہوا اور ان سب کو ٹنچ دیا۔ ابولبابہ کے کوڑے نے شہادتین دیں (مگر وہ ایمان نہ لایا تو) اُس کے ہاتھ سے لپٹ گیا، وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ حضور ﷺ نے اُسے نصیحت فرمائی چنانچہ اُس نے خوفزدہ ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ کعب اپنے گدھے پر سوار ہوا تو اُس نے اُسے زمین پر ٹنچ دیا اور کہا کہ تُو بُرا بندہ ہے، معجزات دیکھتا ہے مگر ایمان نہیں لاتا۔ حضور ﷺ نے کعب سے فرمایا کہ تیرا گدھا تجھ سے بہتر ہے، یہ تجھے اپنے اوپر کبھی سوار نہیں ہونے دے گا۔ کعب نے تنگ آکر وہ گدھا ثابت بن قیس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ^③

مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک اعرابی حاضر ہوا۔ اُس کے پاس ایک گوہ تھی۔ کہنے لگا، ”یا محمد (ﷺ)! جب تک یہ گوہ اسلام نہ لائے گی میں ایمان نہیں لاؤں گا۔“

① علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۳۳۸

② علامہ محمد باقر مجلسیؒ (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۳۳۸

③ مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۳۹

آنحضرت ﷺ نے اُس گویہ سے فرمایا، ”بتا تیرا رب کون ہے؟“ اُس نے جواب دیا، ”میرا رب وہ ہے جس کی حکومت و سلطنت زمین و آسمان میں ہے، جس کے عجائب بحر میں ہیں اور جس کے غرائب بر میں ہیں اور جس کو ارحام کے متعلق علم ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”بتا کہ میں کون ہوں؟“ اُس نے کہا، ”آپ (ﷺ) رسولِ خدا ہیں اور قیامت تک تمام لوگوں کی زینت اور اُن کے قائد ہیں، جو آپ (ﷺ) پر ایمان لایا اُس نے فلاح پائی اور صاحبِ سعادت ہوا۔“ اعرابی نے کلمہ شہادتین پڑھا اور بولا، ”میں تو آپ (ﷺ) کا دشمن بن کر آیا تھا لیکن اب دوست بن کر جا رہا ہوں۔“ اُس کا نام سعد بن معاذ سلمیٰ تھا۔ سعد نے اپنے گھر پہنچ کر ساتھیوں کو جمع کیا اور یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ سب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔^①

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے یہودیوں نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو ان پہاڑوں سے اپنی نبوت کی تصدیق کر دیجیے۔ پس آپ ﷺ نے ایک پہاڑ کو حکم دیا تو وہ متحرک ہوا، اُس میں بھونچال آیا، پانی جاری ہوا اور آواز آئی اَشْهَدُ اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ سَيِّدُ الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ۔ آپ ﷺ نے پھر حکم دیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا، نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا اور اوپر کا حصہ نیچے آ گیا۔ پھر فرمایا اے پہاڑ! بحق محمد و آل محمد (ﷺ) کلام کر۔ چنانچہ اُس میں سے ایک گونج سنائی دی۔ یہودی کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے لوگوں کو اس پہاڑ کے اندر چھپا رکھا ہے اور وہی بول رہے ہیں۔ قریش نے رسول اللہ (ﷺ) اور علی (علیہ السلام) کی طرف پتھر پھینکے لیکن پتھروں نے اُنہیں سلام کیا۔ تب اُن میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ضرور زمین کے اندر بھی انسان چھپائے گئے ہیں جو یہ کلام کر رہے ہیں۔ ایسا کہنے والے دس لوگ تھے جن کے سروں پر پتھر برسے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اُن کے قبیلے والے آہ و فغاں کرتے ہوئے آئے اور کہنے

① مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۳۹

لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہمارے عزیزوں کو جادو سے مار ڈالا۔ خدا کے حکم سے اُن مردوں نے کلام کیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) سچے ہیں اور تم جھوٹے ہو۔ ابو جہل کہنے لگا کہ یہ تو بہت بڑا جادو ہے۔^(۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، حضرت اُسمٰئہؓ، حضرت زید بن ارقم اور حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک ہرنی پکڑ رکھی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا تو ہرنی نے آپ ﷺ کے حضور فریاد کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں دو بچوں کی ماں ہوں جو بھوکے ہیں، آپ ﷺ مجھے آزاد کرو دیجیے، میں انہیں دودھ پلا کر لوٹ آؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تُو واپس نہ آئی تو؟ اُس نے کہا کہ خدا میرے اوپر عذاب نازل کرے اگر میں نہ لوٹوں۔ آنحضرت ﷺ نے اُسے اپنی ضمانت پر آزاد کر دیا، پس وہ اپنے بچوں کے پاس پہنچی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ اُس کے بچوں نے کہا کہ ہم دودھ نہیں پیئیں گے جب تک کہ تیرے ضامن رسول اللہ ﷺ (تیرے انتظار کی وجہ سے) پریشانی میں ہیں۔ پس وہ اپنے بچوں کو لے کر حاضر ہوئی اور حضور ﷺ کے قدموں میں گر پڑی۔ اس کے دونوں بچے آنحضرت ﷺ کے پائے مبارک پر سر رگڑنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر یہودی کے آنسو نکل آئے اور وہ اسلام لے آیا۔ کہنے لگا کہ میں نے اس ہرنی کو آزاد کیا۔ نبی اللہ ﷺ نے ہرنی کے گلے میں ایک پٹہ ڈال دیا اور فرمایا کہ تمہارا گوشت شکاریوں پر حرام ہے۔ حضرت زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اُس ہرنی کو دیکھا کہ وہ جنگل میں تسبیح الہی کیا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی، ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“^(۲)

محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ ایک شخص، اپنے باپ کی وصیت کے مطابق رسول خدا ﷺ کے

^(۱) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۹۳

^(۲) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۴۰

لیے ریشمی کپڑوں سے لدے ہوئے سترہ اونٹ اور سترہ حبشی غلام لے کر البطح سے چلا۔ وہ مکہ میں آپ ﷺ کو تلاش کر رہا تھا کہ ابوالختری نے ابو جہل کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ وہ رہے۔ کثیر بن عامر ابو جہل کے قریب آیا تو کہا کہ نہیں! تم وہ نہیں ہو۔ آخر کار وہ حضور ﷺ تک پہنچ گیا۔ اُس نے آپ ﷺ کے دست و پا کو بوسہ دیا اور تمام مال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ ابو جہل اس پر سخت سیخ پا ہوا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ اے آلِ غالب یہ مال کعبہ کا ہے اور اگر تم نے اس معاملہ میں انصاف نہ کیا تو میں اپنے سینے میں تلوار گھونپ لوں گا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنی تلوار بے نیام کر کے مکہ کے اطراف میں پروپیگنڈا کرنے لگا، حتیٰ کہ اُس نے آنحضرت ﷺ سے لڑائی کے لیے بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع کر لیے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بھی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو اکٹھا کیا۔ ابو جہل نے حضرت ابوطالب علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے بھتیجے نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں اور اب عرب کو خون ریزی پر آمادہ کر رہا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فلاں شخص پر جادو کر کے اُس کا مال ہتھیا لیا ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کہنے لگے کہ ٹھہرو! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معلوم کرنے دو۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُن اونٹوں کو پکارا جائے اگر وہ اُسے جواب دیں تو اُس کے، اور اگر مجھے جواب دیں تو میرے اور کل صبح یہ امتحان ہو جائے۔ ابو جہل (یہ شرط مان کر) کعبہ میں آیا اور وہاں پر رکھے ہوئے ہبل نامی بت کے آگے سجدہ ریز ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ اے ہبل! میں چالیس سال سے تیری عبادت کر رہا ہوں اور کبھی تجھ سے کوئی سوال نہیں کیا، تو میری حاجت پوری کر، اونٹ میری پکار پر مجھے جواب دیں تاکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شامت (نقصان پر خوش ہونا) سے بچ جاؤں، تب میں تیرے لیے سفید موتیوں کا قبہ، جواہرات کا تاج، سونے کے ننگن اور چاندی کی جوتیاں بنواؤں گا۔

الغرض صبح ہوئی اور (مقررہ جگہ پر پہنچ کر) اُس نے اُٹوٹوں کو آواز دی تو اُسے کوئی جواب نہ ملا مگر جب رسول اللہ ﷺ نے پکارا تو ہر ناقہ نے سات بار آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دی۔^(۱)

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے کچھ سنگریزے طلب فرمائے۔ علی علیہ السلام نے سنگریزے اٹھا کر پیش کیے تو اُن سے آواز آئی، ”جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا“^(۲) (حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے) پس بُت خانوں کے بُت گر پڑے اور مکہ والے کہنے لگے کہ ہم نے محمد (ﷺ) سے بڑا ساحر کسی کو نہیں پایا (معاذ اللہ)۔^(۳)

مروی ہے کہ مکرز عامری نے نبی خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی معجزہ کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے سات کنکریاں اٹھائیں، وہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں آتے ہی تسبیح کرنے لگیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ انہیں ہاتھ سے رکھتے تو وہ خاموش ہو جاتیں اور اٹھاتے تو پھر تسبیح کرنے لگتیں۔^(۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں کس طرح یقین کروں کہ آپ (ﷺ) نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اس خوشے سے کہوں اور وہ گواہی دے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تب تمہیں یقین آجائے گا؟ پس آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ خوشہ درخت سے ٹوٹ کر آپ ﷺ کے سامنے گر پڑا پھر آپ ﷺ نے اُسے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ تو وہ واپس چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا۔^(۵)

^(۱) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۵۶

^(۲) سورة الاسراء (بنی اسرائیل)، آیت ۸۱

^(۳) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۴۹

^(۴) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۳۸

^(۵) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۳۸

عجوة کھجور

صفار، قطب راوندی اور ابن بابویہ نے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب رسول خدا ﷺ ایک نخلستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں موجود خرے کے تمام درختوں نے کہا اَلْسَلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اور اپنی شاخوں کو جھکاتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں استدعا کی کہ ہمارے خرے تناول فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ہر درخت میں سے خرہ کھایا۔ جب آپ ﷺ خرماے عجوة کے قریب پہنچے تو اس کی شاخوں نے جھک کر آپ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ”خداوند اس میں برکت عطا فرما اور لوگوں کو اس سے نفع دے۔ اسی سبب سے روایت کرتے ہیں کہ عجوة بہشت کا خرما ہے۔“^①

بروایتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر روز صبح کے وقت سات عجوة کھجوریں کھالیا کرے، اُس دن اُسے زہر اور جادو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔^②

عجوة کھجور میں کیلشیم، سلفر، لوہا، پوٹاشیم، فاسفورس، میگنیز، تانبے، B6 اور دیگر وٹامن، فولک ایسڈ، پروٹین، چینی اور قدرتی ریشے پائے جاتے ہیں جو ذہنی اور جسمانی نشوونما کرنے میں بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



① عبد الرحمن ابن جوزی، (متوفی ۵۹۷ھ) سیرت سید الانبیاء ﷺ (الوفاء بحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۱۹۷

مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۲۷

② صحیح بخاری حدیث ۱۹۰۶۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب فضل تمر المدینة

دُعوتِ ذوالعشرہ

(سنہ ۴ بعثت، ۹ قبل ہجرت / ۶۱۴ء)

تحریکِ اسلام کی پہلی منزل ”دُعوتِ ذوالعشرہ“ تھی۔ دعوتِ ذوالعشرہ کا واقعہ سنہ ۴ بعثت کا ہے۔ بعثت یعنی اعلانِ نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین سال تک رازداری کے ساتھ فرضِ نبوت کی انجام دہی فرمائی، پھر حکمِ خدا آیا کہ اب آپ (ﷺ) کھلے عام تبلیغ فرمائیں چنانچہ تبلیغ دین کا باقاعدہ آغاز اسی منزل سے ہوتا ہے۔ تاریخِ ابوالفداء کے ترجمہ میں مولانا کریم الدین حنفی لکھتے ہیں کہ تین برس تک پیغمبر خدا (ﷺ) خفیہ طور پر دعوتِ اسلام کرتے رہے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی ”وَإِذْ عَشِيرَتُكَ الْأَقْرَبِينَ“ ^(۱)، یعنی ڈرا اپنے کنبے والوں کو جو قریب کے رشتہ دار ہیں، تو اُس وقت آنحضرت (ﷺ) نے حکمِ خدا کے مطابق دعوتِ اسلام کا اظہار کرنا شروع کیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ (ﷺ) نے حضرت علی (علیہ السلام) سے ارشاد فرمایا کہ اے علی! کھانے کا ایک پیاناہ تیار کرو اور دودھ کا ایک بڑا برتن بھی لاؤ اور عبدالمطلب کی اولاد کو بلاؤ تاکہ میں اُس سے کلام کروں اور وہ حکمِ سناؤں جس پر باری تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوا ہوں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسبِ حکم کھانے کا ایک پیاناہ تیار کر کے اولادِ عبدالمطلب کو، جو تقریباً چالیس آدمی تھے، مدعو کیا۔ اُن لوگوں میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت ابوطالبؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ بھی تھے۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے وہ پیاناہ تیار شدہ کھانا لا کر حاضر کیا اور سب لوگ کھانی کر سیر ہو گئے۔ حضرت علی (علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ جو

^(۱) سورۃ الشعراء، آیت نمبر ۲۱۴

کھانا اُن سب آدمیوں نے کھایا وہ ایک آدمی کی بھوک کے مطابق تھا۔ اُس وقت حضور (ﷺ) چاہتے تھے کہ کچھ ارشاد فرمائیں لیکن ابولہب فوراً بول اٹھا کہ محمد (ﷺ) نے بڑا جادو کیا۔ یہ سنتے ہی تمام لوگ منتشر ہو کر چلے گئے اور پیغمبر خدا (ﷺ) کچھ بھی نہ کہہ سکے۔ یہ حال دیکھ کر جناب رسالت مآب (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اے علی (علیہ السلام) تم نے دیکھا! اس شخص نے کیسی سبقت کی اور مجھ کو بولنے تک نہیں دیا، اب کل پھر کھانا تیار کرو جیسا کہ آج کیا تھا اور پھر سب کو بلا کر جمع کرو۔ چنانچہ حضرت علی (علیہ السلام) نے دوسرے روز بھی حسبِ حکم وہ کھانا تیار کر کے سب لوگوں کو جمع کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ تم لوگوں کی قسمت بہت اچھی ہے کیونکہ میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے ایسی چیز لایا ہوں جس سے تمہیں دُنیا میں فضیلت اور آخرت میں نیکی حاصل ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت کا حکم دیا ہے، کیا تم میں سے کوئی شخص اس امر کی اقتدا کر کے میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ بننا چاہتا ہے؟ اُس وقت سب موجود تھے، لوگوں کا ایک ہجوم تھا جب حضرت علی (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں آپ (ﷺ) کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا، اُن کی آنکھیں پھوڑوں گا، اُن کے پیٹ چاک کروں گا، اُن کی ٹانگیں کاٹوں گا اور آپ (ﷺ) کا وزیر بنوں گا۔ رسول خدا (ﷺ) نے اُس وقت علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کی گردن پر اپنا دست مبارک رکھ کر (لوگوں سے) فرمایا کہ تمہارے درمیان یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے، اس کی سُنو اور اطاعت قبول کرو۔ یہ سُن کر قوم کے سب لوگ از روئے تمسخر ہنس کر کھڑے ہو گئے اور حضرت ابوطالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی بات سُنو اور اس کی اطاعت کرو، یہ تجھے حکم ہوا ہے۔^①

① نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے ص ۵۴ بحوالہ مولانا کریم الدین خفی، ترجمہ تاریخ

مؤرخ ابوالفداء کی تحریر پر علامہ نجم الحسن کراوی صاحب نے اپنی تصنیف چودہ ستارے میں وضاحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ آیت ”وَإِذْ عَشِيرَتُكَ الْأَقْرَبِينَ“ ^(۱) کے نزول کی تفصیل حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کی بنیاد قائم کرتی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل نے ثابت کر دیا کہ حضرت علی علیہ السلام ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول اور خلیفہ بلا فصل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا اور اس کی تجدید اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں فرماتے رہے یہاں تک کہ غدر خم میں آخری حج کے موقع پر آخری اعلان فرمایا اور واضح کر دیا کہ میرے بعد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہی میرے جانشین اور خلیفہ ہیں۔ مؤرخ ابوالفداء نے اسلام کی اس پہلی اور بنیادی دعوت تبلیغ کی مناسب وضاحت فرمادی ہے اور صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ اسی بنیادی دعوت کے موقع پر بنادیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ان کی بات کا ان دھر کر سنو اور ان کی اطاعت کرو۔

کچھ کم و بیش لفظوں کے ساتھ یہ واقعہ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۷، تاریخ کامل بن اثیر ج ۲ ص ۲۲۱، لباب التأویل ج ۵ ص ۱۰۶، معالم التنزیل بر حاشیہ خازن ج ۲ ص ۱۰۵، خصائص نسائی ص ۱۳، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۶۰، کنز العمال ج ۶ ص ۳۹۷، سیرۃ ابن اسحاق، تفسیر ابن حاتم، دلائل بیہقی، مناقب امام احمد مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ، تاریخ خمیس، تفسیر ابن مردویہ، تفسیر سراج منیر، تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی، حلیۃ الاولیاء، ذخیرۃ المآل عجلی، مختارۃ ضیاء مقدسی، تہذیب الآثار طبری، اکتفاء عاصمی، روضة الصفا، حبیب السیر، معارج النبوة،

^(۱) سورة الشعراء، آیت نمبر ۲۱۴

مدارج النبوة، ازالة الخفاء، تاریخ اسلام عبدالحکیم نشترو ج ۱ ص ۴۴ وغیرہ میں موجود ہے اور ان اسلامی کتب کے علاوہ اس کا تذکرہ اہل فرنگ کی تصانیف میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو پالوجی جان ڈیون پورٹ ص ۵، کارلائل ص ۶۱، خلفاء محمد ﷺ، آیرونگ ص ۳، تاریخ گبٹن ج ۳ ص ۴۹۹، اوکلی ص ۱۵۔^①

کوئی سیاسی مہم ہو، سماجی معاملہ یا تبلیغ دین، عموماً مہم چلانے والا لوگوں کے دروازوں تک جاتا ہے اور جا کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے موقع پر اُس کی حیثیت سائل کی سی ہوتی ہے۔ اسلام کی پہلی اور اہم ترین دعوت، دعوت ذوالعشیرہ میں نبی گرامی ﷺ کا انداز تبلیغ بالکل مختلف ہے، آپ ﷺ کسی کے ہاں سوالی بن کر نہیں جا رہے بلکہ اپنے دولت کدہ پر قریش کے سرکردہ افراد کو مدعو کر رہے ہیں اور نہایت باوقار طریقے سے فرما رہے ہیں کہ تم لوگوں کی قسمت اچھی ہے کیونکہ میں اللہ کی طرف سے ایسی چیز لایا ہوں جس سے تمہیں فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، میں تمہارے لیے دُنیا اور آخرت میں اچھائی لے کر آیا ہوں اور خدا تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے۔ آپ ﷺ قریش کے منفی رویے کے باوجود دوبارہ اور سہ بارہ انہیں بلاتے ہیں، کھانے سے تواضع فرماتے ہیں اور دین اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ ﷺ اُن کے رویے سے دلبرداشتہ ہوتے ہیں نہ اپنا فریضہ تبلیغ ترک کرتے ہیں۔ قریش کے مغرور، متکبر اور گستاخ سرداروں کے سامنے آپ ﷺ کا ثبات قدم رہنا اور اکیلے ڈٹے رہنا آپ ﷺ کے عزم صمیم اور قوت برداشت کی ایک شاندار مثال ہے۔ اُس وقت آپ ﷺ کی پشت پر صرف تین ہستیاں موجود تھیں، بیکر و فاشریک حیات حضرت خدیجہ علیہا السلام، ضعیف مگر شفیق چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام اور نو عمر بھائی حضرت علی علیہ السلام جن کو آپ ﷺ نے اپنا جانشین، وصی اور خلیفہ

① نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے ص ۵۵

قرار دیا۔ یہ کوئی اقربا پروری نہیں تھی بلکہ خالصتاً ”اہلیت“ کی بنیاد پر کیا گیا فیصلہ تھا جسے حضرت علی علیہ السلام نے ابتدا سے لیکر تاحیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کیا۔ اس دعوت کے موقع پر اگر علی علیہ السلام کے کردار کا بغور جائزہ لیا جائے تو چند نہایت اہم اور دلچسپ پہلو نظر آتے ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں نے قریش کو مدعو کیا ہے لہذا ایک پیانہ کھانے کا اور ایک پیالہ دودھ کا تیار کرو۔ علی علیہ السلام اتنے قلیل کھانے کے حکم پر متعجب ہوتے ہیں نہ ہی سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مہمانوں کی کثیر تعداد کے لیے اتنا قلیل کھانا کیسے پورا آئے گا؟ دراصل علی علیہ السلام اتنی کم عمری میں بھی یقین کامل کی اُن بلند یوں پر سرفراز ہیں کہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلا توقف تعمیل فرماتے ہیں۔ دوسری طرف تاریخ اسلام گواہ ہے کہ لوگوں نے اسلام قبول کر لینے کے باوجود آنے والے کئی اہم مواقع پر نہ صرف فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شک کا اظہار کیا بلکہ حکم عدولی بھی کی اور اس کے باوجود خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اصحاب اور جانشین قرار دیتے رہے۔

اس دعوت میں حضرت علی علیہ السلام کے کردار کا دوسرا اہم اور دلچسپ پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ انتہائی کم عمری میں قریش کے سوراؤں کے سامنے کھڑے ہو کر بے خوف و خطر کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی آنکھیں پھوڑوں گا، اُن کی ٹانگیں کاٹوں گا، نیزہ ماروں گا، پیٹ چاک کروں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر بنوں گا۔ چنانچہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اپنا وصی، جانشین اور وزیر قرار دیتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



قریش کا ظلم و ستم

دُعوتِ ذوالعشرہ میں حضور ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد قریش، آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ اُن کے آبائی دین کے مقابلے میں کوئی نیا دین آجائے، انہیں اُن کے مذہب سے منحرف کیا جائے اور اُن کے خود ساختہ ”خداؤں“ کے مقابلے میں ایک اُن دیکھے خدائے واحد کو ”خدا“ تسلیم کیا جائے۔

ابتداء میں انہوں نے حضور ﷺ کو اس نئے دین کی تبلیغ سے روکنے کے لیے عام حربے استعمال کیے پھر لالچ دینے کی کوشش کی مگر آپ ﷺ کے عزم و استقلال کے آگے جب ایک نہ چلی تو آپ ﷺ کو سختی سے روکنے لگے۔ جوں جوں آپ ﷺ تبلیغ حق کے لیے قدم بڑھاتے رہے تو ان کی سختیوں اور ظلم و ستم میں اضافہ ہوتا رہا اور آخر کار وہ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے۔

آپ ﷺ کے بدترین دشمنوں میں ابولہب، ابوسفیان اور ابو جہل نمایاں تھے۔ انہوں نے بہت سے کافروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے کے نئے طریقے اختیار کرنے لگے۔ وہ آپ ﷺ پر گندگی ڈالتے اور ساحر و مجنوں کہہ کر ستاتے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی جان لینے کا ارادہ بھی کیا لیکن اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ابن عمرو بن عاص کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اُس نے اپنی چادر کو بل دے کر رُسے کی طرح بنایا اور جب آپ ﷺ سجدہ میں گئے تو وہ رُسہ نما چادر آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر بل دینے لگا۔ گلوئے مبارک دب گیا تاہم آپ ﷺ اطمینانِ قلب کے ساتھ سجدہ ریز رہے۔^①

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریش بھی صحنِ کعبہ میں موجود تھے۔ ابو جہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج شہر میں ایک اُونٹ ذبح ہوا ہے اور وہیں

① قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ، ج ۱ ص ۸۳

پُر اُس کی اوجھڑی بھی پڑی ہوئی ہے، کوئی جا کر اُسے اٹھالائے اور محمد (ﷺ) کے اوپر ڈال دے۔ شقی القلب عقبہ وہ نجاست بھری اوجھڑی یا بروایت ”مشیمہ“ یعنی غلیظ آنول اٹھالایا۔ جب نبی پاک ﷺ سجدہ میں گئے تو اُس نے وہ اوجھڑی یا آنول آپ ﷺ کی پشت اطہر پر ڈال دی۔ اس پر سب ملعون میل کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ رسول ﷺ کے ایک صحابی حضرت ابن مسعودؓ بھی وہاں موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کر انہیں تو جرات نہ ہوئی مگر بنت رسول سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کو خبر ہوئی تو آپ خانہ کعبہ میں تشریف لائیں، والد محترم کی پشت اطہر سے اُس اوجھڑی کو ہٹا کر دُر پھینکا اور اُن سنگ دلوں کو سخت سُست کہا۔^(۱)

بعض اوقات وہ عالم حضور ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، دروازے پر خون چھینک جاتے، بدن اطہر پر پتھر برساتے اور سر انور پر کُوڑا کرکٹ ڈال دیتے۔ عظمتِ کردارِ مصطفیٰ ﷺ ملاحظہ ہو کہ آپ ﷺ اُن کو گالی دیتے نہ بددعا کرتے بلکہ صرف اتنا فرماتے کہ اے فرزندِ عبد مناف! تم حق ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔

قریش مکہ نے جو رستم کی ایسی انفرادی کوششوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ منظم ہو کر ایذا رسانی کی کمیٹیاں بنالیں۔ ایک کمیٹی کا سربراہ ابولہب تھا اور مکہ کے پچیس سردار اُس کے ممبر تھے۔ اُس کمیٹی کا ایک مقصد یہ تھا کہ باہر سے آنے والوں کو منفی پروپیگنڈہ کے ذریعے حضور ﷺ سے بدظن کیا جائے تاکہ وہ لوگ آپ ﷺ کے پیغامِ حق سے متاثر نہ ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں کسی نے رائے دی کہ آپ (ﷺ) کے بارے میں یہ عام کیا جائے کہ آپ (ﷺ) کا ہن ہیں، ایک نے کہا کہ دیوانہ مشہور کر دیا جائے، کوئی بولا کہ شاعر کہا جائے، کسی نے مشورہ دیا کہ جادوگر بتایا جائے، وغیرہ وغیرہ (نغوذ باللہ)۔^(۲)

^(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ لِلْعَالَمِينَ ﷺ، ج ۱ ص ۸۴۔

صحیح بخاری حدیث نمبر ۵۲۰، سنن نسائی حدیث نمبر ۳۰۸، صحیح مسلم حدیث نمبر ۶۲۹۔

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ لِلْعَالَمِينَ ﷺ، ج ۱ ص ۸۴۔

ہجرت حبشہ

(رجب ۷ قبل ہجرت / اپریل ۶۱۵ء)

رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کے نتیجے میں کئی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مظلوم اور معاشرتی استحصال کا شکار طبقہ خاص طور پر اس دینِ رحمت کی طرف راغب تھا۔ تحریک اسلام کی یہ کامیابی مشرکین مکہ کے لیے بہت تشویشناک تھی، وہ اس تحریک کو ہر قیمت پر ناکام بنانا چاہتے تھے، اپنے اجداد کے دین کے مقابلے میں کوئی دوسرا مذہب انہیں کسی صورت قبول نہیں تھا اس لیے وہ نو مسلموں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے لگے۔

اُس دور میں قبیلے کا سردار اگر کسی کو اپنی جماعت میں شامل کر لیتا یا اپنی پناہ میں لے لیتا تو چاہے وہ دشمن ہی کیوں نہ ہوتا، اُس پر ہاتھ ڈالنا اُس قبیلے کی غیرت و حمیت کو لاکارنا اور دعوتِ مبارزت دینے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ یہ رہبر انقلابِ حق پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ کا سیاسی تدبیر اور عدم تشدد کی حکمت عملی تھی کہ مسلمانوں کو اپنی انقلابی سرگرمیوں کے باوجود مختلف خانوادوں اور قبیلوں کی پناہ و حمایت حاصل ہو جاتی تھی اور اس طرح وہ دشمنوں کے مسلح حملوں سے محفوظ رہتے تھے۔

جب مشرکین مکہ کی گستاخیاں، دشمنیاں اور چہرہ دستیایاں عروج پر پہنچ گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ اہل ایمان کا یہاں زندگی گزارنا دشوار ہو گیا ہے تو مشیتِ ایزدی کے ایما پر بصیرتِ نبوت کا فیصلہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو مکہ سے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی جائے۔

حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک رحمدل انسان تھا اور اُس کا ملک امن و آشتی کا گہوارہ تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا، ”اگر تم سرزمینِ حبشہ کو نکل جاؤ تو بہتر ہے یہاں تک کہ جس تنگیِ حیات میں تم ہو اُس میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے فراخی پیدا کر دے، وہ سرزمینِ صدق ہے

اور وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔^(۱)

پس، سنہ ۵ ہجرت میں ۱۰۰ مرد و زن ہجرت کر کے حبشہ پہنچے۔^(۲) پہلی جماعت ماہِ رجب میں گئی جس میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں خفیہ طور پر روانہ ہوئے۔ بعض لوگ اپنے اہل خانہ کے ساتھ تھے اور کچھ بغیر اہل و عیال کے۔^(۳) یہ مہاجرین شعبیہ (موجودہ جدہ) تک پیدل گئے پھر وہاں سے بذریعہ بحری جہاز حبشہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے پیچھا کیا لیکن اُن کے بندرگاہ پر پہنچنے سے پہلے ہی جہاز کھلے سمندر میں جا چکا تھا۔^(۴)

اس جماعت میں مندرجہ ذیل افراد شامل تھے:

(۱) حضرت عثمان بن مظعون (۲) حضرت عثمان بن عفان (۳) حضرت عثمان بن عفان کی زوجہ حضرت رقیہ (۴) حضرت عبدالرحمن بن عوف (۵) حضرت مصعب بن عمیر (۶) حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ (۷) حضرت ابو حذیفہ کی زوجہ حضرت سہلہ بنت سہیل (۸) حضرت زبیر بن عوام (۹) حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی (۱۰) حضرت ابوسلمہ کی زوجہ حضرت اُمّ سلمیٰ (۱۱) حضرت عامر بن ربیعہ (۱۲) حضرت عامر کی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ (۱۳) حضرت ابوسبرہ بن ابی اہم یا حضرت ابوحاطب بن عمرہ (۱۴) حضرت سہیل بن بیضا اور (۱۵) حضرت عبداللہ بن مسعود۔ (ﷺ)^(۵)

دوسری جماعت جو ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل تھی قریش کی نظروں سے بچ کر کشتیوں کے

^(۱) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۳

^(۲) علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۲ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۲

^(۴) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخراہم ﷺ ص ۳۰۸

^(۵) ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۲۲۳

ذریعے حبشہ پہنچی۔ اس جماعت میں پیغمبر اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیار بن ابوطالب (ؓ) بھی تھے ^(۱) اور وہ اُن میں سربراہِ قافلہ یا امیرِ جماعت کی حیثیت رکھتے تھے۔ ^(۲) حبشہ کا موجودہ نام ایثیوپیا ہے۔ اُس وقت وہاں کا بادشاہ نجاشی تھا۔ نجاشی کا اصل نام بروایت کمحول یا اصمہ بن بحری تھا۔ ^(۳) ”مدارج النبوت“ میں اُس کا نام اصمہ لکھا ہے۔ ^(۴) اُس کے والد کا نام ابجر اور ابجر بھی مختلف کتابوں میں نظر آیا ہے۔ یہ سب کتابت کی غلطیاں معلوم ہوتی ہیں، میرے نزدیک صحیح نام ”اصمہ بن ابجر“ ہے۔ ^(۵) وہ نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ اُس نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا اور خوب آؤ بھگت کی۔

کفار کو مسلمانوں کے حبشہ میں امن و چین سے رہنے پر بہت تشویش لاحق تھی چنانچہ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اُنہوں نے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ مسلمانوں کو واپس لانے کے لئے نجاشی کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے عبداللہ بن عمر اور عمرو بن عاص کو قیمتی تحائف دے کر ایک جماعت کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا۔ عمرو بن عاص اور اُس کے ساتھیوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر اُسے سجدہ کیا، تحفے پیش کیے اور خوشامد کر کے عرضِ مدعا کیا کہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دیا جائے۔ بروایت اُنہوں نے پہلے درباریوں اور پھر اُن کی وساطت سے نجاشی کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں نے ایک ایسا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور اُن کے آبائی دین یعنی بُت پرستی، دونوں کے خلاف ہے۔

^(۱) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم وآخراً ﷺ، ص ۳۰۹

^(۲) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶

^(۳) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۹۴۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۲

^(۵) ویکیپیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔ (Wikipedia Encyclopedia)

مسلمان چونکہ اُن کے ملک کے باشندے ہیں اور مرتد ہو گئے ہیں اس لیے اُنھیں اُن کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ اُن کو اسیر بنا کر واپس اپنے ملک مکہ لے جائیں۔ نجاشی ایک صاحبِ دل اور عادل حکمران تھا۔ اُس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ جس قوم نے ہمارے ملک میں پناہ لی ہو ہم اُسے اُس کے دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد اُس نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تاکہ اُن کا موقف بھی معلوم ہو۔ چنانچہ مسلمان مہاجرین دربار میں پہنچے اور بادشاہ کو سلام کیا۔ نجاشی کے مصاحبوں نے پوچھا کہ تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب ؓ نے جو مہاجرین حبشہ کے سردار تھے، کہا کہ ہم غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے، پھر انہوں نے اپنے دین اور اسلامی احکام کی خوب عمدہ طریقہ سے ترجمانی کی۔ انہوں نے کہا، ”اے بادشاہ! ہماری قوم کی یہ حالت تھی کہ ہم سب جاہل تھے، بتوں کی پرستش کرتے، مُردار کھاتے، بُرے کام کرتے، رشتے ناتے توڑ دیتے، پڑوسیوں سے بُرا سلوک کرتے اور ہم میں سے جو طاقتور ہوتا وہ کمزور کو برباد کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک شخص کو ہماری جانب رحمت بنا کر بھیجا، جس کے نسب، سچائی، ایماننداری اور پاکدامنی سے ہم واقف تھے۔ اُس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی کہ ہم اُسے ”اَحَد“ مانیں، فقط اُسی کی عبادت کریں اور پتھروں اور بتوں کی پرستش ترک کر دیں۔ اُس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے اور ہمسایوں سے حُسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا اور حرام کاری، قتل و خونریزی، برائی کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اُس نے ہمیں حکم دیا کہ فقط اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اُس نے ہمیں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔“

حضرت جعفر طیار ؓ نے نجاشی کے سامنے اسلام کے جملہ احکام بڑی خوبی سے بیان کیے اور کہا کہ ہم نے اُس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اُس پر ایمان لائے مگر ہماری قوم نے اس وجہ

سے ہم پر ظلم و تشدد کیا، اذیتیں دیں اور ہمیں مجبور کیا کہ ہم پھر بت پرستی کی طرف لوٹ جائیں۔ جب ہم پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تو ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی، اُمید ہے کہ آپ ہم پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔“

حضرت جعفر طیار ؓ کی یہ گفتگو سن کر نجاشی نے کہا کہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کلام نازل ہوا ہے اُس میں سے کچھ سناؤ۔ انہوں نے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور اُسکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ وہاں موجود پادری بھی آبدیدہ ہو گئے اور یک زبان ہو کر کہنے لگے، ”خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوا دونوں ایک ہی مشکوٰۃ (چراغ دان/ فانوس) سے نکلے ہیں۔“ نجاشی نے کہا، ”بے شک یہ چیز (قرآن مجید) اور وہ چیز جو عیسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے (انجیل) دونوں ایک ہی چراغ کا نور ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی مقدس ہستی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے دی اور فرمایا کہ اُن کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائیں گے۔“ پھر نجاشی نے قریش کے سفیروں سے کہا، ”میں یہ مظلوم تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔“ دوسرے دن عمرو بن عاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی اور درباریوں کو مشتعل کرنے کی خاطر کہا کہ اے بادشاہ! حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ معلوم کیجیے پھر فیصلہ دیجیے۔

نجاشی نے مسلمانوں سے دریافت کیا تو حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے جواب دیا، ”قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے بندے، اُس کے رسول اور اُس کی رُوح ہیں۔“ نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا، ”واللہ، جو کچھ تم نے کہا، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اس سے سرفراز زیادہ نہیں ہیں۔“ پھر اُس نے قریش کے دونوں سفیروں کو اُن کے تحائف واپس

کر دیے اور انہیں ذلیل و رسوا کر کے دربار سے نکال دیا۔^①

بقولے کچھ عرصہ بعد ایک جھوٹی خبر پھیلی کہ حضور ﷺ اور مشرکوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔ یہ خبر حبشہ پہنچی تو مسلمان مہاجرین نے فوراً مسرت سے اس کی تصدیق بھی ضروری نہ سمجھی اور ان میں سے بیشتر واپس مکہ کی طرف چل پڑے۔ وہ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ صلح کی خبر نامعتبر اور جھوٹی ہے اور کفار بدستور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سرگرم ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ چھپتے چھپاتے مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے اعزہ و اقارب کی حمایت و پناہ میں چلے گئے اور باقی پھر حبشہ لوٹ گئے۔^②

تحریک اسلام کے حبشہ تک پہنچ جانے اور وہاں اپنی سفارت کے ناکام ہو جانے کا قریش کو سخت غم و غصہ تھا، ان کا ظلم و ستم زور پکڑ گیا اور انہوں نے مسلمانان مکہ کا جینا محال کر دیا، لہذا مزید ایک سو بارہ افراد جن میں اٹھارہ عورتیں بھی شامل تھیں حبشہ کوچ کر گئے۔^③

پیغمبر اعظم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے تو مہاجرین حبشہ بھی آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے تھے، کچھ مسلمان جن میں حضرت جعفر طیارؓ بھی شامل تھے، بعض وجوہ کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے، آپ ﷺ نے سنہ ۷ ہجری میں (فتح خیبر کے بعد) انہیں بھی اپنے پاس بلا لیا۔^④ اُس موقع پر جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا، میں حیران ہوں کہ دو خوشیوں میں سے کس کو بڑی سمجھوں، فتح خیبر کی خوشی کو یا جعفر طیار کی واپسی کی خوشی کو۔^⑤

① ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۳۱۱۔ ابن ہشام، ۱: ۵۶۱، ۳۶۳۔ احمد بن حنبل،

مسند، ۱: ۲۰۲۔ ابن سعد، طبقات، ۱: ۲۰۶ تا ۲۰۸۔ حاکم مستدرک، ۲: ۳۱۰۔ کتاب التفسیر

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۲

③ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات، ۱: ۲۰۷

④ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات، ۱: ۲۰۸

⑤ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے ص ۵۶

دارالارقم

(سنہ ۶ بعثت)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب مسلمان حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تو بھی رسول اللہ ﷺ برابر تبلیغ دین فرماتے رہے اور لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ یہ دیکھ کر کفار نے آنحضرت ﷺ کو مزید پریشان کرنا شروع کر دیا۔ ناچار آپ ﷺ اپنے اصحاب کو ساتھ لے کر کوہ صفا کے اُپر واقع ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن اسد کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ آپ ﷺ اس مکان میں ایک ماہ تک رہے اور وہاں بھی لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ یہ واقعہ سنہ ۶ بعثت کا ہے۔^(۱)

رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں منتقل ہو جانے سے آپ ﷺ کے تدبر اور اعلیٰ حکمتِ عملی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جہاں دشمن پورے شد و مد کے ساتھ یلغار کر رہا ہو اور آپ کے پاس مقابلہ کی قوت یعنی وسائل نہ ہوں تو وہاں سے وقتی طور پر ہٹ جانا ہی دانش مندی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



^(۱) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶ بحوالہ ذاکر حسین، تاریخ اسلام ج ۲ ص ۵۲۔

ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، سیرت ابن ہشام

معاشرتی مقاطعہ

(محرم ۷ قبل ہجرت / ستمبر ۶۱۵ء)

نور اسلام کو شب و روز پھیلتا دیکھ کر کفارِ قریش سخت مضطرب تھے۔ اُن کی چہرہ دستیاں زور پکڑ گئیں اور عداوتیں عروج پر پہنچ گئیں۔ بروایت ابنِ ہشام وابنِ اشیر وطبری، ابو جہل بن ہشام، شیبہ، عتبہ بن ربیعہ، نصر بن حارث، عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ ایک گروہ کے ساتھ رسولِ خدا ﷺ کے قتل پر کمر بستہ ہو کر حضرت ابوطالب کے پاس آئے۔ اُنہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ محمد (ﷺ) نے ایک نئے دین کا اختراع کیا ہے اور وہ ہمارے خداؤں کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے ہیں لہذا اُنہیں ہمارے حوالے کر دوتا کہ ہم اُنہیں قتل کر دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اُس وقت اُنہیں ٹال دیا اور وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا مشن بلا توقف جاری رکھا یہاں تک کہ وہ پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور حضور ﷺ کے قتل پر مُصر ہوئے۔ حضرت ابوطالب نے حضور ﷺ کو قریش کے ارادوں سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان! میں جو کہتا ہوں وہ کہتا ہی رہوں گا، میں کسی دھمکی سے مرعوب نہیں ہو سکتا اور نہ کسی لالچ میں ہی آ سکتا ہوں، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تو بھی میں حکمِ خدا کی تعمیل سے نہیں رکوں گا۔ میں جو کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں اور وہی میرا محافظ ہے۔ حضرت ابوطالب نے جواباً کہا، ”آپ (ﷺ) اپنا کام جاری رکھیں، ربِ کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی آپ (ﷺ) کو پابند کر سکے گا نہ آپ (ﷺ) کا ہاتھ روک سکے گا۔“^①

اس ضمن میں حضرت ابوطالب نے ایک شعر کہا جس کا ترجمہ یہ ہے:

”خدا کی قسم! کبھی بھی آپ (ﷺ) کی طرف کوئی (میلی آنکھ سے) نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔ آپ (ﷺ) اپنے دین کو علی الاعلان پھیلائیے، کوئی اندیشہ نہ

① علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ ابنِ ہشام وابنِ اشیر وطبری

کیجیے، خوش رہیے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیے۔^(۱)

ابن کثیر اور ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ کفار کچھ عرصہ بعد پھر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو (قتل کے لئے) اور اُن کے بدلے میں بنی مخزوم کا ایک جوان ہم سے لے لو۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ تم کیسی بعید از عقل باتیں کرتے ہو؟ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تم میرے بیٹے کو قتل کر دو اور میں اُس کے بدلے میں تمہارے لڑکے کو لے کر اُس کی پرورش کروں؟ یہ سن کر اُن کی آتش غضب خوب بھڑک اُٹھی۔ حضرت ابوطالب نے اُنہیں آگاہ کیا کہ کعبہ و حرم کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاؤں میں تمہارا کانا بھی چھتا تو میں تم سب کو ہلاک کر دوں گا۔ حضرت ابوطالب کے الفاظ نے جلتی پرتیل کا کام کیا اور اُن کے دلوں میں لگی آگ کو ایسا بھڑکایا کہ وہ پوری قوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر تیار ہو گئے۔ حضرت ابوطالب نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان عزیز کو غیر محفوظ پایا تو فوراً اپنے حامیوں کو لے کر، جن کی تعداد بروایت حیات القلوب چالیس تھی، یکم محرم سنہ ۷ بعثت کو ”شعب ابی طالب“ کے اندر محصور ہو گئے۔^(۲) (واضح رہے کہ شعب ابی طالب میں حضرت ابوطالب کا محصور ہونا کوئی بزدلی نہیں تھی بلکہ یہ ایک جنگی حکمت عملی تھی جس کے تحت عموماً قلعے میں یا کسی محفوظ مقام میں محصور ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جاتا ہے)۔ کفار قریش نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اس عمل پر ایک عہد نامہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ اُس عہد نامہ میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے مکمل مقاطعہ کا عہد تھا اور لکھا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ شادی بیاہ، خرید و فروخت، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ گفت و شنید بھی نہیں کرے گا اور مکمل بائیکاٹ رکھے گا۔ انہوں نے بازار والوں سے بھی عہد لیا کہ کوئی چیز شعب ابی طالب کے محصورین کے ہاتھ فروخت

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، جلد ۲ ص ۶۹

^(۲) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ حیات القلوب، تاریخ

طبری، تاریخ کامل اور روضۃ الاحباب

نہ کی جائے۔ اگر حج کے زمانہ میں گرد و نواح سے آنے والے تاجر اُن کے ہاتھ کچھ فروخت کرنے کی کوشش کرتے تو وہ اُنہیں بھی روکتے اور وہ سامان زیادہ قیمت دے کر خود خرید لیا کرتے۔ طبری میں ہے کہ اس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن ہاشم نے لکھا تھا۔ عہد نامہ لکھنے کے بعد حکم الہی اُس کا ہاتھ شل ہو گیا۔^①

مؤرخین لکھتے ہیں کہ دشمنوں نے شعب ابی طالب کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے اہل شعب کو نظر بند کر دیا۔ اس قید کی وجہ سے محصورین، جن میں بچے بھی تھے بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ جسمانی اور روحانی اذیت کے علاوہ خوراک کی تنگی نے اُنہیں موت کے دہانے پر پہنچا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اہل ایمان درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔

روایت ہے کہ جب درّے میں محصور بچے بھوک سے بے چین ہو کر روتے تو پڑوسیوں کی نیندیں حرام ہو جاتیں۔ احباب و اقارب چوری چھپے اشیاء خورد و نوش پہنچانے کی کوشش کرتے مگر قریش اُنہیں سخت سزائیں دیتے۔ رسول اللہ ﷺ پر اس دوران براہِ وحی نازل ہوتی رہی اور آپ ﷺ کا رسالت بھی انجام دیتے رہے۔ اسی حالت میں تین سال گزر گئے۔ تین سال کے بعد ہشام بن عمر بن حرث کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ تو سراسر زیادتی ہے کہ ہم اور ہمارے بچے تو خوب عیش و آرام سے رہ رہے ہیں مگر بنی ہاشم اور اُن کے بچے فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ پس اُس نے چند لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر قریش کے اجتماع میں یہ سوال اُٹھایا۔ ابو لہب اور اُس کی بیوی اُم جمیل نے، جسے قرآن میں ”تَحَاَلَّاتُ الْحَطَبِ“^② یعنی ”ابندھن اُٹھائے پھرنے والی“ کہا گیا ہے، سخت مخالفت کی لیکن اُن کی ایک نہ چلی کیونکہ عوام کے دل پسچ چکے تھے۔ اسی دوران حضرت ابوطالب علیہ السلام تشریف لے آئے اور کہا کہ محمد (ﷺ) نے فرمایا ہے کہ تم نے جو عہد نامہ لکھا تھا اُسے دیمک چاٹ گئی ہے اور کاغذ کے اُس حصے کے سوا جس پر اللہ کا نام لکھا ہے باقی سب تحریر ختم

① ابو جعفر بن محمد بن جریر طبری، (متوفی ۳۱۰ ہجری) تاریخ طبری، ج ۲ حصہ اول ص ۸۴

② سُورَةُ الْمَسَد (سُورَةُ اللَّهَب) آیت ۴

ہو گئی ہے۔ اے قریش کے لوگو! اب ظلم کی انتہا ہو چکی ہے، تم اپنا وہ عہد نامہ دیکھو اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہا درست پاؤ تو انصاف کرو ورنہ جو چاہے کرو۔ چنانچہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اصرار پر وہ عہد نامہ منگوایا گیا۔ حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد من و عن صحیح ثابت ہوا جس پر قریش شرمندہ ہو گئے۔ ابوجہل، ابولہب اور اُن کے ساتھی چیتے چلاتے رہے کہ عہد نامہ منسوخ نہ کیا جائے لیکن اُن کی ایک نہ سنی گئی۔ حصار ختم ہو گیا، ہشام بن عمر بن حرث اور اس کے چار ساتھی، زہیر بن ابی امیہ مخزومی، مطعم بن عدی ابوالخثری بن ہشام اور زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد شعب ابی طالب میں گئے اور تمام محصورین کو رہا کرا کے اُن کے گھروں تک پہنچایا۔^①

حضرت ابوطالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور دُعا کی:

”اَللّٰهُمَّ اَنْصُرْنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطِّعْ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحِلَّ مَا يَحْرُمُ عَلَيْنَا“

(الہی! ظالموں پر ہماری مدد فرما اور قطعِ رحمی کو دور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا)

مؤرخ ابن واضح یعقوبی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔^②

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر صاحب ”پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم“ میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش اور تملکائے، سٹپٹائے اور اپنی چیرہ دستیوں میں بہت دُور نکل گئے لیکن وہ نہ تو انقلاب پسند مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر سکے اور نہ ہی اُن کی تحریک انقلاب کو دبا سکے۔ تحریک جب تک حرکی رہتی ہے یعنی جمود و تعطل کا شکار نہیں ہوتی، وہ زندہ و توانا رہتی اور آگے بڑھتی رہتی ہے، اگرچہ اُس کی رفتار سُست ہی کیوں نہ ہو۔ تحریک اسلام کے رُوح رواں اور قائد چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اس لیے قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو دبانے اور خاندانِ بنی ہاشم کی حمایت سے محروم

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت۔ ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)،

تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۵ طبع نجف، ۱۳۸۴ ہجری۔ علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے،

ص ۵۶ تا ۵۸ بحوالہ تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

② ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، یعقوبی ج ۲ ص ۲۵

کرنے کے لیے ایک سفاکانہ منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کا مقصد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خانوادے بنو ہاشم کو شہر بدر اور محصور کر کے اُن کا معاشرتی مقاطعہ (Social Boycott) کرنا تھا۔ چنانچہ محرم ۷ قبل ہجرت بمطابق ستمبر ۶۱۵ء میں ایک معاہدہ طے پایا جسے منصور بن عکرمہ نے لکھا اور اُسے کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اُس معاہدے میں بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب شریک تھا۔ معاہدے کی بڑی بڑی شقیں یہ تھیں:

(۱) اگر بنو ہاشم (حضرت) محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کریں تو ان کا مکمل معاشرتی مقاطعہ کیا جائے۔

(۲) ان کے ساتھ رشتہ داری اور شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔

(۳) ان کے ساتھ خرید و فروخت اور لین دین ہرگز نہ کیا جائے۔

(۴) انہیں کھانے پینے کی چیزیں مہیا نہ ہونے دی جائیں۔

(۵) ان سے نہ تو میل جول اور نہ روابط و ضوابط ہی رکھے جائیں۔

(۶) انہیں گلی بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے۔

داعی انقلاب ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کا خانوادہ بھی، سوائے ابولہب کے، ایک کٹھن، صبر آزما بلکہ شکیب ربا آزمائش زندگی میں مبتلا ہو گیا۔ تحریک اسلام کے لیے یہ ایک انتہائی نازک وقت تھا۔ بنو ہاشم شہر چھوڑنے اور پہاڑ کی گھاٹی میں، جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں، سکونت پذیر ہونے پر مجبور ہو گئے.... وہ شہر جس کی زینت بنو ہاشم تھے، جس میں اُن کی عظمت کے جھنڈے گڑے تھے، جس کے معاملات میں اُن کی آواز وزن رکھتی تھی، اُس میں اُن کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ (قریش)، جن کے وہ سردار تھے، جو اُن کے مشوروں کے متمنی رہتے تھے اور اُن کی دوستی کو سرمایہ افتخار سمجھتے تھے، بیگانے ہی نہیں دشمن بن چکے تھے۔ بنو ہاشم کا جرم یہ تھا کہ وہ محسن اعظم رحمۃ اللعالمین ﷺ اور بانی تحریک اسلام کی حمایت سے دست بردار نہیں ہوتے تھے اور اِس جرم کی پاداش میں اُن پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ اُنہیں بھوکا بھی رہنا

پڑتا اور درختوں کے پتے بھی کھانے پڑتے تھے۔ اُنہیں بچوں کو بھوک سے بلبلا تے اور اپنی حالتِ زار پر دشمنوں کو قہقہے لگاتے اور آوازے کستے بھی دیکھنا پڑتا تھا۔ اُنہوں نے مسلسل تین برس تک سب کچھ دیکھا، مٹا اور سہا لیکن داعیِ انقلاب ﷺ کو قریش کے حوالے نہیں کیا۔ بنو ہاشم اس شکیبِ رُبا تجربے سے گزرے اور کامیاب رہے۔

انقلاب کی راہیں بڑی کٹھن، دشوار گزار اور ہمت شکن ہوتی ہیں، ان سے عزم و ایمان، صبر و استقلال اور تدبیر و حکمت سے گزرنا پڑتا ہے اور آپ ﷺ بھی اسی طرح گزرے۔ معاشرتی مقاطعے کے شکیبِ رُبا تجربے میں بھی آپ ﷺ کا رویہ بطریقِ سایہ خداوندی و رحمت تھا۔ اس کے برعکس قریش کا طرزِ عمل ظالمانہ تھا۔ اس کا فطری ردِ عمل مظلوموں کے حق میں ہوا۔ دراصل انسان کتنا بھی ظالم و سفاک ہو جائے، اُس کی فطرت یا انسانیت بدل نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ دن بھی آگیا جب قریش کے ہی افراد نے ابو جہل وغیرہ کی مخالفت کے باوجود اپنے ہاتھوں سے معاشرتی مقاطعے کا عہد نامہ چاک کر دیا۔^①

کہا جاتا ہے کہ ہشام عامری جو خاندانِ بنو ہاشم کا قریشی رشتہ دار اور اپنے خاندان کے سربراہ اور وہ اشخاص میں تھا، بنو ہاشم کو چوری چھپے غلہ وغیرہ بھجواتا رہتا تھا۔ اُس کی تحریک پر زہیر جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، مطعم بن عدی، ابوالختری، ابن ہشام، زمعہ بن اسود اُس ظالمانہ معاہدے کو چاک کرنے پر آمادہ ہو گئے اور ابو جہل کی مخالفت کے باوجود مطعم بن عدی نے معاہدے کی دستاویز پھاڑ ڈالی۔ پھر یہ لوگ مسلح ہو کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور اُنھیں درّے سے نکال لائے۔^②

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ ص ۳۲

② ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، طبقات ابن ہشام۔ محمد ابن سعد (متوفی ۲۳۰ ہجری)، طبقات ابن سعد ابن خلدون (متوفی ۱۴۰۶ء)، تاریخ ابن خلدون۔

رُومیوں کی شکست کی پیش گوئی

(سنہ ۸ بعثت، ۵ قبل ہجرت، ۶۱۸ء)

سنہ ۸ بعثت میں رُومیوں کو ایرانیوں کے ساتھ جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایرانی آتش پرست اور رومی اہل کتاب تھے اس لیے مسلمانوں کو اُن کی شکست کا بہت افسوس ہوا جبکہ کفار مکہ نے اس پر خوب خوش منائی۔ مسلمانوں کے دُکھ کو رسول اللہ ﷺ نے تسلی و تشفی سے دُور کیا اور فرمایا کہ غم نہ کرو تین اور نو سال کے درمیان (یعنی چند سالوں میں) ایرانیوں کو شکست دے کر رومی فتح سے ہمکنار ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نو سال گزرنے سے پہلے ہی ایرانیوں پر رومی غالب آگئے۔^(۱) اس پیشین گوئی کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے:

الْمَغْلَبَةِ الرُّومِ ۝ فِي أَذْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۝ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ ۝ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْعَرُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ^(۲)

الف لام میم روم (والے) مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد غنقریب غالب آجائیں گے۔ چند ہی سال میں پہلے بھی اور پیچھے بھی، خدا ہی کا حکم ہے اور اُس روز مومن خوش ہو جائیں گے (یعنی) خدا کی مدد سے، وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب اور مہربان ہے۔) یہ آیت مبارکہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی سے پہلے نازل ہوئی ہو یا بعد میں بہر حال اس سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ کلام نبی ﷺ کلام الہی ہے یعنی رسول معظم ﷺ کی زبانِ اطہر سے وہی ادا ہوتا ہے جو دراصل خداوند متعال کا کلام ہوتا ہے۔

^(۱) علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۹

^(۲) سورة الروم، آیت ۵ تا ۱۰

معجزہ شق القمر

(سنہ ۹ بعثت)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کی دوسری طرف یا نیچے تھا۔^① اس روایت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت نے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور کہنے لگے کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی جانب اشارہ فرمایا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور لوگوں نے کوہِ حرا کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ رہنا۔ اس پر کفار (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ بلاشبہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک نے کہا اگر وہ جادو کر سکتے ہیں تو تم پر کر سکتے ہیں تمام روئے زمین والوں پر تو نہیں۔ چنانچہ جب آفاق سے مسافر وہاں آئے اور انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی خبر دی تو ابو جہل نے کہا، ”هَذَا سِحْرٌ مُّسْتَسْتَبِرٌ“، یعنی یہ پرانا جادو ہے۔ یہ معجزہ قرآن پاک میں بھی بیان کیا گیا ہے اور آیت مبارکہ میں ابو جہل کے کلمات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ ارشادِ خداوند متعال ہوتا ہے:

اِفْتَتَبَتْ السَّاعَةُ وَالشَّقَّ الْقَمَرُ ① وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَسْتَبِرٌ ② (قیامت قریب آگئی اور چاند ٹکڑے ہو گیا۔ اگر وہ کسی نشانی کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو پرانا جادو ہے)

ابن عبد البر جو کہ اکابر علماء حدیث سے ہیں، فرماتے ہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہونے والی حدیث کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ اور اسی طرح تابعین کی بھی جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے اور اُن

① بخاری، حدیث نمبر ۳۶۳۶، ۳۸۶۸، ۴۸۶۴۔

② سورة القمر، آیت ۲۳

سے ایک جم غفیر نے۔ اس طرح یہ روایت ہم تک پہنچی اور اس کی تائید آیت کریمہ نے فرمائی۔^①
 علامہ نجم الحسن کراوی بروایت حضرت ابن عباس، ابن مسعود، انس بن مالک، حذیفہ بن عمر اور
 جبیر بن مطعم، بیان کرتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ کوہ ابوقنیس پر ظاہر ہوا جب ابوجہل نے بہت
 سے یہودیوں کو ہمراہ لا کر حضور ﷺ سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یہ واقعہ
 سنہ ۹ بعثت میں چاند کی چودھویں رات کو ہوا تھا۔^②

مندرجہ بالا روایات سے ایسا لگتا ہے کہ جب حضور ﷺ سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ کیا
 گیا تو لوگ کوہ ابوقنیس پر موجود تھے اور چاند اُس وقت کوہ حرا کے اوپر تھا۔ جب آپ ﷺ نے
 اُس کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ اس طرح دو ٹکڑوں میں منقسم ہوا کہ اُس کا ایک ٹکڑا کوہ حرا کے دائیں
 جانب اور دوسرا اُس کے بائیں جانب یا بروایت نیچے چلا گیا۔

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس معجزہ کے واقع ہونے پر ایمان لانا واجب
 ہے۔^③

علامہ محمد محمدی اشتہار دی صاحب فرماتے ہیں کہ بعثت کے چوتھے سال کے آخر میں یا پانچویں
 سال کے شروع میں جناب سیدہ فاطمہ علیہا السلام بطنِ مادر گرامی میں تھیں۔ یہ وہی ایام تھے جب
 پیغمبر خدا ﷺ مشرکین مکہ کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے لیکن وہ کسی صورت اسلام قبول کرنے
 کے لئے تیار نہ تھے۔ اس دوران سخت اور تلخ واقعات بھی رونما ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جناب خدیجہ
 علیہا السلام بھی ان واقعات کی وجہ سے بہت پریشان ہوتیں۔ ایسے میں جناب فاطمہ علیہا السلام شکمِ مادر میں
 سے اپنی والدہ سے ہم کلام ہوتیں اور اُن کو تسلیاں دیتیں۔ شق القمر کا واقعہ بھی اسی دوران ہوا جب

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱ ص ۲۳۹، بحوالہ ابن عبد البر

② علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۹

③ محدث شیخ عباس قمی (متوفی ۱۳۵۹ ہجری)، سفینۃ البحار، ج ۱ ص ۷۰۹

کفار مکہ رسول خدا ﷺ کے پاس اکٹھے ہو کر آئے اور کہنے لگے، ”یا محمد (ﷺ)! اگر آپ (ﷺ) کا دعویٰ سچ ہے تو آپ (ﷺ) چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھائیں، پھر ہم مان جائیں گے کہ آپ (ﷺ) واقعی اللہ کے رسول ہیں۔“ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہارے لئے یہ کام کروں تو کیا تم سب ایمان لے آؤ گے؟ وہ سب بولے، ”جی ہاں۔“ اُس رات چاند کی چودھویں تاریخ تھی اور وہ پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ پیغمبر خدا ﷺ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہوئے اور اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ پروردگار! یہ لوگ مجھ سے معجزہ طلب کرتے ہیں، میری مدد فرما۔ پس آپ ﷺ کی دُعا مستجاب ہوئی اور چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ رسول خدا ﷺ نے ایک ایک مشرک کو آواز دی اور کہا کہ دیکھو! چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ہے اب گواہی دو کہ اللہ ایک ہے اور میں اُس کا رسول ہوں۔ مشرکوں نے اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ دیکھا لیکن اُن کے کفر میں اضافہ ہو گیا، وہ کہنے لگے کہ یہ جادو ہے۔ پیغمبر خدا ﷺ اُن کی باتوں سے آزر رہے ہو کر گھر چلے گئے۔ جناب خدیجہ علیہا السلام نے آپ ﷺ کا استقبال خوب گرمجوش سے کیا۔ وہ بہت خوش تھیں اور کہنے لگیں، ”اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے مکان کی چھت سے آپ ﷺ کا معجزہ دیکھا اور اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ جو معصوم میرے شکم میں ہے اُس نے مجھے مضطرب دیکھ کر کہا، ”يَا أُمَّاءُ! لَا تَخْشَى عَلَى ابْنِي وَمَعَهُ رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ“ (اے میری امی جان! میرے والد کے بارے میں کوئی خوف دل میں نہ لائے کیونکہ اُن کے ساتھ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے۔)

پیغمبر خدا ﷺ مسکرائے اور فرمایا، ”اللہ نے کسی بھی نبی کو ایسا معجزہ نہیں دیا جیسا مجھے عطا کیا ہے۔“^①

① علامہ محمد حمزہ اشتہاردی، اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام مترجم سید علی شیر نقوی

معجزہ شق القمر اور ہندو مہاراجے

مہاراجہ کیرالہ مالابار

نبی گرامی ﷺ کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا منظر ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے مہاراجوں نے بھی دیکھا۔ وہ اس حیرت انگیز واقعہ کی وجوہات جاننے کے لئے متحرک ہوئے چنانچہ وہ خود یا اُن کے نمائندے تحقیقات کرتے ہوئے بالآخر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ اقدس تک جا پہنچے اور نور اسلام سے منور ہوئے۔

روزنامہ جنگ کی ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں عالمی شہرت یافتہ پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کا ایک کالم ”شق القمر اور برصغیر ہندوپاک کی پہلی مسجد“ شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس میں بحوالہ کیرالہ میگزین انڈیا ۱۹۳۸ء اور تاریخ ازبکستان از مؤلف سید کمال الدین احمد، ایک ہندو مہاراجہ کی رویت شق القمر اور تحقیق و جستجو کے بارے میں بیان کرتے ہیں جس کا خلاصہ یوں ہے:

شق القمر کا معجزہ ۸ بعثت میں ہوا، اُس وقت جنوبی ہندوستان کے (علاقہ مالابار) کیرالہ اسٹیٹ پر ایک ہندو راجا کی حکومت تھی۔ ایک رات وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ محل کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے چاند کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا، یہ منظر دیکھ کر اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اُس نے وہاں موجود اپنے خاندان کے افراد سے اس منظر کی تصدیق چاہی تو سبھی نے تائید و تصدیق کی۔ اگلے دن اُس نے دربار طلب کیا جس میں اہل علم، دانشور، پنڈت، نجومی اور جوتشی وغیرہ شریک تھے۔ مہاراجہ نے اُن سے شق القمر کا واقعہ بیان کیا اور اس کی تحقیق و تصدیق کا حکم

دیا۔ اُنہوں نے اپنی اپنی تحقیق و جستجو کے بعد شق القمر کی تصدیق کی اور بتایا کہ یہ اللہ کے نبی (ﷺ) کا معجزہ ہے جس کا ذکر ہماری کتابوں میں یوں ہے کہ سرزمین عرب پر ایک نبی پیدا ہوں گے جن کی اُنکلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے خیال میں سرزمین عرب پر وہ نبی پیدا ہو گئے ہیں اور شق القمر کا یہ معجزہ اُنہیں کے اشارہ پر ہوا ہے۔ مہاراجہ یہ سن کر بہت متاثر ہو لیکن مزید اطمینان کے لیے اپنے بیٹے کو عرب بھیجنے کا ارادہ کیا۔ پس اُس کا جواں سال بیٹا ایک سو مسلح افراد کے ساتھ روانہ ہوا۔ راجا نے بہت سے قیمتی تحائف دے کر اُسے ہدایت کی کہ اگر اس واقعہ کی تصدیق ہو جائے تو میری طرف سے یہ تحائف نبی اللہ (ﷺ) کی خدمت میں پیش کرنا اور میرا سلام عرض کرنا۔

مکہ پہنچ کر لوگوں کی زبانی معجزہ شق القمر کی تصدیق ہو گئی تو راجا کو جناب رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہونے کا اشتیاق ہوا۔ چنانچہ وہ آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ (ﷺ) اُس کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور آنے کا سبب دریافت فرمایا۔

راجا نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، مہاراجہ کے بھیجے ہوئے تحائف آپ (ﷺ) کی خدمت میں پیش کیے اور اُس کا سلام پہنچایا۔ حضور (ﷺ) نے شکریہ ادا کیا اور مہاراجہ کے لیے دعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے۔ روایت ہے کہ اُسی دن (یعنی جو نبی رسول اکرم (ﷺ) نے مہاراج کے لئے دعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے)، وہ دل ہی دل میں حضور (ﷺ) پر ایمان لے آیا اور بت پرستی ترک کر دی۔ ادھر یہ شہزادہ، حضور نبی کریم (ﷺ) سے مل کر اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور ایک صحابی کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اُس کے ساتھ آئے ہوئے سپاہیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد شہزادے نے واپسی کا سفر شروع کیا، جب وہ کیرالہ اسٹیٹ کے قریب

پہنچا تو اُسے مہاراجہ کے انتقال کی خبر ملی۔ مہاراجہ کی وفات کے بعد شہزادے کا انتظار کیا جا رہا تھا، جیسے ہی وہ اپنی ریاست میں پہنچا اُس کا روایتی شاہانہ طریقے سے استقبال کیا گیا اور باضابطہ طور پر ریاست کا مہاراجہ بنادیا گیا۔ اُس نے مصلحتاً اپنے مسلمان ہونے کو چھپایا اور عنانِ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اپنی حکومت کو مستحکم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ جب ہر طرف سے اطمینان حاصل ہوا اور حکومت پر گرفت مضبوط ہو گئی تو اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا اور لوگوں کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ اُن کی ترغیب اور تبلیغ سے بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔ نوجوان مہاراجہ کا مسلمان ہونا اُس کے باپ کا مرہونِ منت تھا۔ اگر وہ شقِ القمر کے واقعہ کی تصدیق کرنے کے لیے اُسے عرب نہ بھیجتا تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی نظرِ عنایت سے محروم رہتا اور دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہو سکتا۔ صحابی رسول ہونے کی حیثیت سے پہلا مسلمان حکمران ہونے کا اعزاز بھی اُسی کے حصے میں آیا۔ اُس کے باپ کے لیے بھی حضور نبی کریم ﷺ نے خیر کے دُعا کیے کلمات ادا فرمائے تھے اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر غائبانہ ایمان لا کر وہ بھی ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہو چکا تھا۔

اس نئے مہاراجہ کو مسجد بنانے کا خیال آیا اور اُس نے ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا نام چیرامن مسجد (Cheraman Mosque) رکھا گیا۔ یہ برصغیر پاک و ہند کی پہلی مسجد ہے جو کیرالہ میں اکراکالام (Akrakalam) کے مقام پر تعمیر کی گئی۔ یہ علاقہ ساحلِ سمندر سے منسلک ہے اور مالا بار کھلاتا ہے۔ یہاں پر اس وقت بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے جو راسخِ العقیدہ ہیں۔^①

① ڈاکٹر عبدالقدیر خان، روزنامہ جنگ (۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء)، بحوالہ کیرالہ میگزین ۱۹۴۸ء اور

بحوالہ سید کمال الدین احمد، تاریخ ازبکستان

مہاراجہ مالیبارسامری

مفتی محمد شفیع صاحب قرآن پاک کی تفسیر ”معارف القرآن“ میں سورۃ القمر کے ذیل میں لکھتے ہیں، ”ہندوستان کی مشہور و مستند ”تاریخ فرشتہ“ میں اس کا ذکر بھی موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالی بار نے یہ واقعہ بخشیم خود دیکھا اور اپنے روزنامچہ میں لکھوایا، اور یہی واقعہ اُن کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔“^①

ہندوستان کے علاقہ مالابار کی ریاست کیرالہ اسٹیٹ کے جس راجا کا ذکر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنے مضمون میں کیا تھا ممکن ہے یہ وہی راجا ہو کیونکہ اس کا تعلق بھی ”ملی بار“ یا ”مالی بار“ سے بیان کیا گیا ہے لیکن تاریخ فرشتہ میں اس راجا سے متعلق جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ خاصے مختلف ہیں۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس کو ایک الگ عنوان سے یہاں بیان کیا جائے۔

”تاریخ فرشتہ“ میں مؤلف محمد قاسم فرشتہ ”تحفۃ المجاہدین“ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ”ملی بار“ ایک مملکت ہے جو ہندوستان سے دکن کی طرف واقع ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی یہود و نصاریٰ کے لوگ تجارت کی غرض سے یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ہجرت کے دو سو سال بعد مسلمانوں کی ایک جماعت عرب سے بذریعہ کشتی قدم گاہ حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت کے لئے سرانڈیپ (سری لنکا) جا رہی تھی کہ بھٹک کر ملی بار کی طرف جا نکلی۔ وہاں راجا سامری کی حکومت تھی جو بہت بااخلاق اور زیور علم و دانش سے آراستہ شخص تھا۔ اُس نے مسلمان مسافروں کی خوب آؤ بھگت کی اور اُن کے مذہب و ملت سے متعلق کئی سوالات کیے۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سن کر وہ بہت متاثر ہوا۔ جب اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق القمر سنا تو کہا کہ یہ بہت بڑا واقعہ ہے، اگر یہ جادو نہیں اور واقعی حق و صداقت پر مبنی ہے تو اسے ضرور قرب و جوار کے لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا اور ہمارے ملک کا دستور ہے کہ جب کوئی بہت اہم واقعہ رونما ہوتا ہے تو اُسے قلمبند کر لیا جاتا ہے۔ میرے آباؤ اجداد کا دفتر میرے پاس محفوظ ہے، اُس کے ذریعے

① مفتی محمد شفیع، معارف القرآن طبع ادارۃ المعارف کراچی، جلد ۸ ص ۲۷۷

تمہارے بیان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ پھر اُس نے اپنے کارندوں کو بلا کر اُس زمانے کے روزناموں میں شق القمر کا واقعہ تلاش کرنے کا حکم دیا۔

ایک دفتر میں واقعہ لکھا تھا کہ فلاں تاریخ کو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا گیا جو پھر مل گیا۔ یہ سنتے ہی راجا سامری کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہو گیا، وہ مسلمان ہو گیا۔

آگے چل کر محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں، ”صحیح روایت یہ ہے کہ سامری نے حضرت رسالت پناہ ﷺ کے زمانہ میں اپنے ملک میں چاند کا دو ٹکڑے ہونے مشاہدہ کیا تھا اور اس امر کی تحقیق کے واسطے معتمد آدمی اطراف و اکناف میں بھیجے۔ جب اُس کو معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے دعویٰ نبوت کر کے شق القمر کو جملہ معجزات سے کیا ہے تو وہ جہاز پر سوار ہو کر حجاز کی طرف گیا اور آنحضرت ﷺ کی ملازمت سے مشرف ہو کر مسلمان ہوا۔ خانہ کعبہ کی زیارت سے بھی خدا نے اُسے مشرف فرمایا۔ ایک دن وہ آنحضرت ﷺ سے رخصت لے کر عازم وطن ہوا، جب مع ایک جماعت اہل اسلام شہر ظفار میں پہنچا تو مرض مہلک میں گرفتار ہو کر فوت ہوا۔ اب بھی اُس کی قبر اس شہر میں ہے اور لوگ اُس کی زیارت کو جاتے اور جو یائے برکت ہوتے ہیں۔“^①

ریاست کھا بڑی کے راجا کنور سین اور وزیر تن سین

کیرالہ کے راجا اور راجا سامری کی طرح راجا کنور سین اور اُن کے وزیر تن سین کا واقعہ بھی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ دونوں بھی شق القمر کا منظر دیکھ کر اُس کی تحقیق میں لگ گئے تھے اور آخر کار اُن کی تحقیق انہیں ایمان کی دہلیز تک لے گئی۔ ان بزرگوں کے مختصر واقعات مختلف اخباروں اور رسالوں میں نظر سے گزر رہے ہیں۔ حال ہی میں سید پیغمبر عباس نوگا توی صاحب کا ایک مضمون ”تین ہجری کا ہندی مسلمان، تن سین“ زیر مطالعہ آیا ہے، مضمون کافی دلچسپ اور معلوماتی ہے اور

① محمد قاسم فرشتہ، ۱۰۱۵ ہجری، تاریخ فرشتہ، جلد ۴ ص ۳۱ تا ۳۳

اس میں قدرے تفصیل کے ساتھ راجا کنور سین اور اُن کے وزیر تن سین کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔
سید پیغمبر عباس نوگاتوی لکھتے ہیں: ^①

”تاریخ نویسوں نے ہندوستان میں اسلام کی آمد حجاج بن یوسف کے نو عمر کمانڈر محمد بن قاسم سے منسوب کی ہے اور یہ ایسی ذہنیت کا نتیجہ ہے جو اسلام کو تلوار کے زور پر پھلتا پھولتا مانتی ہے، یہاں بھی یہی ظاہر کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم نے ہندوستان پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں ہندوستان میں اسلام کی داغ بیل پڑ گئی، لیکن تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرکار رسالت مآب (ﷺ) کے معجزہ شق القمر سے ہندوستان ضیاء اسلام سے منور ہو گیا تھا۔ کتاب ”بیان الحق و صدق المطلق“ (مطبوعہ تہران ۱۳۲۲ ہجری) میں فخر الاسلام لکھتے ہیں کہ حافظ مڑی نے ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ بعض مسافروں نے بتایا کہ ہم نے ہندوستان میں ایسے آثار دیکھے جو معجزہ شق القمر سے متعلق تھے..... الخ، ان میں سے ایک درگاہ ضلع بے پی نگر کی تحصیل دھنورہ میں نوگاتواں سادات سے تقریباً ۱۶ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے گنگا کے کنارے موجود ہے جہاں کنور سین اور ان کے وزیر حاجی رتن سین دفن ہیں۔ تحصیل دھنورہ کے مال خانے میں اس کا اندراج ”درگاہ شق القمر“ کے نام سے ہے۔ اس درگاہ پر ہولی کے بعد آنے والی جمعرات کو عرس و میلہ بھی لگتا ہے۔ ۱۳ شعبان قبل ہجرت، پورن ماشی کے موقع پر ہندوستان میں جب راجوں مہاراجوں نے چاند کو دو حصوں میں تقسیم دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی، نجومیوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عربستان سے محمد (ﷺ) نام کے پیغمبر نے یہ معجزہ دکھایا ہے، راجاؤں نے اپنے نمائندے تصدیق کے لئے عربستان روانہ کئے جن میں شمالی ہندوستان کی چھوٹی سی ریاست کھاڑی کے راجا کنور سین نے بھی اپنے وزیر تن سین کو روانہ کیا۔

کھاڑی ریاست موجودہ اتر پردیش کے ضلع جے پی نگر و بجنور کے دریائے گنگا سے متصل علاقوں پر محیط تھی، اس ریاست میں پر اکرت زبان بولی جاتی تھی۔ رتن سین کے مدینہ ^① جانے اور ساتھیوں سمیت ایمان لانے پر تو سب متفق ہیں مگر اُن سے متعلق جو داستانیں سنائی جاتی ہیں اُن سے علماء نے اختلاف کیا ہے، شمس الدین بن محمد جزری کہتے ہیں کہ میں نے عبدالوہاب بن اسماعیل صوفی سے سنا کہ جب ہم ۶۷۵ ہجری میں واردِ شیراز ہوئے تو ہماری ملاقات شیخ معمر محمود بن رتن سین سے ہوئی انہوں نے ہمیں بتایا کہ میرے بابا رتن سین نے معجزہ شق القمر دیکھا تھا اور یہی معجزہ اُن کی ہندوستان سے عرب ہجرت کا سبب بنا۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو مسلمان (جنگ احزاب کے لئے) خندق کھود رہے تھے، انہوں نے وہاں جاتے ہی رسول اللہ (ﷺ) کی صحبت اختیار کر لی۔ ^②

رتن سین کی عمر عرب و عجم کے محققین و علماء نے ۶۰۰ سال سے زائد بیان کی ہے جس کا مآخذ سنائے قصبے ہیں ”دائرة المعارف قاموس عام لکل فن و مطلب“ کی آٹھویں جلد مطبوعہ لبنان میں رت، ن کے ذیل میں رتن کا تذکرہ کرتے ہوئے معلم بطرس بستانی نے لکھا ہے کہ رتن ہندی نے دوبار رسول اللہ (ﷺ) کی زیارت کی اور آپ (ﷺ) نے انہیں طولانی عمر کی وعادی جس سے ان کی عمر ۶۰۰ سال سے زائد ہوئی۔

علامہ ابن حجر مکی نے ”الاصابة في معرفة الصحابة“ میں اور علامہ ذہبی نے ”میزان الاعتدال اور لسان العرب“ میں رتن سین کی طولانی عمر کے قصے کو فرضی قرار دیا ہے۔ ہندوستان میں جو دستاویز رتن سین اور ان کے راجا کنور سین سے متعلق موجود ہیں اُن سے رتن سین کی عمر ۶۰۰ سال ثابت نہیں ہے۔ سنہ ۳ ہجری میں رتن سین مشرف بہ اسلام ہوئے، ۳ ہجری سے ۷ ہجری تک مدینہ میں قیام کیا اور ۱۱ ہجری میں وفات پائی لہذا رتن سین کی ۶۰۰ سال عمر والا قصہ

① رتن سین کے پہنچنے سے پہلے رسول اللہ (ﷺ) ہجرت کر چکے تھے اس لئے انہیں بھی مدینہ جانا پڑا۔

② مولف محمد طاہر بن علی ہندی، (متوفی ۹۸۶ ہجری) تذکرۃ الموضوعات، ناشر امین، قج، بیروت، لبنان

بے بنیاد ہے۔

ماسٹر سید اختر عباس نوگانوئی ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج امر وہہ کی تحقیق کے مطابق رتن سین سے متعلق معلومات کنور سین کی قبر پر لگے کالے قیمتی پتھر (سنگ موسیٰ) سے ریلوے پولس انسپکٹر سید صادق حسین، نانوتہ، سہارنپور اور مولوی ارتضیٰ حسین امر وہی مقیم ریاست رامپور کو ۱۹۳۱ء میں حاصل ہوئی تھیں جس کا پتہ سید صادق حسین نانوتوی کو سید احمد حسین رضوی حسن پوری نے دیا تھا۔ انسپکٹر صادق حسین اور مولوی ارتضیٰ حسین صاحبان نے اس پتھر کی عبارت پڑھنے اور ترجمہ کرنے کے لئے مراد آباد کے محلہ کسرول سے پنڈت برہمانند کو تلاش کیا جن کی عمر اُس وقت ۹۵ سال تھی، پنڈت برہمانند نے اس پتھر کو دیکھ کر بتایا کہ یہ پراکرت زبان میں ہے۔

بہر حال پنڈت برہمانند ترجمہ کرتے رہے اور یہ لوگ لکھتے رہے، اس کی اُجرت پنڈت برہمانند نے اُس وقت (۱۹۳۱ء میں) تین سو روپیہ لی تھی۔ راجا کنور سین کی قبر کے اس پتھر پر یہ عبارت حاجی رتن سین نے ۲۵ ذیقعدہ ۸ ہجری کو راجا کے دفن کے بعد کندہ کرائی تھی، رتن سین نے اس پتھر پر دیگر اہم باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھوایا تھا کہ میں نے تین سال خدمت رسول اللہ (ﷺ) میں رہ کر بھوج پتر پر حالات تحریر کئے ہیں جو کتاب کی شکل میں مجاور کے پاس ہیں اور اس کو ہدایت کردی ہے کہ اس کو ضائع نہ کرے۔ جب صادق حسین کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مجاور شیخ عبدالرزاق سے کہا کہ اگر آپ واقعی اس درگاہ کے مجاور ہیں تو ضرور آپ کے پاس بھوج پتر پر لکھی ہوئی کتاب ہوگی ورنہ اصل مجاور کوئی اور ہے اس بات کو سن کر شیخ عبدالرزاق گھر میں گئے اور ٹین کے ڈبے میں بند مطلوبہ بھوج پتر پر لکھی ہوئی کتاب نکال کر لائے اور دُور سے صادق حسین کو دکھادی، صادق حسین نے کہا کہ یہ کتاب امانت کے طور پر ترجمہ کے لئے دے دو، اس پر مجاور شیخ عبدالرزاق نے کہا کہ میں اسے چھونے بھی نہیں دوں گا۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں صدر العلماء مولانا سید سلمان حیدر صاحب نوگانوئی نجفی، مولانا روشن علی صاحب سلطان پوری نجفی، مولانا مشکور حسین صاحب نوگانوئی اور مولانا نعیم عباس صاحب نوگانوئی وغیرہ بھی درگاہ پہنچے اور

مجاور سے کتاب کا ترجمہ کرانے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُس نے ایک نہ سنی۔

اگر مجاور باشعور مسلمان ہوتا تو از خود کوشش کر کے اس کتاب کا دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں ترجمہ کرا کے شائع کر دیتا جس سے تاریخ نویسوں کو بہت مدد ملتی اور اثبات حق کے لئے یہ کتاب بہترین دستاویز شمار ہوتی، مجاور اور اس کے گھر والوں نے یہ کتاب ترجمہ کے لئے نہ دی بلکہ پتھر کی عبارت کا ترجمہ سن کر راتوں رات اُسے بھی قبر سے اکھاڑ کر غائب کر دیا، جب بے شعور مسلمانوں کی یہ حالت ہے تو ہم حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ سے کیا شکایت کریں؟

اگر آثار قدیمہ نے اُس اہم دستاویز کو ضائع ہونے سے بچا لیا ہوتا تو آج محققین کو اس میں شک نہ ہوتا کہ ہندوستان نور اسلام سے حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی حیات طیبہ ہی میں منور ہو گیا تھا، مجاوروں نے وہ تمام پتھر بھی ہٹا دیئے جن پر تاریخیں کندہ تھیں، رتن سین کی قبر کا پتھر بھی غائب کر دیا مگر ان کتبوں اور پتھروں کی نقول کا غذا ت مال میں دھنورہ تحصیل میں موجود ہیں۔

راجا کنور سین کی قبر پر لگے پتھر کی عبارت کے ترجمے سے چند تاریخی حقائق اور واضح ہو جاتے ہیں، پتھر پر معجزہ شق القمر کی تاریخ ۱۳ شعبان قبل ہجرت پورن ماشی کے موقع پر لکھی ہے۔

آیت اللہ مکارم شیرازی تفسیر نمونہ کی جلد ۲۳ مطبوعہ قم میں صفحہ ۱۸ پر سورۃ القمر کی پہلی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ معجزہ ہجرت کے نزدیک مکی زندگی کے آخری ایام میں رونما ہوا تھا اور حضور (ﷺ) نے یہ معجزہ اُن حقیقت کے متلاشی افراد کے کہنے پر انجام دیا تھا جو مدینہ سے خدمت پیغمبر (ﷺ) میں مکہ آئے تھے اور عقبہ میں انہوں نے حضور (ﷺ) کی بیعت کی تھی۔ اس روایت کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی جلد ۱۷ کے صفحہ ۳۵ پر درج کیا ہے۔ بعض علماء نے معجزہ شق القمر کو ہجرت سے ۸ سال قبل بیان کیا ہے جس کو حضور (ﷺ) نے ابو جہل و ابولہب کے کہنے پر انجام دیا۔ بہر حال رتن سین کا تعلق اُسی معجزے سے ہے جو حضور (ﷺ) نے مکی زندگی کے آخری ایام میں انجام دیا، رتن سین کے مدینہ منورہ پہنچنے کی تاریخ ۵ رمضان ۳ ہجری اور کھاڑی واپس آنے کی تاریخ ۱۲ صفر ۸ ہجری درج ہے اور

رتن سین کی قبر پر لگے پتھر پر رتن سین کی تاریخ وفات ۱۱ ہجری درج ہے۔

رتن سین نے راجا کی قبر کے پتھر پر یہ بھی لکھوایا تھا کہ مدینہ پہنچنے پر رتن سین اور اُن کے ساتھیوں کو حضرت علی (علیہ السلام) کے ہاں مہمان رکھا گیا اور بہت شاندار ضیافت کی گئی۔ رتن سین کے مدینہ پہنچنے کے دس روز بعد ۱۵ رمضان ۳ ہجری کو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلے نواسے حضرت امام حسن (علیہ السلام) کی ولادت ہوئی، رتن سین نے امام حسن (علیہ السلام) کو سچے موتیوں کی مالا پہنائی جو رنگ تبدیل کر کے سبز ہو گئی اس پر رتن سین کو بڑی حیرت ہوئی، اُنہوں نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ یہ میرا فرزند زہر دغا سے شہید کیا جائے گا (جس سے بدن سبز ہو جائے گا) سنہ ۴ ہجری میں رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دوسرے نواسے حضرت امام حسین (علیہ السلام) کی ولادت ۳ شعبان المعظم کو ہوئی، بچے کو دیکھ کر رتن سین بہت خوش ہوئے اور اُن کے گلے میں بھی سفید سچے موتیوں کی مالا پہنائی، رتن سین کے دیکھتے ہی دیکھتے اُس مالا کے موتی سرخ ہو گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا سبب یہ فرمایا کہ کربلا کے میدان میں میرا یہ فرزند تین دن کا بھوکا پیاسا مع عزیز و اقربا شہید کیا جائے گا، یہ فرما کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بے ساختہ رونے لگے۔

رتن سین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ۳۰۰ حدیثیں بھی روایت کی ہیں جن میں چند حدیثوں کو ”الاصابہ فی معرفۃ صحابہ“ میں ابن حجر مکی نے اور ”لسان العرب و میزان الاعتدال“ میں ذہبی نے، رتن سین کی موضوعہ حدیثوں کے طور پر بعنوان مثال نقل کیا ہے۔ اُن میں سے چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

رتن سین کہتے ہیں کہ ہم خزاں کے موسم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھے اور ہوا چل رہی تھی جس سے پتے گر رہے تھے یہاں تک کہ اُس درخت پر ایک بھی پتہ باقی نہ بچا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب مومن فرض نماز کو جماعت سے پڑھتا ہے تو اس سے گناہ اسی طرح ختم ہو جاتے ہیں جیسے اس درخت سے پتے۔

رتن سین کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ جس نے کسی مالدار کی عزت اس کے مال کی وجہ سے کی اور محتاج کی بے عزتی اس کی ناداری کی وجہ سے کی تو اُس پر ہمیشہ اللہ کی لعنت ہوگی مگر یہ کہ (وہ) توبہ کر لے۔

رتن سین کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ جو شخص آلِ محمد (ﷺ) کی دشمنی پر مرے گا وہ کافر کی موت مرے گا۔

رتن سین کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ عالم کے لباس پر اس کی دوات کی سیاہی کا نقطہ اللہ کو شہید کے پسینہ کے سقطروں سے زیادہ پسند ہے۔

رتن سین کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ جو روزِ عاشورہ امام حسین (علیہ السلام) پر گریہ کرے گا وہ قیامت کے روز اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ محشور ہوگا۔

رتن سین کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ روزِ عاشورہ کا گریہ قیامت میں نورِ تام (کا باعث) ہوگا۔

اگر ہم رتن سین کو سچا مان لیں تو پھر رتن سین محدث، صحابی رسول، محبِ اہل بیت اور ہندوستان کے اولین مسلمان شمار ہوں گے اور اگر علمائے رجال ابن حجر اور علامہ ذہبی کے مطابق رتن سین کو ثقہ نہ مانیں تو صحابی رسول، محبِ اہل بیت اور ہندوستان کے اولین مسلمان تو تھے ہی حالانکہ مذکورہ حدیثیں بھی کسی نہ کسی راوی کے ذریعہ ہم تک پہنچ چکی ہیں۔“

ریاست دھار کے راجا بھوج

مندرجہ بالا مضمون میں مصنف نے ایک اور راجا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ^①

”رتن سین کے علاوہ موجودہ مدھیہ پردیش کے مالوہ میں ریاست دھار کے راجا بھوج بھی معجزہ شق القمر کے بعد ایمان لے آئے تھے اور انہوں نے اپنے عہد میں تین مسجدیں ایسی بنوائیں جو آج تک صحیح حالت میں ہیں، ایک مسجد دھار میں ہے دوسری بھوجپور میں اور تیسری مانڈوہ میں ہے

① (www.tebyan.net, www.quran.tebyan.net, www.tebib.net)

جنہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد محمد بن قاسم کے حملے سے نہیں بلکہ رسول اسلام (ﷺ) کے معجزہ شق القمر کی برکت سے ہوئی تھی۔“

ریاست بھوپال کے راجا بھوپال

معجزہ شق القمر کے حوالے سے پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جہاں ہندوستان کی کیرالہ اسٹیٹ کے راجا کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے اپنے ایک مضمون میں بھوپال کے راجا بھوپال کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی راجا بھوج ہو جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ نہ ہو کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے بقول بہت سے راجے اس نام سے مشہور ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کے مضمون کی تلخیص:

”بھوپال کے حکمران راجا بھوپال نے شق القمر کا معجزہ دیکھ کر اپنے عالموں سے اس بارے میں دریافت کیا تھا۔ جب اُسے بتایا گیا کہ عرب میں ایک پیغمبر کا نزول ہوا ہے جنہوں نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے معجزہ دکھایا ہے تو اُس نے ایک وفد تحائف کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اُن تحائف میں پان کے پتے بھی تھے جنہیں اُس دور میں اہم اور قیمتی چیز تصور کیا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پان کے پتے کو چکھ کر فرمایا تھا کہ یہ سبزی برص و جزام کے علاج کے لئے مفید ہے۔ یہ روایت سن کر ہی امیر خسرو نے یہ قطعہ کہا تھا:

سبزی اوقت طع برص و جزام

بقول نبی وقت علیہ السلام

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں، ”راجا بھوج کے بارے میں عجیب عجیب کہانیاں مشہور ہیں اور بہت سے راجے اس نام سے مشہور ہیں۔ راجا نے حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ تحائف غالباً اپنے بیٹے

ماتا دین کے ہاتھ بھیجے تھے جو مع اپنے وفد کے مسلمان ہو گیا تھا اور اس کا اسلامی نام محی الدین رکھا گیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اُس کے ساتھ عبداللہ نامی صحابی کو راجا بھوج کے پاس بھیجا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مولانا عباس رفعت (غالب کے شاگرد) ۱۲۶۵ء میں پیران دھار گئے تو انہوں نے راجا بھوج کی قبر حضرت عبداللہ صحابی کی پائنتی ملاحظہ کی۔ سب سے زیادہ مستند بیان نواب شاہجہان بیگم (بیگم بھوپال) کا ہے، انہوں نے بزرگ کا نام عبداللہ چنگال بتایا جو شاید عبداللہ جندال ہوگا کیونکہ عربی میں ”گ“ اور ”ج“ نہیں ہوتے۔ انہوں نے ۱۴۰ اشعار کے ایک قصیدہ کو بھی اپنی کتاب میں لکھا ہے جو عبداللہ چنگال کے مقبرہ کی دیوار پر کندہ ہے، اس قصیدے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کچھ مسلمان آئے جنہوں نے فجر کی اذان دی جو کافروں کو ناگوار گزری اور انہوں نے اُن سب مسلمانوں کو شہید کر دیا، پھر حضرت عبداللہ چنگال آئے اور راجا بھوج اُن کی فراست دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ قبریں ٹوٹ پھوٹ کر ہموار ہو گئیں تو شہنشاہ خلیج محمود کے حکم سے ان کی مرمت کی گئی، قبہ دار مقبرہ، مسجد اور ساتھ لنگر خانہ بنایا گیا، یہ تعمیر ۱۸۵۹ء میں مکمل ہوئی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”شہادتین معجزات“ میں لکھا ہے کہ راجا بھوج اور راجا مالوہ ایک ہی شخص کے نام ہیں جو شوق القمردیکھ کر مسلمان ہو گئے،^①

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



① ڈاکٹر عبدالقدیر خان، روزنامہ جنگ (۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء اور ۳ مارچ ۲۰۱۰ء)، بحوالہ محمد احمد سبزواری، رسالہ

فکرو آگاہی بھوپال نمبر۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(اہل سنت کی نظر میں)

فرمان الہی ہے:

”سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْأَيْتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ“^(۱)

(پاک ہے وہ جو اپنے بندہ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرد اگر دہم نے برکتیں رکھیں تاکہ دکھائیں ہم انہیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔)

”مدارج النبوۃ“ میں ہے کہ اسری کے معنی ہیں ”لے جانا“، مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا اور پھر وہاں سے آسمان پر لے جانے کا نام معراج

ہے۔ یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے، اس کا منکر فاسق، جاہل، محروم اور کافر ہے کیونکہ یہ اللہ

کی کتاب سے ثابت ہے۔ مذہب صحیح یہی ہے کہ اسری و معراج سب کچھ بحالت بیداری اور جسم

کے ساتھ تھا۔ صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر، علماء اور اُن کے بعد محدثین، فقہاء اور متکلمین کا

اسی پر ایمان ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور اخبارِ صریحہ متواتر ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

معراج خواب میں رُوح سے تھی۔ اس کی جمع و تطبیق وہ اس طرح کرتے ہیں کہ یہ واقعہ متعدد

بار ہوا۔ ایک مرتبہ بیداری میں اور دیگر اوقات خواب میں رُوح سے، کچھ بار مکہ مکرمہ میں اور کچھ

مرتبہ مدینہ طیبہ میں۔ اس کے باوجود اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی روایا یعنی خواب وحی

ہے جس میں کسی شک و شبہ کو دخل نہیں۔ خواب میں ان کے دل بیدار اور آنکھیں پوشیدہ (یعنی

بند) ہوتی ہیں، لیکن حقیقت یہی ہے کہ معراج بحالت بیداری اور جسم کے ساتھ ہی تھا۔ ”اسری“

کو خواب میں بیان کرنے والوں میں ایک تو حضرت انس ہیں جنہوں نے اُس حال کا مشاہدہ ہی

^(۱) سورة الاسراء، آیت نمبر ۱

نہیں کیا تھا اور نہ ہی حضور ﷺ سے سنا تھا کیونکہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور حضرت انسؓ ہجرت کے بعد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اُس وقت وہ سات آٹھ سال کے بچے تھے، جیسا کہ اہل علم تصریح کرتے ہیں۔ یہی حال حضرت عائشہؓ کی حدیث ”مَا فَقَدَ جَسَدُ مُحَمَّدٍ“ (حضرت محمد ﷺ کا جسم بستر سے گم نہ ہوا تھا) کا ہے۔ حضرت عائشہؓ اُس زمانہ میں حضور ﷺ کے پاس نہیں تھیں اور نہ قبط و حفظ کی عمر ہی تھی بلکہ ممکن ہے پیدا بھی نہ ہوئی ہوں۔^①

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ معراج مبارک کی حدیث کو صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے تو اتر معنوی کے مرتبہ میں روایت کیا ہے، اگرچہ بعض خصوصیات میں روایات مختلف ہیں، ان میں مشہور وہ طویل حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت قتادہ، حضرت انس اور مالک بن صعصعہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک سفید چوپایہ لائے جس کا نام براق ہے، وہ خنجر سے پست اور گدھے سے اونچا تھا اور منتہائے نظر پر اُس کا قدم پڑتا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ براق کے دو بازو (پر) تھے جن سے وہ اڑتا تھا۔ براق کی رکاب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں اور لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ جب حضور اکرم ﷺ رکاب میں پائے اقدس رکھنے لگے تو براق نے شوخی کی، اُس وقت جبرائیل علیہ السلام نے اُس سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کیوں شوخی کرتا ہے؟ تجھ پر تمام مخلوق سے زیادہ بزرگ و مکرم حضور اکرم ﷺ سوار ہوا چاہتے ہیں۔ پھر اُس نے شوق کا اظہار کیا اور زمین پر بیٹھ گیا اور حضور ﷺ نے اُس کی پشت پر سواری فرمائی۔ کچھ روایات کے مطابق، حضور ﷺ کے پس پشت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے تھے۔ ممکن ہے انہوں نے پہلے رکاب تھامی ہو اور پھر حضور اکرم ﷺ نے ازراہ محبت و عنایت انہیں اپنا ردیف بنالیا ہو، یا یہ کہ پہلے وہ ردیف بنے ہوں اور اُس کے

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱، باب ذکر معراج

بعد نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کے لیے اتر کر رکاب تھام لی ہو۔ براق ایک نخلستان میں پہنچا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! یہاں دو گانہ ادا فرمائیے، یہ شرب کی زمین ہے جسے بعد میں مدینہ منورہ کہا جائے گا۔ جب مدین اور عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ جناب (ﷺ)! یہاں پر بھی دو گانہ ادا فرمائیے۔ وہاں حضور ﷺ نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ یہ بڑھیا کون ہے؟ عرض کیا کہ حضور (ﷺ) بڑھے چلیے۔ پھر آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جانب ایک شخص کھڑا ہے اور وہ آپ ﷺ کو بلارہا ہے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ حضور بڑھے چلیے۔ ایک جماعت پر گزر رہا تو اُس نے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا، وہ کہہ رہی تھی، ”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِمٍ“ اس پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! ان کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب عنایت فرمایا۔ اُس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ بوڑھی عورت جسے حضور (ﷺ) نے ملاحظہ فرمایا، دُنیا تھی۔ دُنیا کی عمر اتنی باقی ہے جتنی اُس بڑھیا کی عمر باقی ہے اور وہ شخص جس نے حضور (ﷺ) کو مخاطب کیا تھا، ابلیس تھا۔ اگر آپ (ﷺ) اُس کی طرف التفات فرماتے اور اُسے جواب دیتے تو آپ (ﷺ) کی اُمت دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور شیطان اُسے گمراہ کرتا اور وہ جماعت جو آپ (ﷺ) پر سلام عرض کر رہی تھی وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (ﷺ) تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا گذر موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے کہا ”اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ“، یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ پھر حضور ﷺ کا گذر ایسے نیک و بد لوگوں کے گرد ہوا اور قوموں پر ہوا جو عالم برزخ و مثال میں اپنے

احوال و افعال کے ثمرات و نتائج میں مشغول و گرفتار تھے۔ آپ ﷺ بیت المقدس پہنچے اور براق کو مسجد کے دروازے پر باندھا (اُس دروازے کو اب بابِ محمد ﷺ کہا جاتا ہے) اور اندر تشریف لے گئے، وہاں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کی۔ یہاں آپ ﷺ کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کی ارواح مقدسہ بھی متمثل ہو کر حاضر ہوئیں، خدا کی حمد و ثناء کی اور آپ ﷺ پر صلوة و سلام عرض کی۔ سب نے آپ ﷺ کی افضلیت کا اعتراف کیا۔ اذان کہی گئی، نماز کے لیے اقامت ہوئی اور سب نے آپ ﷺ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ آپ ﷺ نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء و ملائکہ علیہم السلام نے اقتدا کی۔ جب حضور اکرم ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے تو جبرائیل علیہ السلام نے ایک پیالہ شراب کا اور ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! آپ (ﷺ) کو اختیار ہے کہ جو پیالہ چاہیں نوش فرما سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دودھ کے پیالہ کو پسند فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ کہا: ”أَصَبْتُ فَأَصَابَ اللَّهُ بِكَ“، یعنی آپ نے راہِ صواب (نیکی اور راستی کی راہ) کو اختیار فرمایا۔ ایک اور روایت کے مطابق جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی اور اس کی طرف راغب ہو جاتی۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ دو پیالے آئے، ایک دودھ کا تھا اور ایک شہد کا۔ ایک روایت میں ہے کہ تین پیالے آئے، ایک دودھ کا دوسرا پانی کا تیسرا شراب کا، اس میں شہد کا ذکر نہیں ہے۔ بہر حال حضور ﷺ نے دودھ کو ہی پسند فرمایا۔ بروایت یہ پیالے ”سدرۃ المنتہی“ کے قریب پیش کیے گئے پھر جنت الفردوس سے ایک سیڑھی لائی گئی جس کے دائیں اور بائیں فرشتے تھے اور آپ ﷺ اُس کے ذریعے آسمانوں پر پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ نے اُن انبیاء کرام کو دیکھا جنہیں آپ ﷺ کے

استقبال اور ملاقات پر مامور فرمایا گیا تھا۔^①

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس سفرِ معراج میں جو حالات و حکایات روایتوں میں مذکور ہیں وہ یوں ہیں کہ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے اور اوپر تشریف لے جانے لگے تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے اور کہا کہ ایک شخص جسے میرے بعد بھیجا گیا اُسے ایسا برگزیدہ فرمایا گیا کہ اُس کی اُمت میری اُمت سے پہلے جنت میں جائے گی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہی کی جانب لے جایا گیا۔ اس جگہ مخلوق کے اعمال اور علوم ختم ہو جاتے ہیں، امر الہی نزول فرماتا ہے، احکام حاصل کیے جاتے ہیں اور فرشتے یہیں ٹھہرتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھنے اور وہاں سے تجاوز کرنے کی کسی میں تاب و توان نہیں ہے، سوائے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ پس، حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اسی جگہ رُک گئے اور آپ سے جُدا ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور جُدا ہونے کا یہ کون سا مقام ہے؟ یہ جگہ ایسی تو نہیں کہ دوست، دوست کو چھوڑ کر جُدا ہو جائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر میں ایک انگلی کے برابر بھی آگے جاؤں گا تو جل جاؤں گا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہی چھٹے آسمان میں ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ ساتویں میں ہے اور ان دونوں روایتوں کی تطبیق اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کی جڑ تو چھٹے آسمان میں ہے اور شاخیں ساتویں آسمان میں۔ سدرۃ المنتہی سے چار نہریں نکلتی ہیں، دو ظاہر ہیں اور دو باطن ہیں۔ باطن وہ ہیں جو جنت میں جاتی ہیں اور ظاہر وہ ہیں جو نیل و فرات کہلاتی ہیں۔ سدرۃ المنتہی کو انوار ڈھانپے ہوئے ہیں سونے کے پرندوں اور پتنگوں کی مانند اور ہر ایک پتے پر ایک فرشتہ مامور ہے اور اس مقام کی تعریف و توصیف حدِ قیاس و عقل سے باہر ہے۔ اس کے بعد بیت المعمور نمودار ہوا اور اُس سے پردہ اُٹھایا گیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں، ثُمَّ رُفِعَ إِلَى الْبَيْتِ

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱، باب ذکر معراج

الْمَعْمُور (پھر بیت معمور کی طرف لایا گیا)۔ بیت معمور وہ مسجد ہے جو خانہ کعبہ کے بالکل اوپر واقع ہے۔ (یعنی اگر خانہ کعبہ سے ایک عمودی خط ۹۰ ڈگری کے زاویے سے کھینچا جائے تو وہ سیدھا بیت معمور تک پہنچے گا۔ مؤلف)۔ یہ وہ گھر ہے جسے آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر اترنے کے بعد بھیجا گیا اور آدم علیہ السلام کے بعد اٹھالیا گیا۔ آسمان پر اس کی قدر و منزلت ایسی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی۔ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور اس کی طرف (رُخ کر کے) نماز پڑھتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو حضرت خلیل اللہ (علیہ السلام) کو بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھ ہوئے دیکھا۔ آپ کے پاس ایک بہت خوش رو جماعت حاضر تھی، میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے بھی مجھ پر سلام بھیجا۔ میں نے وہاں اپنی اُمت کو دو جماعتوں میں منقسم پایا، ایک جماعت سفید لباس میں تھی اور دوسری ملگجے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ سفید لباس والی جماعت میرے ہمراہ بیٹھ المعمور آئی اور ملگجے لباس والی جماعت پیچھے رہ گئی۔ میں نے ان سفید لباس والوں کے ساتھ بیٹھ المعمور میں نماز پڑھی۔ (یہاں لباس کی سفیدی حُسنِ اعمال سے کنایہ ہے)۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک جماعت ایسی دیکھی جو سفید اور خوش رنگ مانند قرطیس (کوراکاغذ) تھی اور ایک جماعت اور تھی جن کی رنگت تیرگی و تاریکی مائل تھی۔ وہ جماعت ایک نہر پر آئی اور غسل کیا تو اُن کی رنگتیں کچھ صاف ہو گئیں پھر وہ دوسری نہر پر آئی اور غسل کیا تو اُن کی رنگتیں مکمل طور پر اُس جماعت کی مانند ہو گئیں جو سفید اور خوش رنگ تھی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید و خوش رنگ چہرے والوں کے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں اور وہ تیرہ رنگت والی جماعت کون ہے اور ٹیک لگائے ہوئے کون صاحب بیٹھے ہیں اور یہ نہریں کون سی ہیں جن میں آکر انہوں نے غسل کیا؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ٹیک لگائے ہوئے یہ صاحب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سفید لباس والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم

کی آمیزش سے محفوظ رکھا اور تیرہ رنگ والے وہ ہیں جنہوں نے اعمالِ صالحہ کو اعمالِ بد سے ملا دیا پھر انہوں نے توبہ کی اور حق تعالیٰ نے ان پر رحمت فرمائی اور نہروں میں یہ پہلی نہر، نہرِ رحمت ہے اور دوسری نہر، نہرِ نعمت ہے۔ اس کے بعد حضور سید عالم ﷺ کی سواری اور بلند ہوئی یہاں تک کہ اُن فرشتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو حق تعالیٰ کی تقدیر کی کتابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے سامنے جنت اور دوزخ کو لایا گیا، اُن صفات و خوبیوں کے ساتھ جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں۔ پس آپ ﷺ نے جنت کو رحمتِ الہی کا مظہر اور دوزخ کو حق تعالیٰ کے عذاب و غضب کی جگہ ملاحظہ فرمایا۔ جنت کھلی ہوئی تھی اور دوزخ بند تھا۔ پھر آپ ﷺ نے چشمہٴ سلسبیل میں غسل فرمایا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سید عالم ﷺ کو جنت کے درختوں میں سے ایک احسن و طیب درخت (طوبی) کا پھل کھلایا گیا جو آپ ﷺ کی پشتِ مطہر میں نطفہٴ اقدس بن گیا۔ پس جب آپ ﷺ زمین پر تشریف لائے اور اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ طاہرہ علیہا السلام کے حقوق و زوجیت ادا فرمائے تو صدفِ مادر میں گوہرِ خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ الزہرا علیہا السلام قرار پایا۔ جب سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرما چکے تو قربِ الہی میں باریابی اور حضوری کا وقت آیا۔ آپ ﷺ اُس مقام پر پہنچے تو سب سے تعلق منقطع ہو گیا، کوئی فرشتہ اور انسان آپ ﷺ کے ساتھ نہ تھا اور آپ ﷺ تنہا رہ گئے۔ ابھی ستر نورانی حجاب ایسے تھے کہ ایک حجاب دوسرے کے ہم مثل نہ تھا۔ روایت ہے کہ ہر حجاب کی تہہ موٹائی میں پانچ سو سال کی مسافت کے برابر تھی اور ابھی اُن کا طے کرنا باقی تھا پس آپ ﷺ نے اُن سب کو حق تعالیٰ کی مدد اور اعانت سے قطع فرمایا۔ پھر حق جل مجدہ سے ندا آئی، ”اُدْنُ يَا خَيْرُ الْبَرِيَّةِ اُدْنُ يَا أَحْمَدُ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ“ یعنی اے ساری مخلوق سے افضل! قریب ہو جائیے، اے احمد (ﷺ)! قریب ہو جائیے، اے محمد (ﷺ)! قریب ہو جائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میرے رب نے مجھے اپنے قریب کیا اور میں اتنا نزدیک ہو گیا کہ دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا،

بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر میرے رب نے مجھ سے کچھ دریافت فرمایا تو مجھ میں اتنی تاب نہ تھی کہ جواب دے سکتا۔ اُس وقت (اللہ تعالیٰ نے) اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان بے کیف و حد بڑھایا، میں نے اُس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہء گنجینہ میں محسوس کیا۔ اُس وقت مجھے تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا اور طرح طرح کے علوم تعلیم فرمائے جن میں سے ایک علم ایسا تھا جس کے ظاہر نہ کرنے کا عہد مجھ سے لیا گیا کہ اسے کسی سے نہ کہوں اور کوئی اس کو برداشت کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ جز میرے، ایک علم ایسا تھا جس کے ظاہر کرنے اور چھپانے کا مجھے اختیار دیا اور ایک علم ایسا تھا جس کو اپنی اُمت کے ہر خاص و عام میں تبلیغ کا حکم فرمایا۔ پھر میرے لیے سبز رنگ کا رُف (دیبا وغیرہ سے بنایا گیا نرم بچھونا) بچھایا گیا جس کا نُور آفتاب کے نُور پر غالب تھا، اُس سے میری آنکھوں کا نُور چمکنے لگا۔ مجھے اُس رُف پر بٹھایا گیا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہوا یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا۔ پھر ایک ایسا عظیم امر دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں۔ تب عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور میری زبان پر گرا۔ میں نے اُس کو چکھنا، اس سے زیادہ شیریں چیز کبھی کسی نے نہ چکھی ہوگی۔ اُس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دل سے دیکھا اور اپنے پسِ پشت بھی ایسے ہی دیکھنے لگا جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔^(۱)

معراج النبی ﷺ کی تاریخ میں اختلاف ہے، اسکی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا۔^(۲)

مختلف مؤرخین نے اس کی مختلف تواریخ بیان کی ہیں، ایک روایت کے مطابق معراج کا واقعہ ۲۷ رجب ۱۰ انبوت کو پیش آیا۔^(۳)

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱، باب ذکر معراج

^(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۱ ص ۹۶

^(۳) علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۱

دوسری روایت کے مطابق ۲۷ رجب کو اعلانِ نبوت کے بارہویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا جبکہ واقدی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی معراج، مکہ میں، ہجرت سے چھ ماہ قبل، ۱۷ رمضان کی شب، دارِ اُمّ ہانی بنت ابی طالب سے اور بعض کے نزدیک خانہء حضرت خدیجہ کبریٰ ؓ سے اور کچھ کے مطابق شعب ابوطالب سے تھی۔ حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ معراج ۲ ربیع الاول کو اعلانِ نبوت کے دو سال بعد ہوئی۔^①

”الرحیق المختوم“ میں مندرجہ ذیل اقوال درج ہیں:^②

۱۔ بحوالہ طبری جس سال آپ ﷺ کو نبوت دی گئی (یعنی اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا) اُسی سال معراج بھی واقع ہوئی۔

۲۔ نبوت (اعلانِ نبوت) کے پانچ سال بعد معراج ہوئی۔

۳۔ نبوت (اعلانِ نبوت) کے دسویں سال ۲۷ رجب کو معراج ہوئی۔

۴۔ ہجرت سے ۱۶ ماہ قبل، نبوت (اعلانِ نبوت) کے بارہویں سال ماہ رمضان میں معراج ہوئی۔

۵۔ ہجرت سے ۱۴ ماہ پہلے، نبوت (اعلانِ نبوت) کے تیرہویں سال ماہ محرم الحرام میں معراج ہوئی۔

۶۔ ہجرت سے ۱۲ ماہ قبل، نبوت (اعلانِ نبوت) کے تیرہویں سال ماہ ربیع الاول میں معراج ہوئی۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ ۝



① مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۴

② مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۱۹۷، بحوالہ طبری

معراجُ انسبی صلی اللہ علیہ وسلم

(اہل تشیع کی نظر میں)

مولانا ظفر حسن صاحب تفسیر القرآن میں سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ مفسرین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ معراج خانہ کعبہ کے حجرہ سے ہوئی یا حضرت اُمّ ہانیؓ خواہر حضرت علیؓ کے گھر سے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج روحانی تھی یا جسمانی۔ جو لوگ روحانی معراج کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ خواب میں ایسی عجیب چیزیں تو ایک کافر کو بھی نظر آ سکتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ذکر؟ دوسرے اگر روحانی معراج ہوتی تو اس اہتمام سے اس کا ذکر نہ کیا جاتا کہ شروع میں اللہ تعالیٰ ”سُبْحَانَ الَّذِي“ کہہ کر اپنی عظمت و جلالت کا اظہار کرتا ہے پھر لفظ ”عَبْدُ“ بیان فرماتا ہے۔ ”عبد“ کا اطلاق جسم و روح دونوں پر ہوتا ہے نہ کہ صرف روح پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں پر جانے سے متعلق روایت یہ ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام براق لے کر آئے جس کی شکل گھوڑے کی سی تھی اور اس کے دو پر بھی تھے۔

سورج کی کرنیں دریاؤں سے لاکھوں من پانی اٹھا کر آسمان پر لے جاتی ہیں کیا اسی طرح اللہ کی بھیجی ہوئی برقی قوت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر نہیں جاسکتے تھے؟ اسی برقی قوت کا نام اگر براق رکھا جائے تو کیا خرابی لازم آتی ہے؟

مسجدِ اقصیٰ کیا ہے؟ مسلمانوں کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ اس سے مراد وہی مسجدِ اقصیٰ ہے جو روئے زمین پر موجود ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں تک پہنچانے میں کیا اعجازی شان پیدا ہوئی اور کیا عجائباتِ قدرت دکھانے کو خدا نے وہاں تک پہنچایا؟ اس مسجدِ اقصیٰ میں تو آئے دن

لوگ آتے جاتے رہتے ہیں اگر رسول ﷺ چلے گئے تو کیا کمال دکھایا؟
 دراصل مسجد اقصیٰ سے مراد وہ مسجد ہے جو انتہائی سجدہ کی جگہ ہے یعنی عالم امکان کی آخری حد جس
 سے اوپر کوئی نہیں جاسکتا کیونکہ اس سے بالاتر لامکاں ہے۔ یہی خدا کی سب سے بڑی آیت
 (نشانی) ہو سکتی ہے کہ خدا نے حضور ﷺ کو عالم امکان کی آخری حد تک پہنچا دیا جہاں مقرب
 فرشتہ جبرائیل بھی نہ جاسکا کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے سدرۃ المنہبیٰ تک جا کر ساتھ چھوڑ دیا تھا اور یہ
 کہہ کر علیحدہ ہو گئے تھے:

اگر یک سرموئے برتر پریم فروغِ تحسلی بسوزد پریم

(اگر میں ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جل جائیں گے)

جبرائیل علیہ السلام کو سدرہ پر چھوڑ کر آپ قاتِ قوسین (دو کمانوں کا فاصلہ، یعنی نہایت قریب) کے
 مقام تک پہنچے.... سدرہ سے آگے بڑھنے میں راویوں نے کسی براق کا ذکر نہیں کیا اور نہ واپسی کے
 وقت یہ بتایا کہ وہ بھی براق ہی کے ذریعے سے ہوئی تھی یا کوئی اور صورت تھی۔

کیا یہ خدا سے ملاقات تھی؟ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کیا خدا وہاں بیٹھا تھا جس سے ملنے کو
 رسول ﷺ وہاں پہنچے؟ کیا رسول ﷺ نے خدا سے ملاقات کی تھی اور اُس سے ہاتھ ملایا تھا؟
 استغفر اللہ! ایسا خیال انہیں کے دل و دماغ میں گردش کر سکتا ہے جو خدا کے مجسم ہونے کے قائل
 ہیں اور قیامت میں خدا کے دیدار کی آرزو رکھتے ہیں۔ خدا نے رسول ﷺ کو اس لیے نہیں بلایا
 تھا کہ وہ رسول ﷺ سے ملاقات کرے۔ جو ذاتِ پاک رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے
 اُس کو ملاقات کے لیے وہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسی ملاقاتیں تو ہمارے مادی وجود میں
 ہی ہوتی ہیں، خدا تو جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات سے مبرا و منزہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم امکان ہے، ایک عالم نور ہے۔ رسول ﷺ عالم نور کی مخلوق تھے
 جہاں وقت جگہ اور جہات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خدا نے چاہا کہ اپنے حبیب ﷺ کو تمام

عالم امکان کی سیر کرائے اور اس کی حد آخر دکھائے جو عالم نُور سے ملی ہوئی ہے اور جہاں قدرت الہی کے کرشمے عالم امکان سے کہیں زیادہ ہیں۔ وہ خود فرماتا ہے، ”تا کہ ہم اُس کو اپنی آیات (نشانیاں) دکھا دیں“ نہ کہ اپنے (آپ) کو دکھا دیں۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ہم نے اُس مسجد اقصیٰ کو اپنی برکات سے پر نور بنا رکھا ہے۔

”سُبْحَنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بَرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهُ مِنَ الْاَيْتَانِ ۚ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ“^①

(پاک ہے وہ جو اپنے بندہ خاص کو رات کے قلیل عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، وہ جس کے گرد اگر وہم نے برکتیں رکھیں تا کہ دکھائیں ہم انہیں اپنی نشانیاں بیشک وہ مستند دیکھتا ہے)

ایک اعتراض یہ ہے کہ خدا نے رسول ﷺ کو جنت و دوزخ کی سیر کرائی اور ملائکہ کے مقامات دکھائے تو گویا کسی کو دوزخ میں جلتے اور کسی کو جنت میں آرام کرتے دکھایا تو یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ کیا رسول ﷺ نے دوزخ میں جا کر لوگوں کے عذاب کی صورت دیکھی تھی؟ یہ تو بعید از عقل ہے۔ اسی طرح جنت میں جا کر پھر باہر کیسے آئے؟ حالانکہ اُس کی صفت یہ ہے کہ جو جائے گا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔ نیز یہ کہ جنت اور دوزخ میں لوگوں کی حالت کیسے دکھائی؟ جب کہ قیامت کے سوال و جواب سے پہلے نہ کوئی جنت میں جا سکتا ہے نہ دوزخ ہی میں۔ یہ سیر دُور سے بھی ہو سکتی ہے جنت و دوزخ کوئی بند مقام نہ تھے کہ اُن کے اندر ہی جا کر دیکھا جائے۔ اُن سے متعلق بوقت سیر یہ بھی اشارہ سے بتایا جا سکتا تھا کہ یہ جنت ہے یہ دوزخ ہے، اندرونی حالات سے فرشتہ آگاہ کر سکتا تھا، اب رہا جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات کا مشاہدہ، یہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ جنتیوں اور دوزخیوں پر بعد قیامت جو کچھ گزرے گی وہ حضور ﷺ کو قرآن سے معلوم ہو چکا تھا پس اس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

① سورة الاسراء، آیت 1

یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ اتنی جلد جا کرواپس آجائیں کہ بسترِ خواب گرم ہی رہے؟ مشکل یہ ہے کہ لوگ قدرتِ الہی کا اندازہ اپنی اپنی صلاحیت سے کرتے ہیں۔ جس خدائے قادر و قیوم نے انسان کی آنکھ میں یہ قوت دی ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں سارے آسمان کا مشاہدہ کر کے پلٹ آتی ہے اور اسی قلیل مدت میں چاند ستارے سب کچھ دیکھ لیتی ہے، اُس خدا نے اگر اپنی ایک خاص مخلوق کو اتنی جلد سیر کروا کرواپس کر دیا تو تعجب کی کیا بات ہے؟ جس خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین پر ملکوتِ سماوات والارض کو فوراً دکھا دیا تھا، جس خدا نے آصف کو یہ قوت دی تھی کہ وہ پلک جھپکتے سیکنڈوں میں دُور سے بلقیس کا تخت اٹھالائے، اُس کے لیے کیا دشوار تھا کہ تھوڑی سی مدت میں اپنے محبوب کو تمام عالم امکان کی سیر کرا دے؟ اب تو یہ بات سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے، انسان کا بنایا ہوا راکٹ ایک منٹ میں ہزاروں میل سفر طے کر جاتا ہے تو خدا اپنے بندے کو عالم امکان کی سیر کرا کے اتنی جلد کیوں نہیں واپس لاسکتا؟ فرشتے کی طاقت کو دیکھو جب جناب ابراہیم علیہ السلام منجیق سے جدا ہو کر آتشِ نمرود کی طرف چلے تو جبرائیل علیہ السلام نے آدھی راہ میں ہی آسمان سے نزول کر کے انہیں آلیا۔ کیا یہ سرعتِ سمجھ میں آسکتی ہے؟ ہمارے رسول ﷺ جبرائیل علیہ السلام سے برتر و افضل ہیں، اگر ان کے لیے ایسا ہوا تو کیا تعجب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ قدرت کے راز ہیں ان کو انسان سمجھ ہی نہیں سکتا۔^(۱)

معراجِ جسمانی یا معراجِ روحانی؟

اس حد تک تو تمام اہل اسلام بلا تفریق عقائد متفق ہیں کہ حضور ﷺ معراج پر تشریف لے گئے، لیکن کیسے تشریف لے گئے، اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک معراج کا عقیدہ ضروریاتِ مذہب سے ہے اور اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے جیسا کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ جو معراج کا انکار کرے وہ میری امت سے خارج ہے۔^(۲)

^(۱) مولانا سید ظفر حسن، تفسیر قرآن (سورۃ الاسراء/بنی اسرائیل) ج ۳، ۷ تا ۱۳، ۱۲

^(۲) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸، ص ۲۵۶

اہل اسلام میں معراج سے متعلق تین خیالات پائے جاتے ہیں:^①

۱۔ معراج روایا: پیغمبر ﷺ سے اور اسلام کی قدروں سے آشنا لوگ، دشمنان اسلام کی تنقیدات سے مرعوب ہو کر معراج کو خواب کہتے رہے۔

۲۔ معراج روحانی: جنہوں نے اس کو خواب کی حقیقت سے آگے بڑھایا وہ اسے معراج روحانی کہہ کر آگے نہ بڑھ سکے۔

۳۔ معراج جسمانی: مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ کو معراج جسمانی نصیب ہوا اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

علامہ طبری ”مجمع البیان“ میں بیان فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس کو نیند کا واقعہ بتاتے ہیں سراسر غلط کہتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں یہ معجزہ نہیں رہتا اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ناطق ہے۔^②

علامہ حسین بخش جاڑا تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں لکھتے ہیں، معراج سے متعلق ہمارے ہاں متعدد روایات موجود ہیں اور بہت سے صحابہ کرام ان کے راوی ہیں مثلاً حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت انس، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت حذیفہ، حضرت ام ہانی اور حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) وغیرہ البتہ ان روایات میں الفاظ کی کمی بیشی ضرور ہے، پس ہم ان روایات کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) وہ احادیث جن کی صحت کا ہمیں علم ہے کیونکہ وہ تواتر سے منقول ہیں اور ان میں حضور ﷺ کا (جسمانی طور پر) معراج پر جانا بیان کیا گیا ہے۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ خواب میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں معراج پر تشریف لے گئے۔

(۲) وہ احادیث جن کا مضمون عقلاً ممکن ہے اور اصول بھی ان کو قبول کرتے ہیں، مثلاً آپ

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۶ تا ۲۵۷

② علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۶ بحوالہ علامہ طبری، مجمع البیان

ﷺ کا آسمانوں کی سیر کرنا، انبیاء و ملائکہ کے ساتھ ملاقاتیں کرنا، عرش، سدرۃ المنتہیٰ اور جنت و دوزخ وغیرہ کا مشاہدہ کرنا۔

(۳) وہ احادیث جو ظاہراً اُصول سے ٹکراتی ہیں لیکن اُن کی تاویل کی جاسکتی ہے مثلاً آپ ﷺ کا جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھنا (ان میں اصولی مخالفت یہ ہے کہ روزِ جزا سے پہلے لوگ اپنے اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لیے جنت یا دوزخ میں کیسے پہنچ گئے؟) پس اس کی تاویل یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اُن کی مثالیں دکھائی گئیں۔

(۴) وہ حدیثیں جو ظاہراً صحیح نہیں ہیں اور نہ ہی اُن کی تاویل کی جاسکتی ہے۔ پس ہم انہیں قبول نہیں کرتے مثلاً یہ کہ آپ ﷺ نے اللہ کو دیکھا یا اُس کے ساتھ تخت پر بیٹھے یا آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو شوق کیا گیا اور دلِ اطہر کو دھویا گیا وغیرہ۔ خداوند کریم جسم و جسمانیات اور مخلوق کی تشبیہ سے بلند و بالا ہے اور حضور ﷺ ہر عیب و کثافت سے طاہر و مطہر پیدا ہوئے نیز دل کی کثافتوں کو پانی کے ساتھ دھونا غیر معقول بات ہے۔

براق

براق، گدھے سے بڑا اور نچر سے چھوٹا تھا، اُس کا چہرہ انسان نما، دُم بیل جیسی، گردن کے بال گھوڑے کی طرح اور پاؤں اُونٹ کی مانند تھے، وہ جنت کی زمین سے مزین تھا، دونوں پٹھوں کے اوپر دوپڑے اور اُس کے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ حدِ نگاہ تک تھا۔^①

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے براق کو میرے لیے مخفر فرمایا، وہ جنت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے، نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا، اگر خدا اُس کو اذن دے تو وہ ایک ہی دوڑ میں دُنیا و آخرت کا احاطہ کرے۔ براق جنت کے تمام

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۷ بحوالہ تفسیر مجمع البیان

حیوانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔^(۱)

برایتِ روضۃ الواعظین، جناب رسالت مآب ﷺ سے منقول ہے کہ اُس کا چہرہ انسان نما، رخسار گھوڑے جیسے، گردن کے بال موتیوں کی لڑیوں کی طرح، کان سبز زبرجد جیسے، آنکھیں چمکدار تاروں کی مانند، مضبوط جسم اور ہاتھ پاؤں دراز، آدمیوں کی طرح سانس لیتا ہے، بات سنتا اور سمجھتا ہے، گدھے سے بڑا اور نچر سے چھوٹا ہے (یعنی اُس کا قد و قامت درمیانہ، مناسب اور موزوں ہے)۔^(۲)

واقعہ معراج پر اہل مکہ کا ردِ عمل

تفسیر برہان میں بروایتِ قتی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مکہ میں مَحْوَخِواب تھا، علی (علیہ السلام) دائیں طرف، جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) بائیں جانب اور حمزہ (رضی اللہ عنہ) میرے سامنے موجود تھے۔ میں نے فرشتوں کے پروں کی آواز سنی۔ ایک نے (جبرائیل سے) پوچھا کہ اے جبرائیل! تجھے کس کے پاس جانا ہے؟ جبرائیل (علیہ السلام) نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کے پاس اور یہی تمام بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل بیدار رہتا ہے اور کان سنتے ہیں، یہ علی (علیہ السلام) ان کے وصی، وزیر، داماد اور خلیفہ ہیں اور وہ ان کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) ہیں اور وہ ان کے چچا زاد بھائی جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) ہیں جن کو دو تر و تازہ پر عطا ہوں گے اور وہ ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ایک بادشاہ ہے جس نے گھر بنوایا، دسترخوان لگایا اور دعوت کے لیے قاصد بھیجا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ بادشاہ اللہ ہے، دُنیا گھر ہے، جنت دسترخوان ہے اور دعوت کے لیے بھیجا گیا قاصد میں ہوں۔

پس جبرائیل علیہ السلام نے بڑھ کر براق حاضر کیا، بیت المقدس تک سیر کرائی اور انبیاء کرام کے محراب

^(۱) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۷ بحوالہ تفسیر برہان

^(۲) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۷ بحوالہ روضۃ الواعظین

اور نشانیاں دکھائیں۔ آپ ﷺ نے معراج کی اور راتوں رات واپس بھی پہنچے، واپسی پر قریش کے ایک قافلے کے پاس سے گذر ہوا، اُس وقت قافلے والے اپنے ایک گمشدہ اُونٹ کو تلاش کر رہے تھے، آپ ﷺ نے وہاں رکھے ہوئے ایک برتن سے کچھ پانی پیا اور باقی (مصلحتاً) گرا دیا۔ آپ ﷺ واپس پہنچے اور صبح ہوتے ہی قریش کو اپنے سفرِ معراج کا واقعہ سنایا۔ ابو جہل نے لوگوں سے کہا کہ اب موقع ہے اس (واقعہ) سے متعلق سوال کرو۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ ایسے پیچیدہ سوالات کیے جائیں جن کا جواب رسول اللہ ﷺ نہ دے سکیں اور آپ ﷺ کو جھوٹا ثابت کیا جائے (نعوذ باللہ)۔ پس اُنہوں نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) ! ہم میں سے بعض لوگ بیت المقدس دیکھ چکے ہیں، ذرا بتائیے اُس کے محراب کتنے ہیں، ستونوں کی تعداد کیا ہے اور وہاں قدیمیں کتنی آویزاں ہیں؟ ادھر یہ سوال کیا گیا اور ادھر جبرائیل علیہ السلام نے چشمِ زدن میں بیت المقدس کا نقشہ اور بروایتِ ماڈل، آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا جو دوسروں کو دکھائی نہیں دیتا تھا پس آپ ﷺ نے اُن کو جواب بالصواب دیا۔ پھر جب آپ ﷺ نے اُن کو راستے میں ملنے والے قافلہ کی روداد سنائی تو کہنے لگے کہ جب وہ قافلہ آئے گا تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قافلہ فلاں تاریخ کو طلوعِ آفتاب کے وقت پہنچے گا اور سب سے آگے سرخ رنگ کا ایک اُونٹ ہوگا۔ پس اُس دن قریش طلوعِ آفتاب سے پہلے ہی شہر کے باہر جا کھڑے ہوئے اور قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر سورج نے آنکھ کھولی ادھر قافلہ بھی آپہنچا، اُس کے آگے آگے سرخ رنگ کا ایک اُونٹ بھی تھا۔ قریش نے قافلہ والوں سے باز پرس کی تو اُنہوں نے بتایا کہ واقعی فلاں شب کو ہمارا ایک اُونٹ گم ہوا تھا اور فلاں مقام پر ہم نے پانی کا برتن رکھا تھا اور صبح کو دیکھا تو اُس میں سے پانی گرایا جا چکا تھا۔ یہ سب کچھ سننے اور یقین کر لینے کے باوجود، ایمان لانے کی بجائے قریش کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا۔ ایک روایت ہے کہ معراج پر جاتے ہوئے آپ ﷺ کا گذر ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے

ہوا۔ رات تاریک تھی، آپ ﷺ مال سے لدے ہوئے اُونٹوں کے قریب سے گزرے تو براق کی صرصر اُٹھ (صرصر، تیز ہوا یا آندھی وغیرہ چلنے کی آواز) سے اُونٹ ڈر گئے اور ایک شخص نے دوسرے کو آواز دے کر بلایا کہ او فلاں! دیکھ تو سہی اُونٹ ڈر گئے ہیں، فلاں کا بارگر چکا ہے اور فلاں کا اگلا پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔ ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق تو کی لیکن اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہا۔^①

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ میں نے (معراج سے) واپسی پر جبرائیل سے کہا کہ تمہاری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ اُس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے اور میری جانب سے خدیجہ کبریٰ کو سلام کہیے گا۔ پس آپ ﷺ نے سلام پہنچایا تو جناب خدیجہ علیہا السلام نے کہا:

”إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَالْيَهُ السَّلَامُ وَعَلَىٰ جِبْرَائِيلَ السَّلَامُ“

(بیشک اللہ ہی سلامتی ہے اور اُسی سے سلامتی ہے اور اُسی کی طرف سلامتی ہے اور جبرائیل پر سلامتی ہے) علامہ حسین بخش جاڑا بحوالہ تفسیر مجمع البیان لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جب اہل مکہ کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا تو مطعم بن عدی نامی ایک شخص کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دو ماہ کا سفر آپ (ﷺ) نے ایک گھنٹہ میں طے کر لیا؟ پھر کہنے لگا کہ اپنے سفر کے حالات میں سے کچھ بیان کیجئے۔ آپ ﷺ نے راستے میں ملنے والے ایک قافلہ کا ذکر کیا، قافلے والوں کے اُونٹ کا گم ہونا اور اُن کے پیالہ سے پانی پینا بیان فرمایا۔ اُس نے کہا کہ یہ ایک نشانی ہے۔ تب آپ ﷺ نے دوسرے قافلہ کا ذکر کیا، اُونٹ سے بوجھ کا گرنا اور ایک اُونٹ کی ٹانگ ٹوٹنا بیان فرمایا تو کہنے لگا کہ یہ دوسری نشانی ہے۔ پھر پوچھا کہ وہ اُونٹ کہاں تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں مقام تنعیم پر اُن کے پاس سے گزرا تھا۔ آپ ﷺ نے اُونٹوں کی تعداد تیس بتائی،

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۸، ۲۵۹

اُن پر لدے ہوئے مال کی تفصیل سے آگاہ کیا، اُن کے ہمراہ غلاموں کے نام اور خلیے بیان کیے اور فرمایا کہ طلوعِ شمس کے وقت وہ آپہنچیں گے، سب سے آگے گھنے بالوں والا اُونٹ ہوگا۔ اُس نے کہا کہ یہ تیسری نشانی ہے۔ پس لوگ تصدیق کے لیے شہر سے باہر پہنچے اور قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر ایک نے کہا کہ وہ دیکھو! سورج طلوع ہو رہا ہے تو دوسرا بولا کہ لو! وہ قافلہ بھی آپہنچا ہے۔ سب مبہوت و حیران رہ گئے۔ سب نشانیوں کی تصدیق ہو گئی لیکن وہ ایمان نہ لائے۔^(۱)

معراج کا سفر نامہ

علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرارِ مصحف میں لکھتے ہیں:

رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں اپنی بہن (چچا زاد بہن، حضرت اُمّ ہانی بنت ابوطالبؓ) کے گھر پر آرام فرما رہے تھے جب معراج کا واقعہ پیش آیا، بعضوں نے اس ضمن میں مسجد الحرام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محو خواب ہونا بھی بیان کیا ہے تو واضح رہے کہ حدودِ حرم کے اندر ساری جگہ پر مسجد الحرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بروایتِ ثقی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تین فرشتے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) براق کے ساتھ نازل ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں براق کی لگام تھی دوسرے رکاب تھامے ہوئے تھے اور تیسرے براق کی زین کو درست کر رہے تھے۔ بروایتِ عیاشی، جبرائیل علیہ السلام جنت سے پانی بھی لائے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا۔ ”کافی“ میں ہے کہ ذاتِ رب العزت نے نُور کی ایک عماری (ڈولی، ہودا جو ہاتھی کی سواری کے لیے استعمال ہوتا ہے وغیرہ) کا انتظام فرمایا تھا جو انوارِ عرش میں سے چالیس اقسام کے انوار پر مشتمل تھی۔ اُن انوار کو دیکھنے کی انسان میں تاب و سکت نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس عماری پر سوار ہو کر آسمان کی جانب روانہ ہوئے تو نُور کی کرنیں آسمانِ اوّل تک پہنچیں۔ پس فرشتے ایک جگہ جمع ہو کر سجدہٴ ربانی میں گر گئے اور جبرائیل علیہ السلام نے نعرہٴ تکبیر بلند کیا۔

^(۱) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرارِ المصحف، ج ۸ ص ۲۵۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ اوّل پر:

بروایتِ مثنیٰ آسمانِ اوّل پر ایک فرشتہ موکل ہے جس کا نام اسماعیل ہے، اُس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار فرشتوں کا سردار ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی آواز سُن کر انہوں نے آسمان کا دروازہ کھولا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاندار استقبال کیا اور پھر آسمانِ اوّل کی سیر کرائی۔

بروایتِ ابنِ بابویہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں تشریف لائے اور یہاں ستر انبیاء کو نماز پڑھائی پھر جبرائیل علیہ السلام نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کیں اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ چاہیں تو نبوت کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت بھی لے لیں اور چاہیں تو نبوت کے ساتھ ساتھ عبدیت کی زندگی گزاریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہت کو ٹھکرا کر نبوت اور عبدیت کو قبول فرمایا۔

روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ کوفہ میں بھی دو رکعت نماز ادا کی نیز مدینہ طیبہ اور طورِ سینا پر بھی تشریف لے گئے اور علی الترتیب دو دو رکعت نماز پڑھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، اُن کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کی وہ تربیت فرما رہے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ بچے مومنوں کے ہیں جن کی پرورش حضرت ابراہیم علیہ السلام کرتے ہیں۔ (مثنیٰ کی روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آسمانِ ہفتم پر ہونا مذکور ہے اور اُسی آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات و گفتگو بیان کی گئی ہے) پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمام مرنے والوں کی ارواح کو تو ہی قبض کرتا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تو سب کو دیکھتا ہے؟ عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ساری دُنیا میرے قبضہ میں اس طرح ہے جس طرح انسان کے ہاتھ میں ایک سکہ ہو تو وہ جس طرح چاہے اُس کو الٹ پلٹ کرتا

رہے۔ میں دُنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ جھانکتا ہوں اور جب کسی مرنے والے کے غم میں اُس کے گھر والے رورہے ہوتے ہیں تو میں اُن سے کہتا ہوں کہ مت روئیں، مجھے تمہارے پاس بار بار آنا ہے حتیٰ کہ میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت بہت سخت چیز ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حضور (ﷺ)! بے شک موت سخت ہے لیکن موت کے بعد کا عالم اس سے بھی سخت ہے۔

بروایتِ ثقی، حضور ﷺ نے آسمانِ اوّل کی سیر کے دوران ایک ڈراؤنی شکل والے فرشتے کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ جہنم کا داروغہ ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کا تعارف کرایا تو اُس نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ کے شایانِ شان فرائضِ استقبال و آداب بجالایا اور جنت کی بشارت دی۔ آپ ﷺ نے اُسے حکم دیا کہ جہنم کے مُنہ سے ڈھکن اٹھاؤ۔ تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے اُس نے ڈھکن کھولا تو جہنم کے دیو پیکر شعلے بلند ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے بند کر دو، چنانچہ اُس نے جہنم کا منہ بند کر دیا۔

بروایتِ عیاشی منقول ہے کہ اُس کے بعد آپ ﷺ کو بھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا (میرا خیال ہے جناب رسول کریم ﷺ کو اپنی اُمت کے گنہگاروں کا غم رنجیدہ کرتا ہوگا کہ اُن کی بد اعمالیوں کے سبب اُن کا ٹھکانہ وہی جہنم ہوگا۔ مؤلف)، اسی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دھماکے کی آواز سنی تو جبرائیل علیہ السلام سے اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ اُنہوں نے بتایا کہ آج سے ستر برس پہلے میں نے جہنم کے کنارے کھڑے ہو کر ایک پتھر اس میں ڈالا تھا اب وہ اس کی تہہ میں پہنچا ہے اور یہ اُسی کی آواز ہے۔ (یعنی جہنم کی گہرائی اتنی زیادہ ہے کہ اُس میں پھینکا گیا پتھر ستر سال کی مسافت طے کرنے کے بعد اُس کی گہرائی میں پہنچتا ہے اور وہ ستر سال بھی اس جہان کے نہیں بلکہ اُس جہان کے ہوں گے۔ مؤلف)

بروایتِ ابنِ بابویہ، آپ ﷺ نے ایک گروہ کو اس حالت میں گرفتارِ عذاب دیکھا کہ جہنم کے

زنجیر اُن کی ہنسیوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ اُن زنجیروں سے لٹک رہے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ ان لوگوں کو خدا نے حلال (رزق) عطا فرمایا تھا لیکن یہ حلال کو چھوڑ کر حرام کے پیچھے بھاگتے تھے۔

پھر ایک قوم کو دیکھا جن کی کھالوں کو جہنم کی سلاخوں سے سیاجا رہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عورتوں کی عصمت دری کرتے تھے۔

پھر دیکھا کہ ایک شخص پر بوجھ لاداجا رہا ہے جسے اُٹھانے کی اُس میں سکت نہیں تھی، لیکن بجائے بوجھ میں کمی کرنے کے اُس میں مزید اضافہ کیا جا رہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ شخص دُنیا میں قرض اُٹھایا کرتا تھا مگر ادا نہیں کرتا تھا، حتیٰ کہ خود اُٹھالیا گیا۔

بروایتِ ممتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے آسمان پر دو فرشتے مقرر کیے ہیں جن میں سے ایک ہر وقت باواز بلند دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو سخی کو زیادہ عطا فرما اور دوسرا ہر وقت یہ بد دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو بخیل کو برباد کر۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو ملاحظہ کیا جن کے ہونٹ اُونٹ کے ہونٹوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور اُن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر انہیں کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ چغل خور لوگ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا جن کے سروں پر جہنمی ہتھوڑے برسائے جا رہے تھے، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جاتے تھے۔

پھر کچھ اور لوگوں کو گرفتار عذاب دیکھا، اُن کے منہ میں آگ ڈالی جا رہی تھی، جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال کھا جاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پیٹ بہت بڑے تھے اور وہ آلِ فرعون کی طرح جہنم کی بھٹی میں دھکیلے جا رہے تھے، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔

آپ ﷺ نے عورتوں کی ایک جماعت کو یوں عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر اُن کی چھاتیوں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ اُن زنجیروں سے لٹک رہی تھیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ بدکار عورتیں ہیں جو ناجائز بچوں کو اپنے شوہروں کا وارث بنایا کرتی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کا غضب ہے اُس عورت پر جو کسی قوم کے نسب میں ایسے افراد کو داخل کر دے جو درحقیقت اُس نسب کے نہ ہوں (یعنی ناجائز اولاد پیدا کرے)۔

آپ ﷺ نے ایک فرشتے کو دیکھا جس کا آدھا جسم آگ کا اور آدھا برف کا تھا، برف آگ پر غالب تھی نہ آگ برف پر اور وہ پروردگار کی تسبیح میں مصروف تھا۔ پھر کافی تعداد میں ایسے ملائکہ دیکھے جن کی خلقت عجیب و غریب تھی۔ اُن کے جسم کے ہر حصے سے الگ الگ لب و لہجہ میں تسبیح و تقدیس پروردگار کی صدائیں بلند تھیں اور خوفِ خدا سے وہ سب گریہ کناں تھے۔ جبرائیلؑ نے بیان کیا کہ ان کی پیدائش اسی طرح کی گئی ہے اور جب سے یہ پیدا ہوئے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اپنے ساتھی فرشتے کو نظر اٹھا کر دیکھا نہ اُس سے بات کی، یہ اوپر کو دیکھتے ہیں نہ نظر جھکا کر نیچے کی طرف دیکھتے ہیں، ان کے خشوع و خضوع کا ہمیشہ یہی عالم رہتا ہے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے اشاروں میں سلام کا جواب دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب جبرائیلؑ نے اُن سے میرا تعارف کرایا تو انہوں نے تعظیم و تکریم کا فریضہ ادا کیا اور پھر حسب معمول عبادت میں مشغول ہو گئے۔

بروایت کافی، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب آسمانِ اوّل کے تمام فرشتے آدابِ بحالائے تو احوال پُرسی کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) کے بھائی (علی علیہ السلام) کا کیا حال ہے؟ جب آپ (ﷺ) واپس تشریف لے جائیں تو (برائے مہربانی) اُن کو ہمارا سلام کہیگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اُس وقت) پروردگارِ عالم نے مجھ پر چالیس اقسام کے انوار کا اضافہ کیا جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ دوم پر:

پھر دوسرے آسمان کی طرف روانگی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن (چالیس اقسام کے) انوار کی شعاعیں جب اُس (دوسرے) آسمان پر پڑیں تو فرشتوں میں تحیر و اضطراب کی لہر پیدا ہوئی پس وہ سب سجدہ پروردگار میں جھک گئے اور اُس کی تسبیح و تقدیس کرنے لگے۔ جبرائیل نے میرا تعارف کرایا تو وہ آداب و سلام بجالائے اور عرض کی کہ زمین پر پلٹ کر علی (علیہ السلام) کو ہمارا سلام کہیے گا۔

بروایتِ مئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور بے شمار ملائکہ کو الگ الگ انداز میں، جدا جدا زبانوں کے ساتھ تسبیح و تقدیس دیکھا۔ چالیس اقسام کے انوار کا اور اضافہ ہوا جن میں سے ہر ایک کی نوعیت و شکل دوسرے سے الگ تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ سوم پر:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ نور کی خیرہ کن شعاعوں کی تاب نہ لا کر فرشتے بحرِ تحیر میں غوطہ زن ہو کر سجدہ ریز ہوئے اور تسبیح و تقدیس پروردگار بجالائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا تو سب ملائکہ تعظیم کے لئے جھکے، سلام عرض کیا اور احوال پرسی کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے کہ علی (علیہ السلام) کہاں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زمین پر ہیں۔ اس آسمان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی اور اُن گنت فرشتوں کو خُدا گانہ انداز میں موعبات دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ چہارم پر:

بروایتِ کافی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر چالیس انواع کے انوار کا اضافہ ہوا جو پہلے انوار سے مختلف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ چہارم پر پہنچے۔ حسبِ سابق ملائکہ نے رسمی کلام کے بعد حضرت علی علیہ السلام

کے بارے میں پوچھا۔ حکم الہی ہوا کہ اے میرے حبیب (ﷺ)! سر اٹھا کر دیکھیے، پس تمام حجابات دُور ہوئے اور آپ ﷺ نے عالم بالا کے تمام ممکنات کو ملاحظہ فرمایا۔ تب ارشاد ہوا کہ حبیب (ﷺ)! نیچے دیکھیے، تمام پردے ہٹ گئے اور آپ ﷺ نے زمین تک ہر شے کا نظارہ فرمایا، زیرِ عرش چشمہ صُاد سے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

بروایت ثنی، آپ ﷺ نے آسمانِ چہارم پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی۔ ایک روایت میں چرخِ چہارم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہونا بھی ملتا ہے نیز بیت المعمور کا بھی اسی آسمان پر ہونا بیان کیا گیا ہے اور آپ ﷺ کا انبیاء کرام کو نماز پڑھانے اور سوال و جواب کرنے کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

تفسیر برہان میں سورۃ یونس کی تفسیر میں بروایت عیاشی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو مناجات پروردگار سے فارغ ہو کر بیت المعمور پر پہنچے جو چوتھے آسمان پر واقع ہے، وہاں پروردگار نے تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ و مقربین کو جمع فرمایا، جبرائیل علیہ السلام نے اذان و اقامت کہی اور حضور ﷺ نے نماز پڑھائی۔

بروایت ابن شہر آشوب، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات جب میں چرخِ چہارم پر پہنچا تو جبرائیل (علیہ السلام) نے اذان و اقامت کہی، تمام نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور فرشتوں کو جمع کیا گیا اور میں نے اُن کو نماز پڑھائی۔

تفسیر ثعلبی اور خطیب کی اربعین سے بروایت ابن مسعود (رضی اللہ عنہ)، حضرت رسالت مآب ﷺ سے منقول ہے کہ شبِ معراج جب میں جبرائیل (علیہ السلام) کے ہمراہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے سُرخِ یاقوت کا ایک مکان دیکھا۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ یہ بیت المعمور ہے جس کو آسمان و زمین کی خلقت سے پچاس ہزار برس پہلے خالق کائنات نے پیدا کیا۔ پھر مجھے حکم پروردگار ہوا کہ نماز پڑھاؤ چنانچہ میں نے تمام انبیاء (علیہم السلام) کو نماز پڑھائی، سلام کے بعد ایک فرشتے نے

پروردگار کی طرف سے سلام پہنچایا اور پیغام دیا کہ ان (انبیاء کرام علیہم السلام) سے دریافت کریں کہ ان کی بعثت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے کیوں ہوئی؟ پس میں نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت اور علی (علیہ السلام) کی ولایت پر مبعوث ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ پنجم پر:

مٹی کی روایت کے مطابق، چوتھے آسمان کی سیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں آسمان پر پہنچے جہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں فرشتوں کو دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ ششم پر:

چھٹے آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور لاتعداد ملائکہ کو ملاحظہ فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ ہفتم پر:

اس کے بعد ساتویں آسمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملے، بروایت بیئ المعمور اسی آسمان پر ہے جو فرشتوں کے لیے مقام حج ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آسمانِ ہفتم پر ٹور کے ایسے سمندر دیکھے جن کی چمک آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی، ظلمات کے سمندر دیکھے اور برف کے بھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا بے شک اللہ کی یہ مخلوق عظیم ہے لیکن وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک ملاحظہ نہیں فرمائی اس سے بھی عظیم ہے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشنود ہو کر پروردگار کا شکر ادا فرمائیں کہ جب مخلوق اس قدر عظیم ہے تو خالق کتنا عظیم ہوگا۔ خالق و مخلوق کے درمیان نوے ہزار حجابات ہیں، اللہ کی طرف سب سے قریب میرا اور اسرافیل (علیہ السلام) کا مقام ہے لیکن ہمارے آگے بھی چار حجابات ہیں، حجاب نور، حجاب ظلمت، حجاب غم اور حجاب ماء۔

پس آسمان کے عجائبات کا نظارہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیئ المعمور میں نماز ادا کی، چشمہ

’کوثر سے پانی پیا اور چشمہ رحمت میں غسل فرمایا پھر جنت کی سیر کی، وہاں کے پرندوں کا مشاہدہ فرمایا، انار دیکھے جو حجم میں بہت بڑے تھے، پھر ایک درخت ملاحظہ فرمایا جس کا تنا تنا بڑا تھا کہ تیز پرواز پرندہ اس کے ارد گرد سات سو برس پرواز کرتا رہے تو بھی اُس کا ایک چکر پورا نہ کر سکے۔ جنت کے ہر مکان میں اُس کی شاخیں موجود تھیں، جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ شجرہ طوبی ہے۔^①

شجرہ طوبی

شجرہ طوبی کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسَنُ مَا بِهِ^②

(وہ لوگ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو اُن کے لیے طوبیٰ ہے اور اچھا انجام)

طوبیٰ کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں اور سب کا مال یہ ہے کہ یہ مومنین و صالحین کے لیے جنت کا ایک انعام ہے۔ علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو اُن کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں، جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو فرشتے اُن کو خیر کی دُعا دیتے ہیں اور جب وہ ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں تو اُن کو منادی ندا دیتا ہے کہ تمہارے لیے طوبیٰ ہے اور جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو دو فرشتے اُنہیں بشارت دیتے ہیں کہ اے اللہ کے دوستو! تمہارے لیے جنت ہے۔

بروایت کافی، امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دین والوں کی کئی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں، اور وہ علامتیں ہیں، سچ بولنا، امانت کا

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۹ تا ۲۶۳

② سورة الرعد، آیت ۲۹

ادا کرنا، عہد کو وفا کرنا، صلہ رحمی کرنا، کمزوروں پر رحم کرنا، عورتوں کی بات کم ماننا، لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا، خوش خلقی سے پیش آنا، حلم و حوصلہ سے کام لینا، علم کا اتباع کرنا اور ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا باعث ہو پس اُن دیندار لوگوں کے لیے طوبیٰ ہوگا۔

تفسیر انوار النجف فی اسرار البصیف میں علامہ حسین بخش لکھتے ہیں کہ طوبیٰ جنت کا ایک درخت ہے اور اس کی اصل (جڑ) نبی کریم ﷺ کے گھر میں ہے، ہر مومن کے گھر میں اُس کی شاخ ہے اور مومن جس چیز کی خواہش کرے گا وہ اُس شاخ پر پیدا ہو جائے گی۔ طوبیٰ کا حجم اتنا ہے کہ اگر تیز رفتار سوار اُس کے سائے میں ایک سو سال تک دوڑے تو بھی اُسے پار نہ کر سکے اور اگر کوئی بلند پرواز طائر اُس کے نیچے سے اوپر کی طرف پرواز کرے تو اُس کی بلندی تک عمر بھر نہ پہنچ سکے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ طوبیٰ اُس شخص کے لیے ہے جس نے ہمارے غائب (امام مہدی علیہ السلام) کے زمانہ میں ہماری ولاء سے تمسک پکڑا اور اُس پر ثابت قدم رہا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین مومنوں کو کھانا کھلائے گا خداوند کریم اُس کو تین جنتوں سے کھانا کھلائے گا، ایک فردوس سے، دوسرے جنتِ عدن سے اور تیسرے طوبیٰ سے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس درخت کا پھل جہاں سے توڑا جائے گا اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل اُگ آئے گا اور وہ جگہ خالی نہ رہے گی۔ روایاتِ اہلبیت علیہم السلام میں ہے کہ طوبیٰ جنت کا ایک درخت ہے جس کی اصل امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں ہے۔ مروی ہے کہ حضور ﷺ سے طوبیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی اصل میرے گھر میں اور شاخیں جنتیوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پھر جب دوبارہ سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اس کی اصل علی (علیہ السلام) کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہوں گی۔ کسی نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ! یہ (تضادِ بیان) کیوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تعجب نہ کرو کیونکہ جنت میں میرا اور علی (علیہ السلام) کا گھر ایک ہی جگہ ہوگا۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ شبِ معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو جبرائیل مجھے طوبیٰ کے پاس لے گیا اور اُس کا پھل کھلایا جو میری پشت میں جوہر تخلیق بنا۔ پس

زمین پر پہنچ کر میں نے خدیجہ (ؓ) سے ملاقات کی تو وہ جوہر اُن کے بطن میں منتقل ہوا اور فاطمہ (ؓ) کی ولادت ہوئی لہذا جب میں فاطمہ (ؓ) کو پیار کرتا ہوں تو (اُن کے وجود پاک سے) شجر طوبی کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں بحوالہ تفسیر برہان، بروایت موفق بن احمد بلال، منقول ہے کہ ایک روز حضرت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چودھویں کے چاند کی طرح مٹور تھا۔ عبدالرحمن بن عوف نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے پچازاد بھائی علی (ؓ) سے متعلق خوشخبری دی ہے کہ اُس نے علی (ؓ) کی شادی میرے جگر کے ٹکڑے فاطمہ (ؓ) کے ساتھ کر دی ہے اور (اس موقع پر) رضوانِ جنت نے بحکم پروردگار، طوبی کو ہلایا تو اُس پر اتنے رقعے پیدا ہوئے جتنے تاقیامت میری اہلبیت (ؓ) کے چاہنے والے ہوں گے اور خداوند کریم نے طوبی کے نیچے نورانی فرشتے پیدا کیے، جن کے سپرد وہ رقعے کیے گئے۔ جب قیامت کے روز تمام انسان محسور ہوں گے تو وہ فرشتے ہر محبِ اہلبیت (ؓ) کو ایک ایک رقعہ دیں گے جو جہنم سے برأت نامہ اور جنت کا پروانہ (ٹکٹ) ہوگا۔ پس میرے بھائی علی (ؓ) اور میری جگر گوشہ فاطمہ (ؓ) کے طفیل میری اُمت کے بہت سے لوگ جہنم سے نجات پائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان ہفتم پر میں نے شجرہ طوبی کو ملاحظہ کیا پھر جبرائیل سے نُور کے سمندروں کی بابت دریافت کیا تو اُنہوں نے بتایا کہ وہ سہراوقاتِ عرش ہیں، اگر درمیان میں یہ حائل نہ ہوتے تو عرش کا نور باقی مخلوق کو ختم کر دیتا۔ غرضیکہ، میں سدرۃ المنتہی پر پہنچا جس کا ایک ایک پتہ ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا تھا۔^①

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۱۳۳

سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اہل زمین کے بندوں کے اعمال کو لے کر نگہبان فرشتے مقام سدرہ تک پرواز کرتے ہیں (یعنی یہ آخری حد ہے) اور سدرہ کے نیچے کچھ بزرگ اور نگہبان فرشتے اُن اعمال کو تحریر کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام سدرہ تک پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام رک گئے اور عرض کیا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میری پرواز یہیں تک ہے، میں آگے نہیں جاسکتا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے سدرہ ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں سے آگے خود تشریف لے جائیے۔“ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور جبرائیل علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سدرہ کی شاخیں عرش کے نیچے اطراف میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نور نے تجلی کی اور جب وہ نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو توانائی بخشی اور نگاہ کو قوت دی تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی نشانیاں دیکھیں، پس سورۃ النجم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ①

وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَى ③ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى ④ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ⑤ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ⑥ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ⑦ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ⑧ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اور بھی اُترتے ہوئے سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا۔ جہاں جنت الماویٰ ہے۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا (وہ نور) جو چھا رہا تھا۔ نہ آنکھ چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ سدرۃ المنتہی کا پھیلاؤ دُنیا کے سالوں کے اعتبار سے ایک سو سال کی مسافت کے برابر ہے اور اس کا ایک پٹا ساری دُنیا کے لوگوں کو ڈھانپ سکتا ہے۔ ②

① سورۃ النجم، آیت ۱۸۳

② شیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرایع، ص ۲۱۱

نمازوں میں تخفیف کی درخواست

محمد بن عصامؓ نے بیان کیا کہ مجھ سے کہا محمد بن یعقوب نے، اُن کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن محمد بن سلیمان نے روایت کرتے ہوئے اسماعیل بن ابراہیم سے، اُنہوں نے جعفر بن محمد تمیمی سے، اُنہوں نے حسین بن علوان سے، اُنہوں نے عمرو بن خالد سے اور اُنہوں نے زید بن علی علیہ السلام سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے پدر بزرگوار سید العابدین علیہ السلام سے عرض کیا، بابا یہ بتائیں کہ جب ہمارے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں پچاس نمازوں کا حکم دیا تو اُنہوں نے اُس وقت تک تخفیف کی درخواست کیوں نہیں کی جب تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اے فرزند! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے جو بھی حکم ملتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس پر کوئی عذر اور استفسار نہیں فرماتے تھے، مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی شفاعت و سفارش فرما رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اپنے برادر موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت کو رد کر دیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف دوبارہ رجوع فرمایا، تخفیف کی درخواست کی اور پچاس کے بدلے پانچ نمازیں کرا لیں۔ زید بن علی کہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ بابا! پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اپنی اُمت کے لیے پانچ نمازوں میں سے کچھ اور تخفیف کیوں نہ کرائی؟ فرمایا کہ اے فرزند! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اُمت کے لیے تخفیف کے ساتھ ساتھ پچاس نمازوں کا ثواب بھی حاصل ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا** ^① (جو کوئی خدا کے حضور نیکی لے کر آئے گا اُسے ویسی دس نیکیاں ملیں گی)

① سورة الانعام، آیت نمبر ۱۶۰

جب آنحضرت ﷺ معراج سے واپس آئے تو جبرائیل امین (علیہ السلام) نازل ہوئے اور کہا، ”یا محمد (ﷺ)! آپ (ﷺ) کا رب آپ (ﷺ) کو سلام کہتا ہے اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ان پانچ (نمازوں) کو ہم پچاس ہی شمار کریں گے پس ہم نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا، ہمارا قول بدلائیں کرتا اور ہم اپنے بندوں کے ساتھ نا انصافی نہیں کرتے۔^①

مقصودِ معراج

معراج النبی ﷺ کے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں کچھ عمومی اور بعض خصوصی۔ مستند روایات کے تناظر میں پائے جانے والے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ معراج کے بارے میں عام تصویر یہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو آسمانوں کی سیر کے لیے معراج پر بلایا۔ یہ خیال کچھ نامناسب سا معلوم ہوتا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ ہمارا کوئی دوست ہمیں سیر کی دعوت دے اور پھر ہمیں ہمارے ہی علاقے اور گھر میں گھما پھرا کر اور مختلف اشیاء دکھا کر کہے کہ لو سیر ہو گئی تو کیا ہم اُسے سیر کہیں گے؟ ظاہر ہے کہ اُسے سیر تو نہیں کہا جاسکتا۔ پس متعدد روایات اس پر دلالت کرتی ہیں (جن کا تفصیلی ذکر ابتدائی ابواب میں ہو چکا ہے) کہ ہفت آسمان و سدرة المنتہی و طوبی و جنت معلیٰ وغیرہ سب حضور ﷺ کے سامنے بنائے گئے، آپ ﷺ کی خاطر بنائے گئے اور آپ ﷺ کے نور نے انسانی جسم میں ظہور فرما ہونے سے پہلے وہیں قیام فرمایا۔ چنانچہ وہ مقامات آپ ﷺ کے علاقہ اور گھر ہی کی مثل ہیں لہذا آپ ﷺ کو اپنے علاقے اور گھر کی سیر کرانے کا فلسفہ عجیب سا لگتا ہے۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ معراج کا شرف کیونکہ کسی اور انسان کو حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اُس مقام ارفع پر بلا کر آپ ﷺ کے خاص مقام و مرتبہ کو اپنی مخلوق پر ظاہر فرمایا۔

① الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، علل الشرائع، ص ۱۰۰

۲۔ اللہ رب ذوالجلال نے اپنے حبیب ﷺ سے محض ملاقات کرنے کے لیے اُن (ﷺ) کو آسمانوں پر نہیں بلایا کیونکہ وہ خود ہر جگہ موجود ہے حتیٰ کہ رگ جاں سے بھی قریب تر ہے، اس لیے اُسے ملاقات کے لیے اپنے حبیب ﷺ کو افلاک پر بلانے کی ضرورت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ وہ اپنے مقرب فرشتوں کو اپنا محبوب ﷺ دکھانا چاہتا ہوگا یا اُن سے ملنا چاہتا ہوگا جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک روایت سے ظاہر ہے۔ بروایت ابن بابویہ، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے معراج کا مقصد دریافت کیا گیا کہ خدا نے اپنے نبی ﷺ کو آسمان پر کیوں بلایا؟ پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے حجاب ہائے نور تک؟ اور وہاں کیا کیا باتیں ہونیں؟ حالانکہ وہ کسی مکان کا پابند نہیں ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ واقعی خدا کسی مکان و زماں کا پابند نہیں لیکن اُس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشنے کے لیے اور آسمانی مخلوق کو رسول خدا ﷺ کے دیدار سے فیضیاب کرنے کے لیے ایسا کیا۔ نیز اپنی عظمت کے عجائبات ظاہر کرنے کے لیے تاکہ زمین پر پہنچ کر آپ ﷺ لوگوں کو سمجھائیں۔^①

۳۔ تیسرا مقصد بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مندرجہ بالا روایت سے ظاہر ہے کہ خالق دو جہاں نے اپنی عظمت کے عجائبات اپنے حبیب ﷺ کو اس لیے دکھائے کہ آپ ﷺ زمین پر پہنچ کر لوگوں کو اُن کے بارے میں بتائیں۔

۴۔ معراج کا ایک مقصد حضرت علی علیہ السلام اور خاتونِ جنت حضرت فاطمہ علیہا السلام کی مناکحت بھی تھا۔ شجرہ طوبیٰ کے باب میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو طوبیٰ کا پھل کھلایا گیا جو سیدۃ النساء حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ولادت کا ذریعہ بنا جبکہ اس شوق میں مقصدِ معراج خاتونِ جنت علیہا السلام کی مناکحت بیان کیا گیا ہے جو بظاہر ایک تضاد معلوم ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ معراج ایک بار نہیں متعدد بار ہوا،^② اس لئے ہو سکتا ہے کہ مختلف مواقع پر اس کے مقاصد بھی مختلف رہے ہوں۔

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۵

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۱ ص ۲۰۹، باب ذکر معراج۔ علامہ حسین

بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ تفسیر برہان

احادیثِ مبارکہ اور مختلف فریقینِ اسلام کی روایات میں ہے کہ حضرت علیؑ اور خاتونِ جنت علیہ السلام کی شادی جنت میں قرار پائی۔ شیخ صدوق^۱ متعدد اسناد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک منور ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کی چمک مجھے نظر آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”علی! تمہیں مبارک ہو، تمہاری شادی کے لیے اللہ نے میری کفایت فرمائی۔“ میں نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیسے؟“ فرمایا، ”میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) آئے تھے، اُن کے پاس جنت کا ایک خوشہ اور لونگ تھا، انہوں نے دونوں چیزیں مجھے دیں، میں نے انہیں لے کر سونگھا اور پوچھا، ”جبرائیل! یہ خوشہ اور لونگ کیسا ہے؟“ انہوں نے کہا، ”اللہ تعالیٰ نے بہشت کے ملائکہ اور ساکنین جنت کو حکم دیا کہ وہ جنت کی نہروں، پھلوں، اشجار اور محلات کو مزین کریں اور ہوا کو حکم دیا کہ وہ عطر و خوشبو کی لپٹیں نثار کرے اور حور العین کو حکم دیا کہ وہ سورۃ طہ، طس (سورۃ نمل) اور حمۃ سق (سورۃ شوری) کی تلاوت کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک منادی کو حکم دیا جس نے اذنِ خدا سے یہ منادی کی کہ اے میرے ملائکہ اور میری جنت میں رہائش پذیر مخلوق! گواہ رہو کہ میں نے فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تزویج علی بن ابی طالب (علیہ السلام) سے کر دی ہے اور یہ تزویج ان دونوں کی اور میری رضامندی سے ہوئی ہے۔“ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے جنت کے ایک فرشتے کو جس کا نام ”راحیل“ ہے اور جو تمام ملائکہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے، خطبہ نکاح پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ اُس نے حکمِ الہی سے ایسا فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جیسا آج تک زمین و آسمان میں نہیں پڑھا گیا۔ تب منادی نے حق تعالیٰ کی طرف سے ندادی، ”اے میرے ملائکہ اور میری جنت کے باسیو! تم علی بن ابی طالب (علیہ السلام) اور میرے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور فاطمہ (علیہا السلام) بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر برکت بھیجو، اور میں بھی اُن پر برکت بھیجتا ہوں۔“^۱

^۱ الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا، ج ۱ ص ۹۲

صاحب کتاب مجمع النورین، شیخ ابوالحسن نجفی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے کہ معراج کا مقصد دو باتیں تھیں، ایک خلافت علی علیہ السلام اور دوسری علی و بتول علیہما السلام کی شادی اور کہا ہے کہ احادیث مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔^(۱)

۵۔ معراج کا ایک مقصد ولایت علی علیہ السلام اور ولایت آئمہ اہلبیت علیہم السلام تھا۔ شیخ ابوالحسن نجفی صاحب کی مندرجہ بالا روایت اور متعدد دیگر روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ پروردگار عالم نے ایک اہم ترین فریضہ یعنی ولایت علی علیہ السلام کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی۔ تفسیر برہان میں بروایت صفار امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سو بیس مرتبہ معراج نصیب ہوئی اور ہر دفعہ دوسرے فرائض سے بڑھ کر خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ولایت علی علیہ السلام اور ولایت آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی تلقین فرمائی۔^(۲) عیاشی سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے اور معراج کے سفر نامے میں ملائکہ کے سوال و جواب میں بھی اس امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔^(۳)

مزید برآں بروایت ابن بابویہ، ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہی پر اور وہاں سے حجاب ہائے نور کی طرف بڑھا تو خدا کی جانب سے ندا پہنچی کہ میں تیرا پروردگار ہوں پس میرے لیے خشوع کر، صرف میری عبادت کر، مجھ پر توکل رکھ اور میری ہی ذات پر اعتماد کر۔ میں تیری عبدیت، محبت، رسالت، نبوت اور تیرے بھائی کی خلافت میں راضی ہوں، وہ میرے بندوں پر میری حجت اور میری مخلوق کا امام ہے، اُسی کے ذریعے سے میرے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہوگی اور اُسی کی بدولت شیطان کے لشکر اور میرے لشکر میں تمیز ہوگی، اُسی کے ذریعے سے میرا دین قائم، حدیں محفوظ اور

^(۱) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ مجمع النورین

^(۲) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ تفسیر برہان

^(۳) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ عیاشی

احکام جاری ہوں گے۔ تیری اور اُس کی نسل کے آئندہ (علیہ السلام) کی برکت سے میری مخلوق پر میرا رحم و کرم ہوگا، تمہارا ”قائم“ (امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام) میری زمین کو میری تسبیح و تہلیل، تقدیس و تحمید اور تکبیر سے آباد کرے گا، میں اُس کے ذریعے سے اپنی زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا اور اپنے دوستوں کو اُس کا وارث بناؤں گا اور اُس کی بدولت کفر کا کلمہ پست اور حق کا کلمہ بلند کروں گا۔ اُس کے وسیلہ سے میں اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ کروں گا، اُس کے لیے میں زمین کے خزانوں اور ذخیروں کو ظاہر کروں گا اور اُس کو اپنے ارادے سے خفیہ اسرار کی خبر دوں گا اور اپنے دین کی سر بلندی کے لیے ملائکہ سے اُس کی تائید کروں گا۔ وہ میرا برحق ولی ہے اور سچ بچ میرے بندوں کے لیے میرا مہدی (علیہ السلام) ہے۔^(۱)

”تفسیر برہان“ میں ”کافی“ سے منقول ہے کہ ابو بصیر سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد الہی ہوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اُمت کا والی کون ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی کہ یا اللہ! تو ہی جانتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہوا کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد) علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہی ہے جو مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد و رہبر ہے۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو بصیر! خدا کی قسم علی علیہ السلام کی ولایت زمینی نہیں ہے، یہ آسمان سے اُتری ہے۔^(۲)

”تفسیر صافی“ میں ”کشف الغمہ“ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ خدا نے شب معراج آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس لہجہ میں گفتگو فرمائی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ علی (علیہ السلام) کے لہجہ میں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ معراج پر جب خداوند متعال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الہی میں عرض کی کہ اے پروردگار! میرے ساتھ تو ہم

^(۱) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴، ۲۶۵

^(۲) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۵ بحوالہ تفسیر برہان

کلام ہے یا علی؟ تو ارشاد ہوا کہ اے احمد (ﷺ)! میں وہ ہوں کہ میری مثل کوئی شے نہیں، نہ مجھے کسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ چیزوں سے میری صفت ہی کی جاسکتی ہے، میں نے تجھے اپنے نُور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نُور سے پیدا کیا، میں تیرے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں، مجھے علم ہے کہ تیرے دل میں علی ابن ابی طالب سے زیادہ کسی کی محبت نہیں ہے پس میں نے اُسی کے لہجہ میں تجھ سے گفتگو کی ہے تاکہ تیرا دل مطمئن رہے۔ اسی معانی کی حدیث ”ینابیح المودۃ“ میں بھی منقول ہے۔^(۱)

تفسیر برہان میں حضرت ابو بربیدہ سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ اے علی (علیہ السلام)! تجھے خدا نے سات مقامات پر میرے ساتھ حاضر کیا ہے۔

پہلا مقام: شب معراج جب میں آسمان پر پہنچا تو جبرائیل نے مجھ سے پوچھا کہ آپ (ﷺ) کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ آیا ہوں، اُس نے کہا کہ اللہ سے دُعا مانگیں کہ وہ اُس کو یہاں حاضر کر دے، چنانچہ میں نے دُعا مانگی اور اچانک تیری مثال میرے ساتھ موجود تھی۔

دوسرا مقام: جب میں دوبارہ معراج پر گیا تو جبرائیل نے پوچھا کہ آپ (ﷺ) کا بھائی کہاں ہے تو میں نے جواب دیا کہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اللہ سے دُعا مانگیں کہ وہ اُس کو لے آئے چنانچہ میں نے دُعا مانگی تو تیری مثال میرے ہمراہ تھی۔ پس آسمانوں کے پردے اُٹھا دیئے گئے تو میں نے اُس کی ساکن آبادیوں کا اور ہر فرشتہ کی قیام گاہ کا مشاہدہ کیا۔

تیسرا مقام: جب میں جنّات کی قوم کی طرف بھیجا گیا تو جبرائیل نے استفسار کیا کہ آپ کا بھائی کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ پھر جبرائیل کے کہنے پر میں نے دُعا کی اور دیکھا تو میرے ہمراہ تُو تھا، پھر اُن (قوم جنّات) کے ساتھ جس قدر گفتگو ہوتی رہی تُو سنتا رہا۔

چوتھا مقام: شبِ قدر میں تُو میرا شریک ہے اور کوئی نہیں۔

پانچواں مقام: نبوّت کے سوا ہر بات میں تُو میرا شریک ہے۔

^(۱) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۶ بحوالہ تفسیر صافی و نایب المودۃ

چھٹا مقام: جب میں نے آسمانوں پر نبیوں کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔
ساتواں مقام: احزاب کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں ہوئی۔^①

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، ”شب معراج ہر آسمان پر فرشتے مجھے مبارکباد دیتے رہے اور جبرائیل نے ملائکہ کے ایک جم غفیر کے ہمراہ یہ کہا کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت علی (علیہ السلام) کی محبت پر جمع ہو جاتی تو خدا دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اے علی! خدا نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا چنانچہ میں مانوس ہو گیا۔“ پھر حدیث سابق کی طرح مقامات گنوائے، جن میں پانچویں مقام پر یہ بیان فرمایا، ”جب میں اللہ سے مناجات کر رہا تھا تو اُس وقت بھی تیری مثال میرے ساتھ تھی اور میں نے تیرے لیے کچھ چیزیں پروردگار سے طلب کیں اور سوائے نبوت کے اُس نے سب قبول کیں اور فرمایا کہ نبوت تیرا ہی خاصہ ہے اور تُو اس کا خاتم ہے اور چھٹا مقام یہ ہے کہ جب میں نے بیٹ المعمور کا طواف کیا تو تیری مثال میرے ساتھ تھی۔“ ساتواں مقام حسب سابق بیان کیا اور اُس کے بعد ارشاد فرمایا، ”خدا نے دُنیا کی طرف نظر کی تو مجھے عالمین کے مردوں پر منتخب فرمایا پھر تجھے چُنا پھر فاطمہ (علیہا السلام) کو تمام عالمین کی عورتوں سے برگزیدہ کیا پھر حسن و حسین (علیہما السلام) کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا۔“ پھر فرمایا کہ اے علی! میں نے دیکھا ہے کہ چار مقامات پر تیرا نام میرے نام کے ساتھ مسطور و مذکور ہے اور میں اُسے پڑھ کر مانوس ہوا ہوں اور وہ مقامات یہ ہیں:

اول: شب معراج جب میں بیٹ المقدس میں پہنچا تو پتھر پر لکھا ہوا دیکھا:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ أَيْدِيَهُ يُوْزِيْرُهُ وَنَصْرُهُ بِهِ“

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں)

جن کی تائید اُن کے وزیر کے ساتھ کی اور اُس (وزیر) کو اُن کا مددگار بنایا ہے)

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۶، ۲۶۷ بحوالہ تفسیر بہان

میں نے پوچھا کہ اے جبرائیل میرا وزیر کون ہوگا تو وہ کہنے لگا کہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام)۔
دوم: سدرۃ المنتہی پر یہی کلمات تحریر ہیں۔^(۱)

سوم: جب سدرۃ المنتہی سے چل کر عرش کے قریب پہنچا تو ساق عرش پر لکھا ہوا پایا:
”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا اللَّهُ وَحْدِي مُحَمَّدٌ حَبِيبِي وَصَفْوَتِي مَنْ خَلَقَنِي آيَّدْتُهُ
بِوَزِيرِهِ وَأَخِيهِ وَنَصَرْتُهُ بِهِ“

(میرے سوا کوئی معبود نہیں میں اللہ احد ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا حبیب اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے میں نے اس کی تائید اس کے وزیر اور بھائی کے ساتھ کی اور میں نے اُسے اس کا مددگار بنایا) چہارم: میں نے جنت میں شجرہ طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل اے علی تمہارے گھر میں ہے اور جنت کے محل میں اُس کی شاخیں ہیں اور اُس کی اصل سے پانی، دودھ، شراب اور شہد کی چار نہریں جاری ہیں۔^(۲) بروایت مجالس شیخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تیرے لیے مجھے سات چیزیں عطا ہوئیں:

- (۱) میں پہلا شخص ہوں جو لوح سے باہر آؤں گا اور تُو میرے ہمراہ ہوگا۔
- (۲) تُو پہلا شخص ہے جسے میرے ساتھ (جنت کا) لباس پہنایا جائے گا اور جو میرے ساتھ زندہ ہوگا۔
- (۳) تُو پہلا شخص ہے جو عرش کے دائیں جانب میرے ساتھ کھڑا ہوگا۔
- (۴) تُو پہلا شخص ہے جو پُل صراط پر میرے ہمراہ کھڑا ہوگا اور دوزخ سے کہے گا کہ اُس کو لے لے کہ وہ تیرا ہے اور اِس کو چھوڑ دے کہ یہ تیرا نہیں ہے۔ (یعنی دوزخیوں اور جنتیوں کا انتخاب علی علیہ السلام کے حکم سے ہوگا)۔
- (۵) تُو پہلا شخص ہے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔

^(۱) شیخ ابوالحسن خفنی، مجمع النورین

^(۲) علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۷

(۶) تُو پہلا شخص ہے جو جنت میں جا کر علیین (جنت کے گھر) میں میرے ساتھ سکونت پذیر ہوگا۔
(۷) اور تُو پہلا شخص ہے جو حقیقِ مختوم سے پیئے گا جس پر کستوری کی مہر ہوگی۔

امالیٰ شیخ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میں مقامِ قاب قوسین پر پہنچا تو ارشادِ الہی ہوا کہ تُو سب سے زیادہ دوست کس کو رکھتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ علی (علیہ السلام) کو تو ارشاد ہوا کہ مَرُدِ مِکھو چنانچہ میں نے مَرُدِ مِکھا تو میرے بائیں جانب علی (علیہ السلام) موجود تھے۔^(۱)

کیا حضرت علی علیہ السلام شریکِ معراج تھے؟

اس کا مختصر اور آسان فہم جواب ہے کہ نہیں۔ معراج پر جانا حضرت رسالت مآب ﷺ کا خاصہ ہے، اُن کے مختصات میں سے ہے اور یہ شرف سوائے آپ ﷺ کے اور کسی کو حاصل نہیں۔ بلاشبہ اللہ عزوجل نے معراج کے موقع پر جو کلام اپنے حبیب ﷺ سے کیا وہ علی علیہ السلام ہی کے لیےج میں تھا جیسا کہ کتب میں مسطور ہے البتہ مقامِ اشتباہ وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علی علیہ السلام کا وہاں موجود ہونا حضرت رسالت مآب ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کا حل یہ ہے کہ اکثر روایات میں ”مثال“ کا لفظ موجود ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات پر بیان کی گئی روایات میں بارہ آئمہ عطاہرین علیہم السلام کے مثالی اجسام کا عرش پر موجود ہونا بیان کیا گیا ہے کہ وہ فضائے نور میں مشغول عبادت پروردگار تھے، پس حضرت علی علیہ السلام بنفسِ نفیس وہاں موجود نہیں تھے بلکہ آپ کی مثال موجود تھی۔ تفسیر برہان میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شبِ معراج جب مجھ سے خطاب پروردگار ہوا، ”أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ“^(۲) (رسول اُن تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر اتاری گئی ہیں) تو میں نے جواب میں کہا، ”وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلِكِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

^(۱) علامہ حسین بخش جاڑ، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۴ بحوالہ امالی

^(۲) سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۵

أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۖ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ غُفِّرَ لَكَ رَبُّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝^①

(اور مومنین بھی خدا پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔) (وہ کہتے ہیں کہ) ہم خدا کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے فرمانِ الہی سنا اور اُس کی اطاعت کی! پروردگار ہمیں تیری مغفرت درکار ہے اور تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے) پھر ارشاد ہوا، ”اے محمد (ﷺ)! میں نے زمین پر نگاہِ قدرت کی اور تجھے چُن لیا اور تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا، جہاں میرا ذِکر ہوگا وہاں تیرا ذِکر بھی (ساتھ ساتھ) ہوگا پس میں محمود ہوں اور تُو محمد ہے، پھر میں نے دوبارہ زمین پر نظر انتخاب کی تو علی (علیہ السلام) کو چُنا اور اُس کا نام بھی اپنے نام سے مشتق کیا، میں اعلیٰ ہوں اور وہ علی ہے۔ اے محمد (ﷺ)! میں نے تم کو اور علی، فاطمہ، حسن، حسین اور باقی آئمہ (علیہم السلام) جو حسین (علیہ السلام) کی نسل سے ہونے والے ہیں، ان سب کو اپنے نُور سے خلق کیا اور تمہاری ولایت کو میں نے تمام اہل ارض و سما پر پیش کیا، جس نے اس کو قبول کیا وہ میرے نزدیک مومن ہے اور جس نے اس کا انکار کیا وہ میرے نزدیک کافر ہے۔ اے محمد (ﷺ)! اگر میرے بندوں میں سے کوئی میری عبادت کرتے کرتے نڈھال اور بوسیدہ ہو جائے لیکن وہ تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرے تو میں اُس کو نہیں بخشوں گا جب تک کہ وہ تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرے گا۔ اے محمد (ﷺ)! کیا تُو اُن کو دیکھنا چاہتا ہے؟“ میں نے عرض کیا، ”ہاں پروردگار!“ پس خطاب ہوا، ”عرش کی دائیں جانب نگاہ کرو۔“ میں نے دائیں طرف دیکھا تو علی، فاطمہ، حسن، حسین، علی بن حسین، محمد باقر بن علی، جعفر صادق بن محمد باقر، موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، علی رضا بن موسیٰ کاظم، محمد تقی بن علی رضا، علی نقی بن محمد تقی، حسن عسکری بن علی نقی، اور مہدی بن حسن عسکری (علیہم السلام) کو ایک فضائے نُور میں مصروفِ عبادت پایا اور حضرت مہدی (علیہ السلام) ایک درخشاں ستارے کی طرح اُن سب کے وسط میں جلوہ افروز تھے۔ پس ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ”اے محمد (ﷺ)! یہ سب میری طرف سے حجت ہوں گے اور ”وہ“ (حضرت

امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام) تیری (مظلوم) عترت کا بدلہ لینے والا ہوگا۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم کہ وہ میرے دوستوں کے لیے حجت واجبہ اور میرے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہوگا۔“ تفسیر مذکور میں ہے کہ اس روایت کو بعض مخالفین نے بھی نقل کیا ہے۔ اسی تفسیر میں مروی ہے کہ ایک یہودی نے امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے دریافت کیا:

”شِبِّ معراج آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلا کلام کون سا ہوا تھا؟

آپ نے فرمایا: ”أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ“^①

(رسول اُن تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو اُس کے پروردگار کی طرف سے اُس پر اتاری گئی ہیں) یہودی نے کہا، ”میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“

آپ نے فرمایا: ”اس کے بعد یہ جو کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے:

”وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلِكِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نَفَرَقَ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ“^②

(اور مومنین بھی خدا پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔) (وہ کہتے ہیں کہ) ہم خدا کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے فرمانِ الہی سنا اور اُس کی اطاعت کی! پروردگار ہمیں تیری مغفرت درکار ہے اور تیری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے) یہودی کہنے لگا، ”میری مراد اس سے بھی نہیں۔“

آپ نے فرمایا، ”پوشیدہ باتوں کو رہنے ہی دو۔“

یہودی بولا، ”اگر آپ نہیں بتا سکتے تو (اس کا مطلب ہے کہ) آپ ”وہ“ نہیں ہیں۔“

آپ نے فرمایا، ”اگر تجھے بہر صورت پوچھنا ہی ہے تو اُن! جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لا رہے تھے اور ابھی حجابوں کی منازل میں تھے اور مقام جبرائیل تک نہیں پہنچے

① سورة البقرة، آیت ۲۸۵

② سورة البقرة، آیت ۲۸۵

تھے کہ پیچھے سے ایک فرشتے نے صدا دی، ”یا احمد (ﷺ)!“ آپ (ﷺ) نے کہا، ”لبیک“ فرشتہ نے عرض کی، ”اللہ (آپ ﷺ) کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ سید ولی کو (میرا) سلام کہیگا۔“ آپ (ﷺ) نے (اتمامِ حجت کے لیے) پوچھا، ”سید ولی کون ہے؟“ اُس نے کہا، ”وہ علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) ہیں۔“

یہ سن کر یہودی بولا، ”بے شک! خدا کی قسم! میں نے اپنے والد کی کتاب میں ایسا ہی پڑھا ہے۔“ وہ یہودی حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔^①

امکانِ معراج

علامہ حسین بخش صاحب تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب علمائے ہیئت نے خرق والتیام (پھاڑنا اور جوڑنا، یعنی معجزہ) کے مسئلہ کو آسمان پر چڑھا یا ہوا تھا۔ خدا معلوم یہ مسئلہ کب سے چلا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کس نے اس مفروضہ کو گھڑا اور کیوں گھڑا؟ بہر کیف بڑے زور و شور سے اس مسئلہ نے کتبِ علمِ ہیئت میں اپنا مقام پیدا کیا اور علم و حکمت اور فلکیات کیبحاث میں یہ مسئلہ اتنا سنگین ہو گیا کہ متاخرین آنکھیں بند کر کے متقدمین کے اس مفروضہ کو اصولِ مسئلہ کی طرح مانتے چلے آئے۔ کسی نے اس دعویٰ کے خلاف احتجاج کیا نہ کسی کو اس کی مروّجہِ ادلّہ میں قدغن کی جرأت ہوئی، پس حضرت رسالت مآب ﷺ کے امکانِ معراج کے راستہ میں یہ مسئلہ کوہِ گراں بن کر ہر دور کے علماء اسلام کے افکار و انظار کو چیلنج کرتا رہا، چنانچہ بہت سوں کے ہاتھ سے دامنِ حق چھوٹ گیا اور وہ معراج کا انکار کر بیٹھے اور جو اقرار پر ڈٹے رہے وہ معراجِ روحانی کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے، البتہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی تھے جنہوں نے باطل کی غوغا آرائیوں پر کان دھرے بغیر آوازِ قدرت پر لبیک کہا اور ہر قسم کی مویشگافیوں سے بے نیاز ہو کر صدائے وحدت کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے عرفان

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۶۸ بحوالہ تفسیر ربان

وایقان کی منازل کی طرف آگے بڑھے، کیونکہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے، جس طرح چاہے، جہاں جہاں چاہے اپنے بندے کو سیر کرا سکتا ہے۔ مخلوق و مصنوع کا کوئی فرد کسی وقت اُس کی قدرت و مشیت کے آگے حائل نہیں ہو سکتا اور قرآن مجید میں ”اَسْرَى بِعَبْدِهِ“^① کا فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ از خود نہیں گئے بلکہ اللہ آپ ﷺ کو لے گیا۔ پس جب وہ لے گیا تو اُس کے لیے سب کچھ ممکن ہے۔

سائنس کے اس دور میں جو علم ہیئت کے سابقہ مفروضے کے جھوٹ کی قلعی کھلی تو آسمانوں میں خرق و التیام کو محال جاننے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ایسا تب ہو جب انہوں نے دیکھا کہ ترقی یافتہ ممالک نے سائنسی آلات کے ذریعے ارضی مواد سے طاقت حاصل کر کے آسمانوں کی بلندیوں کو سر کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے اور آئے دن چاند اور دیگر سیارات پر ڈیرہ ڈالنے اور قبضہ جمانے کی خاطر راکٹوں کا بے پناہ سلسلہ قائم ہونے کی خبریں شائع ہونے لگی ہیں جن کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ چاند کی سطح کی تصویریں اتاری جا رہی ہیں، اُس پر آبادی کے امکانات پر رائے زنی ہو رہی ہے، طاقتور حکومتیں اُس پر اپنا پرچم لہرانے کے لیے بے تاب ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لیے خلائی اڈوں کی تجاویز بھی زیرِ غور ہیں۔ (یہ حوالہ پرانی کتاب سے ہے، اب تو انسان نہ صرف چاند کو تسخیر کر چکا ہے بلکہ مریخ پر بھی کمند ڈال چکا ہے۔ مؤلف) ان پیش آمدہ حالات کے تحت جب کہ مسئلہ خرق و التیام ایک فرسودہ خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور مادی قوتوں سے استفادہ کرنے والوں نے جب آسمان کی تسخیر کو حریف ممکن ہی نہیں بلکہ قریب الوقوع قرار دیا ہے، تو وہ ذات جو مقصود کائنات ہو، جس نے زمین پر بیٹھے ہوئے چاند سے اپنی نبوت کی گواہی طلب کر لی ہو اور اُس نے دو ٹوکے ہو کر اپنے مسخر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی ہو اور وہ ذات جو قوتِ روحانیہ میں تمام روحانیوں سے اشرف و اعلیٰ حیثیت کی

① سورۃ اسری، آیت ۱

حامل ہو، حتیٰ کہ سید الملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جس کے ادنیٰ غلام ہوں، اُس کے لیے آسمانی بلند یوں کو سر کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے؟ اور پھر جب بلانے والا اور لے جانے والا اللہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ اس کو ناممکن کہہ سکے؟^①

قرآن کی گواہی

غیر مسلم اگر امکانِ معراج پر یقین نہیں رکھتے تو نہ سہی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن لمحہ فکر یہ اُن لوگوں کا انکار ہے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں کیونکہ یہ انکار انہیں امتِ مسلمہ سے خارج کر کے غیر مسلموں کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ اہل اسلام کے مختلف مسالک میں فروعی مسائل میں تو اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن بنیادی مسائل میں قطعی نہیں، مثلاً تمام احادیث پر ایمان لانے میں اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ہم تک مختلف راویوں، سیلوں اور واسطوں سے پہنچی ہیں لیکن قرآن پر اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، یہ فرمانِ الہی ہے اور اس پر ایمان واجب ہے۔ معراج کے متعلق قرآن کریم میں واضح فرمودات موجود ہیں جن کی روشنی میں کسی قسم کا انکار ممکن ہی نہیں۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمانِ الہی ہوتا ہے:

”سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا ۚ اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ“^②

(پاک ہے وہ جو اپنے بندہ خاص کو رات کے تھوڑے عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا وہ جس کے گرد اگردہم نے برکتیں رکھیں تاکہ دکھائیں ہم انہیں اپنی نشانیاں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے)، اور سورۃ النجم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:^③

① علامہ حسین بخش جاڑا، تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف، ج ۸ ص ۲۵۵

② سورۃ الاسراء، آیت ۱

③ سورۃ النجم، آیت ۱۸ تا ۲۱

”وَالْعَجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۖ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ
 إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ عَلَيْهِ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأُفُقِ
 الْأَعْلَىٰ ۚ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۚ
 مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۚ أَفَتُنَبِّئُونَ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۚ وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً
 أُخْرَىٰ ۚ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۚ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۚ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا
 يَغْشَىٰ ۚ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۚ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۚ“

(قسم ہے ستارے کی جبکہ وہ ڈوبنے لگے۔ کہ تمہارے یہ ساتھی (پیغمبر اسلام ﷺ) نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ ہی بہکے ہیں۔ اور وہ (اپنی) خواہشِ نفس سے بات نہیں کرتے۔ وہ تو بس وحی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے۔ اُن کو ایک زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے۔ جو بڑا صاحبِ قدرت (یا بڑا دانا و حکیم) ہے پھر (وہ اپنی اصلی شکل میں) کھڑا ہوا۔ جبکہ وہ آسمان کے بلند ترین کنارہ پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور زیادہ قریب ہوا۔ یہاں تک دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس اُس (اللہ) نے اپنے (خاص) بندے (رسول اکرم ﷺ) کی طرف وحی کی جو وحی چاہی۔ (رسول اللہ ﷺ) کے دل نے جھوٹ نہیں کہا جو کچھ (آپ ﷺ کی) آنکھ نے دیکھا۔ کیا تم لوگ اُن سے اس بات پر جھگڑتے ہو جو کچھ انہوں نے دیکھا؟ اور آپ (ﷺ) نے ایک بار اور بھی اُترتے ہوئے سدرۃ المنتهی کے پاس دیکھا۔ جہاں جنت الماویٰ (آرام سے رہنے کا بہشت) ہے۔ جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا (وہ نور) جو چھا رہا تھا۔ نہ آنکھ چندھیائی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً آپ (ﷺ) نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

اس سورۃ مبارکہ میں بڑے واضح الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ معراج کوئی خواب و خیال پر مشتمل قصہ نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ بنفسِ نفیس دیکھا وہی بیان فرمایا اور رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) کوئی جھوٹ نہیں کہتے، ہاں! تم ہی خواہ مخواہ اس بات پر جھگڑتے ہو۔

واقعہء معراج پر چند اور دلائل

تفسیر انوار الجنف فی اسرار المصحف میں بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں نے واقعہء معراج کو اپنی اپنی ذہنی استعداد کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی اور جب ذہنِ نارسا نے اسے ظاہری طور ناممکن قرار دیا تو اس کا انکار کر بیٹھے اور دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو گئے۔ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ بھی اُنہی میں سے ہوں گے جن کے دلوں، سماعتوں اور بصارتوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے جو انہیں وہ عام سی نشانیاں بھی نظر نہیں آسکیں جن کی روشنی میں واقعہء معراج کوئی ایسا واقعہ نہیں جو اللہ کے لیے اور اُس کے رسول معظم ﷺ کے لیے (معاذ اللہ) ناممکن ہو۔ اُن عام سی نشانیوں میں سے چند ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں، مثلاً:

(۱) سورج و چاند کا طلوع ہونا اور اُن کی روشنی کا فوراً زمین پر پہنچ جانا:

ہر آنکھ مشاہدہ کرتی ہے کہ سورج اور چاند روزانہ طلوع ہوتے ہیں اور زمین سے کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود طلوع ہوتے ہی اُن کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے۔ سورج کا زمین سے اوسط فاصلہ تقریباً ایک سو پچاس ملین کلومیٹر یعنی پندرہ کروڑ کلومیٹر ہے اور اُس کی روشنی صرف آٹھ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے۔^(۱) روشنی کا یہ تیز رفتار سفر جو یقیناً خالق کائنات کے حکم سے ہوتا ہے اگر ممکن ہے تو پھر وجہ تخلیق کائنات یعنی رسول اللہ ﷺ کا سفرِ معراج کیونکر ناممکن ہے؟

(۲) دُنیا بھر میں بے شمار اموات کا ہونا، حضرت عزرائیلؑ کا فوراً ہر جگہ پہنچ جانا اور مرنے والوں کی ارواح کا عالم برزخ میں چلے جانا:

دُنیا بھر میں روزانہ اُن گنت افرادِ لقہء اجل بنتے ہیں۔ تقریباً تمام مذاہب خصوصاً اہل کتاب کا ایمان ہے کہ حضرت عزرائیلؑ علیہ السلام، اللہ کے حکم سے یہ فرض انجام دیتے ہیں جس کی خاطر وہ آسمانوں سے زمین پر آتے ہیں، بیک وقت دُنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچتے ہیں اور بے شمار نفوس

^(۱) مائکروسافٹ انکارنا انسائیکلو پیڈیا

کی جان قبض کر کے واپس آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔ مرنے والوں کی رُو حیں بھی اس جہان سے اگلے جہان یعنی عالم برزخ میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ مرنے والے انسانوں کی ارواح اور اللہ کے ایک فرشتے کے لیے اس جہان سے اُس جہان تک کا یہ سفر اتنی سرعت کے ساتھ اگر ممکن ہے تو بحکم الہی اُس کے نبی ﷺ کے لیے شب بھر میں زمین سے آسمان تک کا سفر کیسے ممکن نہیں؟

(۳) حضرت جبرائیل علیہ السلام کا وحی لے کر آسمانوں سے زمین پر پہنچنا اور واپس جانا اور دیگر ملائکہ کا روضہ رسول ﷺ پر حاضری کے لیے آنا جانا: تمام اہل کتاب اس پر متفق ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کا پیغام لے کر تو اتر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے پاس زمین پر آتے رہے۔ اور تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت روزانہ روضہ رسول ﷺ پر حاضری دینے کے لیے آسمانوں سے زمین پر اُترتی ہے اور پھر عصر کے بعد واپس پلٹ جاتی ہے۔^①

پس آسمانوں سے زمین تک کا سفر ملائکہ کا معمول ہے تو پھر اللہ کے رسول ﷺ جو ملائکہ سے بھی عظیم ترین ہیں، کے سفر معراج پر اظہارِ تعجب کرنا بذاتِ خود باعثِ تعجب ہے۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کا ظہور: اہل اسلام کے تمام مکاتب فکر کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام وہ ہستیاں ہیں جن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیا اور دوسری کو پردہ غائب میں منتقل کر دیا اور قیامت سے پہلے ان کا دوبارہ ظہور ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ ان میں سے ایک ہستی آسمان پر دوسری پردہ غائب میں کیسے چلی گئی؟ وہ اس وقت کہاں یا کس حال میں ہیں اور واپس کس طرح آئیں گی؟ سیدھا سادھا جواب تو یہی ہے کہ غائب بھی اللہ نے کیا، ہیں بھی اُسی کی مہمان اور انہیں واپس بھی اللہ تعالیٰ ہی بھیجے گا، جس طرح وہ چاہے، کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے ایک نبی اور ایک امام کے لیے ایسا کر سکتا ہے تو وہ جو سُرور

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء) جذب القلوب

انبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور جبرام آخر الزمان (علیہ السلام) ہیں، اُن کے لیے اگر اُس نے آسمانوں کی سیر کا اہتمام فرمایا تو اس میں پریشانی کیوں ہے؟

(۵) سیٹلائٹ، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن کی نشریات اور انٹرنیٹ وغیرہ: انسان کے بنائے ہوئے جدید خلائی مواصلاتی نظام یعنی سیٹلائٹ سسٹم (Satellite System) کے ذریعے ہم روزانہ اپنے فون پر گفتگو کرتے ہیں اور دُنیا کے کسی دور دراز گوشے میں ہونے والی کارروائی کو اپنے کمرہ خواب میں بذریعہ ٹیلی ویژن یا انٹرنیٹ براہ راست دیکھتے ہیں۔ سات سمندر پار کسی اسٹیڈیم میں کھیل ہو رہا ہوتا ہے اور ہم اپنے ٹی وی پر براہ راست اُس سے محظوظ ہو رہے ہوتے ہیں۔ ایک ملک میں فوجی کارروائی ہو رہی ہوتی ہے اور اُس کا براہ راست نظارہ کارروائی کرنے والوں کے حکمران اپنے دفاتر میں بیٹھے کر رہے ہوتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مریخ پر ناسا کی خلائی گاڑی اُتر رہی ہوتی ہے اور پوری دُنیا میں لوگ اپنے اپنے ٹی وی پر اُس گاڑی کو مریخ پر اُترتا ہوا براہ راست دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مریخ پر اُترنے والی خلائی گاڑی کا ”منظر“ کیا کوئی وجود نہیں رکھتا؟ جی ہاں ”منظر“ وجود رکھتا ہے تو نظر آتا ہے، وہ وجود چاہے کسی بھی شکل میں ہو یا کسی بھی مادے سے بنا ہو۔ پس وہ منظر مریخ سے زمین تک کا کروڑوں میل^① کا سفر سیکنڈوں میں طے کر کے زمین پر بسنے والے اربوں لوگوں میں سے ہر ایک کے گھر میں پہنچتا ہے۔ اب ”منظر“ کے اس سفر کی کارروائی کو ذرا دوسرے زاویے سے دیکھیں تو یوں ہے کہ کروڑوں میل سفر طے کر کے مریخ پر پہنچنے والی خلائی گاڑی مریخ پر پہنچ کر مریخ کا بھی جائزہ لے رہی ہے اور وہاں سے زمین پر موجود ہر گھر میں بھی جھانک رہی ہے۔ پس اگر بنی نوع انسان کی بنائی ہوئی ایک مشین کے لیے یہ سب ممکن ہے تو بنی نوع انسان کے رسول معظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ایسے کسی امکان پر کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے کہ جنہیں خالق مطلق نے خود اپنا مہمان بنانے کے لیے سب انتظام کیا ہو۔

① زمین اور مریخ کا درمیانی فاصلہ کم از کم 5 کروڑ 46 لاکھ کلومیٹر ہے۔ سورج کے مدار میں گردش کے دوران ایک مقام پر یہ فاصلہ بڑھ کر 40 کروڑ کلومیٹر تک پہنچ جاتا ہے۔

معراج اور صلواتِ انسبی ﷺ

روایت ہے کہ شبِ معراج نبی آخر الزمان ﷺ کی چوتھے آسمان پر ایک فرشتے سے ملاقات ہوئی۔ فرشتے نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے دو رکعت نماز ادا کی ہے جس میں بیس ہزار سال کا عرصہ لگا ہے۔ خدا کے حکم سے پانچ ہزار سال قیام، پانچ ہزار سال رکوع، پانچ ہزار سال تشہد اور پانچ ہزار سال سجدہ کی حالت میں رہا ہوں۔ میں اس نماز کا ثواب آپ ﷺ کو ہدیہ کرتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”میں تیری اطاعت اور نماز کا محتاج نہیں ہوں۔“ فرشتے نے کہا، ”پھر میں اسے آپ ﷺ کی اُمت کو ہدیہ کرتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”میری اُمت کو بھی تیری نماز کی ضرورت نہیں ہے، خدا کی قسم! میری اُمت کا کوئی گنہگار بھی ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اُس کا ثواب تیری بیس ہزار سالہ عبادت سے بڑھ کر ہے۔“^(۱)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پانچویں آسمان پر سنہری بالوں والا ایک فرشتہ دیکھا جو تہلیل و تقدیس میں مصروف تھا، میں نے سلام کیا تو اُس نے جواب دیا او کہا کہ میں اُن خوش بخت فرشتوں میں سے ہوں جو ہمیشہ آپ ﷺ پر صلوات بھیجتے رہتے ہیں۔^(۲)

نبی کریم ﷺ نے شبِ معراج آسمان پر ایک فرشتے کو دیکھا جس کے ہزار ہاتھ تھے اور ہر ہاتھ کی ہزار انگلیاں تھیں جن سے وہ بارش کے قطرات کا حساب کرتا تھا۔ وہ فرشتہ روزِ ازل سے برسنے والے بارش کے تمام قطرات کا وقت اور مقام نزول کے ساتھ مکمل حساب رکھتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اُس فرشتے سے فرمایا، ”وہ ذاتِ کتنی علیم وخبیر ہوگی جس نے تم جیسے فرشتے کو خلق کیا ہے جو قطراتِ باران کو وقت کے ساتھ شمار کرتا ہے۔“ فرشتے نے جواب دیا، ”یا رسول اللہ ﷺ! حساب کتاب کے لیے ایسے ہاتھوں اور انگلیوں کے باوجود میں ابھی تک ایک چیز کا

^(۱) عداۃ الداعی، ص ۱۲۰

^(۲) عرجۃ الاحمدیہ، ص ۱۳۳

حساب کرنے سے قاصر ہوں۔“ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، ”کس چیز کا؟“ فرشتے نے عرض کیا، ”جب آپ ﷺ کی اُمت کا ایک گروہ آپ ﷺ کا اسم مبارک سُن کر آپ ﷺ پر دُرود بھیجتا ہے تو میں اُس دُرود کے ثواب کا حساب نہیں کر سکتا۔“^①

روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ آسمانوں کی سیر کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے غسل کا ارادہ فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام کو ارشادِ الہی ہوا کہ جَنّت میں جاؤ اور پیغمبر اکرم (ﷺ) کے لیے حوضِ کوثر سے پانی لے آؤ۔ رضوانِ جَنّت دو ایسے برتنوں میں آبِ کوثر لے کر حاضر ہوئے جو یا قوت سے بنے ہوئے تھے اور جنہیں زمرد کے ایسے طشت میں رکھا گیا تھا جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ ایک ایک گوہر سے مزین تھا۔ آپ ﷺ نے غسل فرمایا، نُور سے بنا ہوا لباس زیب تن کیا اور نُور کا وہ عمامہ سر پر رکھا جسے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے سات ہزار سال پہلے بنایا گیا تھا۔ چالیس ہزار فرشتے اُس عمامہ کے ارد گرد تعظیماً کھڑے ہوتے اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ہر تسبیح کے بعد محمد و آلِ محمد (ﷺ) پر دُرود بھیجتے تھے۔ جب جبرائیل علیہ السلام وہ عمامہ لے کر آئے تو وہ چالیس ہزار فرشتے بھی اُن کے ہمراہ آگئے اور آنحضرت ﷺ کی زیارت سے شرفیاب ہوئے، اُس عمامہ پر چالیس ہزار نقش و نگار تھے اور ہر نقش پر یہ چار کلمات لکھے ہوئے تھے، ”مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۝ مُحَمَّدٌ نَّبِیُّ اللّٰهِ ۝ مُحَمَّدٌ خَلِیْلُ اللّٰهِ ۝ مُحَمَّدٌ حَبِیْبُ اللّٰهِ ۝“^②

نبی اکرم ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو جَنّت میں چند فرشتوں کو فارغ بیٹھے دیکھ کر اُن سے فراغت کا سبب دریافت فرمایا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم منتظر ہیں کہ آپ ﷺ کا کوئی اُمتی آپ ﷺ پر صلوات بھیجے تو ہم اُس کے لیے محلِ تعمیر کریں۔^③

① میروزا حسین نوری، (متوفی ۱۳۲۰ھجری) مستدرک الوسائل، منازل الآخرة، ص ۷۴

② عرجة الاحمدية، ص ۹۲

③ خواجہ عابد رضا محسنی، دُرود و سلام کی برکتیں، ص ۵۲

حضور ﷺ نے فرمایا، ”شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے جبرائیل (علیہ السلام) کو میرے سامنے جنت کے محل پیش کرنے کا حکم دیا تو میں نے ایسے محل دیکھے جو سونے چاندی اور مُشک و عنبر سے بنے ہوئے تھے، اُن میں سے کچھ تو بڑے عالیشان تھے جبکہ کچھ ایسے نہ تھے۔ میں نے جبرائیل (علیہ السلام) سے پوچھا کہ کچھ محل عالیشان کیوں نہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ محل اُن نمازیوں کے ہیں جو نماز کے بعد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل علیہم السلام پر درود نہیں بھیجتے۔ جو لوگ درود بھیجتے ہیں اُن کے لیے عالیشان محل تعمیر کیے جاتے ہیں اور جو درود نہیں بھیجتے اُن کے قصر بغیر شان و شوکت کے اسی شکل میں ہوتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان محلات والوں نے آپ ﷺ پر صلوات نہیں بھیجی تھی“،^①

روایت ہے کہ ایک دن حبیبِ خدا ﷺ کی خدمتِ اقدس میں جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آسمان سے زمین پر آ رہا تھا کہ جلے ہوئے پروں والے ایک فرشتے کو زمین پر آہ وزاری کرتے دیکھا۔ اس سے قبل اُس فرشتے کو آسمان پر ایسا مقام حاصل تھا کہ وہ نُور کے ایک تخت پر بیٹھا تھا اور ستر ہزار فرشتے اُس کی خدمت میں صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔ میں نے اُس کی اس حالت کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگا کہ شبِ معراج جب پیغمبر اکرم ﷺ تشریف لائے تو میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم اُس طرح نہ کر سکا جیسا کہ کرنے کا حق تھا۔ لہذا میں اس سزا کا مستوجب ٹھہرا اور عرش سے فرش پر آ رہا۔ پھر مجھ سے کہنے لگا کہ اے جبرائیل! تو پروردگار کے حضور میری شفاعت کرتا کہ مجھے معافی مل سکے۔ میں نے بارگاہِ ربِّ العزت میں فریاد کی تو ارشاد ہوا کہ اسے کہہ دو کہ اگر بخشش چاہتے ہو تو میرے حبیب (ﷺ) پر درود بھیجو، چنانچہ جب اُس نے درود بھیجا تو اپنی پہلی حالت پر لوٹا دیا گیا۔^②

① تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام ص ۳۶۵ - میزنا حسنین نوری، (متوفی ۱۳۲۰ ہجری) مستدرک الوسائل، ج ۵ ص ۱۹

② انوار المواہب، ص ۳۰ - معارج النبوة، ص ۳۱۷ - مفتی محمد امین، آب کوثر، ص ۱۸۱

ایک روایت کے مطابق شبِ معراج حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اپنی اُمت کو میرا سلام کہہ دیجیے گا۔ اس سلام کے جواب میں حضور ﷺ نے دُرودِ ابراہیمی کی صورت میں اُن پر سلام بھیجا۔^(۱)

دُرودِ ابراہیمی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ ط

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ ○

(اے اللہ دُرود بھیج محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی آل ﷺ پر جس طرح تُو نے دُرود بھیجا ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کی آل علیہ السلام پر بے شک تُو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے۔ اے اللہ برکت دے محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی آل علیہ السلام کو جس طرح تُو نے برکت دی ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی آل علیہ السلام کو بے شک تُو تعریف کیا گیا بزرگی والا ہے)



ولادتِ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا علیہا السلام

(۵ بعثت، سنہ ۴۶ عام الفیل / ۶۱۴ء)

مصومہ، مظلومہ، طیبہ، طاہرہ، صدیقہ، اُمّ الآئمہ، سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی ولادت با سعادت، معراج رسول اللہ ﷺ کے بعد سنہ ۵ بعثت میں، ۲۰ جمادی الثانی، بروز جمعہ، مکہ معظمہ میں ہوئی۔ آپ ﷺ کا سال ولادت عام الفیل کے حساب سے سنہ ۴۶ اور عیسوی سال کے حساب سے سنہ ۶۱۴ یا ۶۱۵ء تھا۔ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت جّت سے حضرت آسیہ بنت مزاحم، حضرت مریم بنت عمران، حضرت صفورا بنت شعیب، حضرت کلثوم، ہشیرہ، موسیٰ علیہ السلام اور حوروں کا آنا کتابوں سے ثابت ہے۔ جناب خدیجہ کبریٰ علیہا السلام کا بیان ہے کہ میں نے اپنے قبیلہ کی مرضی کے خلاف سرورِ کائنات ﷺ سے شادی کی تھی اس لیے میری قوم نے مجھ سے مقاطعہ کر رکھا تھا۔ میں نے ولادت کے وقت حسبِ دستور انہیں اطلاع دی، اُن میں سے کوئی نہ آیا مگر اللہ کی رحمت شاملِ حال ہوئی، حوروں اور پاک بیبیوں نے قابلہ اور دایہ کا کام انجام دیا، بچی پیدا ہوئی اور جناب رحمۃ اللعالمین ﷺ کا گھر بقیعہ نُور بن گیا۔^① حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام دُنیا میں تشریف لائیں تو اُن کے نُور سے بیابانوں، صحراؤں، پہاڑوں اور زمینوں کی ہر شے روشن ہو گئی۔ فرشتے زمین پر نازل ہوئے، اُنہوں نے مشرق سے مغرب تک اپنے پر پھیلا دیئے، خیمے اور قیمتی پردے لگا دیئے اور آسمانی سائبانوں سے اُن پر سایہ کر دیا جبکہ اہل مکہ کو اُن کے نُور نے مدہوش کر دیا۔ اُس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ علیہا السلام کے کمرے میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ اے خدیجہ! اس بات کا بالکل غم نہ کرو کہ اہل مکہ کی عورتوں نے آپ سے قطع تعلق کر لیا اور اس مشکل وقت میں آپ کی مدد کے لیے نہیں آئیں کیونکہ آج

① حسین بن محمد یار بکری (متوفی ۸۹۲ ہجری ۱۵۷۷ء) تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۳۱۳۔

شیخ ابی جعفر الصدوقؒ (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا علیہ السلام ومعہ ساکبہ ص ۵۳۔

نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ تارے، ص ۹۱۔

خوبصورت بہشتی عورتیں آپ کے پاس آئیں گی، اُن کی آنکھیں بلوریں ہوں گی، چہرے شاد ہوں گے، اُنہوں نے دل نشیں عطر لگایا ہوگا، اُن کے آگے آگے ایسا نور چمکے گا اور ایسی معطر نسیم چلے گی جو تمام اہل مکہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ پس اسی دوران وہ خواتین نازل ہوئیں اور اُنہوں نے حضرت خدیجہ (ؓ) پر درود و سلام بھیجا اور ولادت کے وقت اُن کی بہترین طریقے سے مدد کی۔ اُنہوں نے مولود کو اُس طشت میں غسل دیا جو وہ بہشت سے اپنے ہمراہ لائی تھیں، بہشتی تولیے سے خشک کیا اور خوشبو سے معطر کیا، پھر کپڑے میں لپیٹ کر اُن کی مہربان ماں کی گود میں دے دیا۔ ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ اُنہوں نے آب کوثر سے مولود کو غسل دیا، پھر دوسفید کپڑے نکالے جو دودھ سے زیادہ سفید اور مُشک و عنبر سے زیادہ معطر تھے۔ ایک کپڑے میں سیدہ فاطمہ (ؓ) کو لپیٹا اور دوسرے کو آپ کے سر پر اسکارف کی طرح باندھا، پھر آپ (ؓ) سے گفتگو کرنے کی خواہش کی، آپ (ؓ) نے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی اور فرمایا: ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ أَبِي مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّ بَعْلِي سَيِّدُ الْأَوْصِيَاءِ وَوَلَدَنِي سَادَةُ الْأَسْبَاطِ“ یعنی میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میرے پدر بزرگوار محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور میرے شوہر نامدار علی (ؓ) اوصیاء کے سردار اور میرے دونوں بیٹے پیغمبر (ﷺ) کے نواسے ہیں۔ پھر اپنا رُخ انور اُن خواتین کی طرف کیا، اُن پر سلام بھیجا اور ہر ایک کو اُس کے نام سے بلایا۔ اُن بہشتی خواتین نے مسکراتے ہوئے آپ (ؓ) کی طرف دیکھا اور آپ (ؓ) کو اُٹھا کر حضرت خدیجہ (ؓ) کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہا، ”اے خدیجہ (ؓ)! اس مولود کو لیجیے کہ یہ پاک و پاکیزہ اور مبارک ہے اور اس کی نسل آپ کے لیے مبارک اور بابرکت ہے۔“ حضرت خدیجہ (ؓ) نے آپ کو گود میں لیا اور شیرِ مطہر سے سیراب کیا۔ سیدہ دو عالم (ؓ) کی ولادت باسعادت کے وقت حورِ لعین اور اہل آسمان نے ایک دوسرے کو خوشخبری سنائی اور مبارک باد دی، آسمان میں ایسا نور چمکا کہ فرشتوں نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔^①

① آیت اللہ سید احمد مستنبط، الثاقب فی المناقب، ترجمہ: القطرۃ من بحار مناقب النبی والعترۃ، ج ۴ ص ۲۴

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات

(۳ قبل ہجرت/۶۱۹ء)

شعب ابی طالب سے نکلنے کے ۸ ماہ اور گیارہ دن کے بعد ماہ شوال کے وسط میں حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔^① اُس وقت حضرت ابوطالب کی عمر ۸۶ سال تھی۔^② ”مدارج النبوت“ کے مطابق نبوت (بعثت) کے دسویں سال حضرت ابوطالب نے وفات پائی۔ ”المواہب اللدنیہ“ میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے اُنچاس سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب نے وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ سنہ ۱۰ نبوی کے نصف ماہ شوال میں اور کچھ کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے اور اُس وقت حضرت ابوطالب کی عمر ستاسی سال تھی۔^③ حضرت ابوطالب کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج پہنچا اور اُسی درد و الم کی وجہ سے اُس سال کو ”عام الحزن“، یعنی غم کا سال قرار دیا۔

مروی ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بنی عبدالمطلب کو اپنی وفات کے وقت بلایا اور وصیت کی کہ تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قائم رہنا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات ماننا اور ان کی نصرت و اعانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد و فلاح پاؤ۔

المواہب اللدنیہ میں ہشام بن سائب سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے قریش کے جوانوں اور اُن کے بڑوں کو اپنے پاس بلایا اور اُنہیں وصیت کرتے ہوئے کہا، ”اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں بزرگی دی ہے،

① علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۵۹ بحوالہ حیوۃ الحیوان دمیری

② ابن واضح یعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۲۸

③ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۹۳۲ء)، مدارج النبوت (اردو)، ج ۲ ص ۷۱

میں تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق (سچے) ہیں اور اُن میں ہر حُسن و خوبی موجود ہے، بلاشبہ وہ ایسی بات لائے ہیں جس کو ہر دل تو مانتا ہے مگر زبانیں ملامت کے خوف سے انکار کرتی ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں عرب کے فقیروں، درویشوں، بادیہ نشینوں (جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والے) اور کمزور و ناتواں لوگوں کو، کہ وہ سب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کو قبول کرتے، ان کے کلمے کی تصدیق کرتے اور ان کو اپنا بزرگ و راہنما مانتے ہیں، قریش اور اُن کے بڑوں کے سر جھک گئے ہیں، اُن کے مکانات ویران ہو گئے ہیں، کمزور لوگ صاحب ثروت اور عظیم بن گئے ہیں اور نصیبہ و اور بہرہ مند ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) عرب کو خالص بنا دیا ہے اور اپنی محبت لوگوں کے دلوں میں خوب رچا بسا دی ہے اور وہ سب ان کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ یہ تمام واقعات آئندہ رونما ہونے والے ہیں گویا میں انہیں ابھی سے دیکھ رہا ہوں۔ تو اے گروہ قریش! تم ان سے محبت کرنے والے اور ان کی نصرت و حمایت کرنے والے بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو بھی ان کی پیروی اور متابعت کرے گا یقیناً ہدایت یافتہ اور کامیاب ہوگا اور کوئی نیک بخت ان کی سیرت و خصلت کا انکار نہیں کرے گا۔ اگر میں کچھ عرصہ اور زندہ رہا اور میری اجل میں کچھ تاخیر ہے تو یقیناً میں ان کی حفاظت و حمایت ہی کرتا رہوں گا اور ہر حادثہ و بُرائی کو ان سے دُور رکھوں گا۔“ حضرت ابوطالب نے یہ وصیت کی اور اس جہان سے رخصت ہو گئے۔^①

اس وصیت کا ایک ایک لفظ اُن لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے جنہیں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان میں کوئی شک ہے۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۲

ابنِ اسحاق سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوطالب کا آخری وقت قریب آیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اُن کی طرف دیکھا، وہ اپنے لبوں کو جنبش دے رہے تھے، اُنہوں نے اپنے کان اُن کے قریب کیے (غور سے سننے کی کوشش کی) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ”اے بھتیجے! خدا کی قسم! بلاشبہ میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھا جسے پڑھنے کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں فرما رہے تھے۔“ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”میں نے سنا ہے۔“^①

حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء میں بہت سے اشعار کہے ہیں، مثلاً:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهِ لِيَجْلَهُ فَذُو الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

(اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے مشتق کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت و بزرگی عطا کرے پس صاحبِ عرش محمد ہے اور آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

”روضۃ الاحباب“ میں ہے کہ حضرت ابوطالب کے عہدِ کفالت میں مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا، لوگ جمع ہو کر استسقاء کے لیے اُن کے گھر گئے۔ وہ گھر سے باہر تشریف لائے، اُن کے ساتھ ایک بچہ آفتاب تاباں کی مانند نکلا۔ حضرت ابوطالب نے اُس فرزندِ جلیل کو پکڑ کر خانہ کعبہ کے ساتھ اُس کی پشت ملا دی۔ اُس فرزندِ جلیل نے آسمان کی جانب انگشتِ مبارک سے اشارہ کیا تو ہر طرف سے بادل اُمنڈ آئے اور اتنا بر سے کہ ندی نالے بھر گئے، حالانکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ اُس وقت حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ شعر کہا:

وَ اَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْعِمَامُ يَوْجِهَهُ ○ ثِمَالُ الْيَتَامَى وَعِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ ○

(اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر گورے چہرہ مبارک والے ہیں کہ جس سے بارش طلب کی جاتی ہے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں کی پناہ گاہ اور یتیموں کے محافظ ہیں۔)

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۲

بروایتے، یہ شعر اُس قصیدے میں سے ہے جسے انہوں نے حضور ﷺ کی مدح و ثنا میں اُس وقت لکھا جب قریش آنحضرت ﷺ کے خلاف اکٹھے ہوئے تھے اور اسلام لانے والوں سے نفرت کرتے تھے۔ محمد ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ قصیدہ ۸۰ اسی سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے، حضرت ابوطالب نے اِس قصیدے میں کفارِ قریش کی عداوت پر ملامت و مذمت کی ہے اور حضور ﷺ کی اطاعت کی ترغیب دی ہے۔ ابن الیقین کہتے ہیں، ”اُن کا یہ قصیدہ اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کو بعثت سے پہلے ہی بحیرئ راہب وغیرہ کے خبر دینے کی بنا پر خوب جانتے تھے۔“ شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، ”حضرت ابوطالب نے اِس قصیدے کو بعثت کے بعد لکھا، میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں انہوں نے حضرت ابوطالب کے اشعار جمع کر کے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی اِس جہان سے گئے۔“ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباس ؓ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کو خبر دی اور حضور ﷺ نے اظہارِ مسرت فرمایا۔^①

حضرت ابوطالب علیہ السلام کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت و اعانت، حمایت و حفاظت، ایثار و محبت اور آپ ﷺ کی توصیف و مدحت کرنا، آپ ﷺ کی شان اور مقام و مرتبہ کو کفار کے سامنے برملا بیان کرنا اور بکثرت نعتیہ اشعار کہنا کثیر روایات میں موجود ہے۔ مزید برآں آپ کے خطبات و تقاریر اور دعاؤں میں اللہ وحدہ لا شریک کے نام کا بکثرت استعمال بھی روایات میں تواتر کے ساتھ ملتا ہے۔ اِس کے باوجود کچھ نام نہاد ”علماء“ کا یہ کہنا کہ حضرت ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے اور حالتِ کفر میں اِس جہان سے گئے تھے یا وہ دل سے تصدیق کرتے تھے مگر

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۴۲ اور ۴۳

زبان سے اقرار نہیں کیا، یا ”رعايت دیتے ہوئے“، بعض کا یہ کہنا کہ صرف وقتِ رحلت کلمہ پڑھا وغیرہ ہمارے نزدیک سراسر غلط اور بغض و عناد پر مبنی بیانات ہیں اور محض تعصب اور عداوت کا شاخصانہ ہیں۔ نہایت سادہ اور سیدھی سی بات ہے جس پر ہم مختلف زاویوں سے روشنی ڈالتے ہیں:

(۱) اگر حضرت ابوطالب ایمان نہیں رکھتے تھے تو حضور ﷺ کی نصرت و حمایت میں کیوں پیش پیش رہے؟ محض ایک بھتیجے کی محبت میں تو ایسا کیا نہیں جاسکتا۔

(۲) حضرت ابوطالب کا رسول اللہ ﷺ کی خاطر کفار کے ساتھ اتنی بڑی ٹکر لینا کہ ایک طرف تمام مشرکین ہیں اور دوسری طرف تنہا آپ اور کفر و اسلام کی اس لڑائی میں جس کا دورانیہ دعوتِ ذوالعترہ سے شروع ہو کر آپ کی وفات تک پھیلا ہوا ہے، آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے، کہیں بھی آپ کے عزمِ صمیم میں ذرا سی لچک بھی پیدا نہیں ہوئی، تو پھر کس بات کا خوف تھا کہ دل سے تو ایمان لے آئے مگر زبانی اقرار نہیں کیا؟ میں تو یہ عرض کروں گا کہ ایسے نام نہاد علماء ”زبانی اقرار“ کا رونا روتے ہیں جبکہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے تو قدم قدم پر ”عملی اقرار“... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ”عملی اظہار“ کیا ہے اپنے ایمانِ کامل کا۔

(۳) اگر آپ کفر پر تھے تو اپنے کلمات و خطبات اور دُعاؤں میں جا بجا اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارکہ کیوں استعمال کیا، کسی بُت یا غیر اللہ کا نام اپنی زبان پر کیوں نہیں لائے؟

(۴) نبی گرامی ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ طاہرہ علیہا السلام سے حضرت ابوطالب نے ہی پڑھایا^① جس کے ابتدائی الفاظ ہیں، ”أَتَحْمَدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَنَا مِنْ زُرْعِ إِبْرَاهِيمَ وَ ذُرِّيَّةِ إِسْمَاعِيلَ... الخ“، یعنی تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نسلِ ابراہیم (علیہ السلام)

① مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۳ء)، سیرت النبی ﷺ ص ۱۱۸

② علامہ نجم الحسن کراوی، چودہ ستارے، ص ۵۱۔ ابن واضح البیہقی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۱۶

اور ذریت اسماعیل (علیہ السلام) سے فراد دیا۔ نکاح کے اس خطبہ میں بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام سب سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کر رہے ہیں پھر اللہ کے انبیاء ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی نسل اور ذریت میں سے ہونے پر فخر کر رہے ہیں اور آخر میں اللہ کے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پڑھا رہے ہیں۔ کیا کسی کافر سے ان کلمات کی توقع کی جاسکتی ہے؟ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ، میرا، آپ کا یا کسی بھی عام مسلمان کا نکاح کوئی کافر نہیں پڑھا سکتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کوئی غیر مسلم یا مشرک کیسے پڑھا سکتا ہے؟

(۵) بعض کہتے ہیں کہ قریش نے آپ سے کہا کہ کیا آپ اپنے باپ دادا کے دین سے منحرف ہو گئے ہیں؟ تو آپ نے کہا، ”نہیں، میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں۔“ دین عبدالمطلب کیا تھا؟ کیا حضرت عبدالمطلب (معاذ اللہ) دین حق پر نہیں تھے؟ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد، دادیاں، نانیاں، آدم علیہ السلام سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تک، سب کے سب مسلمان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور کبھی کسی مشرک مرد و زن کے صلب و رحم میں قرار نہیں پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد و جدات کے دین میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ خاصہ و عامہ کے طریقہ سے متواتر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور ان احادیث متواترہ سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد تمام کے تمام انبیاء، اوصیا اور حاملان دین خدا رہے ہیں۔^①

علماء کرام کا بیان ہے کہ حضرت ابوطالب پر شرک کی تہمت لگانے کا سبب محض بغض علی علیہ السلام تھا اور علی علیہ السلام سے بغض کی وجہ تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے، یعنی حضرت ابوطالب علیہ السلام کا قصور یہ تھا کہ وہ علی علیہ السلام کے والد تھے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شادی شدہ اور صاحب اولاد ہونے کی تہمت بھی اسی طرح تھی۔ اُن کا قصور یہ تھا کہ وہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کی والدہ تھیں۔

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۶۶

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بعد قریش کی دست درازیاں

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے انتقال کے بعد قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضور ﷺ کا کوئی مضبوط حامی اور مددگار نہیں رہا تو آپ ﷺ پر دستِ ظلم و تعدی دراز کر دیا۔ وہ آپ ﷺ کو ساحر و مجنوں کہہ کر پکارتے، گالیاں بکتے، مذاق اڑاتے، جسمِ اطہر پر غلاظت پھینکتے، راہ میں کانٹے بچھاتے اور ہر طرح کی ذہنی و جسمانی کوفت پہنچاتے۔ اُن کی ایذا رسانی اس قدر بڑھ گئی کہ بروایت تاریخ خمیس آپ ﷺ نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔

ایک دفعہ ایک بد بخت نے آپ ﷺ کے سراقدس پر کیچڑ پھینک دی۔ آپ ﷺ اُسی حالت میں گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی صاحبزادی جناب سیدہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام نے آپ ﷺ کا سر دھویا، سراقدس دھوتے ہوئے سیدہ علیہا السلام زار و قطار رونے لگیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ”پیاری بیٹی! تم کیوں روتی ہو، تیرے باپ کی حفاظت اللہ خود فرمائے گا۔“

اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی وفات

(۳ قبل ہجرت/۶۱۹ء)

حضرت ابوطالب کی وفات کے صرف تین دن بعد اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام بھی انتقال فرما گئیں۔ آپ کی عمر ۶۵ سال تھی۔^① حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رفاقت پچیس سال تک رہی۔^② آپ مکہ میں مدفون ہیں۔

تین دنوں میں شیفن چچا اور عمگسا شریکِ حیات کی یکے بعد دیگرے اموات نے حضور ﷺ کو

① ابن واضح الیعقوبی (متوفی ۲۹۲ء)، تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۵۸

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۳

بہت رنجیدہ اور ملول کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان پیاری ہستیوں کی وفات کے سال کو ”عام الحزن“ یعنی غم کا سال قرار دیا۔ آپ ﷺ اس واقعہ کے بعد اپنے ”رحمت کدہ“ سے، جسے صاحب کتاب مدارج النبوت نے ”بیت الحزن“ کہا ہے، بہت کم نکلتے تھے۔^①

شفیق و جاں نثار چچا اور پیکر مہر و وفا شریک حیات کی جدائی پر حضور ﷺ کا گوشہ نشین ہو جانا آپ ﷺ کے گہرے حزن و ملال کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ تو بعید از قیاس ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے ماحول اور مقصد سے کوئی دلچسپی نہ رہی ہو لیکن گمان غالب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے رحمت کدہ پر رہ کر بچھڑنے والی اُن گراں قدر ہستیوں کا غم مناتے ہوں گے۔ یہ انتہائے غم ہی تو ہے کہ آپ ﷺ نے اُس سال کو غم کا سال قرار دیا یعنی آپ ﷺ کے نزدیک وہ غم چند روزہ نہیں تھا بلکہ ایک عرصہ طویل پر محیط تھا اور آپ ﷺ چاہتے تھے کہ یہ غم پورا سال منایا جائے۔

حضرت سودہ بنت زمعہؓ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ سے عقد

(سنہ ۱۰ بعثت، رمضان المبارک ۳ قبل ہجرت / فروری ۶۱۹ء)

اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد ۱۰ بعثت، ۳ قبل ہجرت / فروری ۶۱۹ء میں، حضور ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے نکاح کیا جو کہ بیوہ تھیں اور اُن کی عمر اس وقت پچاس سال کے قریب تھی اور شوال ۳ قبل ہجرت / مارچ ۶۱۹ء میں حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا، لیکن اُن کی رخصتی چار برس بعد شوال ۱ ہجری / اپریل ۶۲۳ء میں ہوئی۔^②

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۳

② ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر علیہ السلام ص ۳۳۲ بحوالہ مشکوٰۃ، کمال فی السماء الرجال

طائف

(سنہ ۱۰ بعثت، ۲ شوال ۳ قبل ہجرت/ فروری، مارچ ۶۱۹ء)

جب مکہ کے ظالموں کا ظلم حد سے تجاوز کر گیا تو رسول اکرم ﷺ نے وادی طائف کا قصد فرمایا۔ یہ وادی مکہ سے ستر میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اُس وقت قبیلہ بنی ثقیف وہاں آباد تھا۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زمین بھی وہیں پر تھی۔ آپ ﷺ اپنے خدمتگار حضرت زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر عازم سفر ہوئے۔ راستے میں بنی بکر اور بنی قحطان میں ٹھہرنا چاہا مگر کوئی صورت نہ بن آئی اور بالآخر طائف چلے گئے۔ خلاف توقع وہاں پر سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا گیا۔ دس یوم اور بروایت ایک ماہ مشکل گزرا تھا کہ غلاموں، اوباشوں اور درندہ صفت غنڈوں نے آپ ﷺ پر پتھر اُڑا دیا اور شدید زخمی کر کے شہر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے سر اقدس پر اتنے پتھر لگے کہ جسم اطہر ایڑیوں تک لہولہاں ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ سے پہلے ایک شب کی مسافت پر واقع بطن نخلہ پہنچ کر آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ کیا کہ کسی حامی کو تلاش کریں، مگر کوئی ہمدرد و نمکسار نہ ملا۔ پھر مطعم بن عدی نے ہامی بھری اور آپ ﷺ مکہ واپس تشریف لائے۔^①

مؤرخین لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پیدل طائف پہنچے تھے۔ طائف میں بنو ثقیف آباد تھے۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے۔ نبی ﷺ پہلے اُن سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ اُن میں سے ایک بولا، ”میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں اگر آپ (ﷺ) کو خدا نے رسول بنایا ہو۔“ دوسرے نے بد زبانی کی، ”کیا خدا کو آپ (ﷺ) کے

① علامہ نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۰ بحوالہ جمال الدین محدث، روضۃ الاحباب

سوا، جنہیں سواری بھی میسر نہیں، رسول بنانے کو اور کوئی نہ ملا تھا؟ اُس نے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا۔“ تیسرے نے بدکلامی کرتے ہوئے کہا، ”میں آپ (ﷺ) سے کبھی بات ہی نہیں کروں گا کیونکہ اگر آپ (ﷺ) خدا کے رسول ہیں جیسا کہ آپ (ﷺ) کہتے ہیں، تب تو یہ بہت خطرناک بات ہے کہ میں آپ (ﷺ) کے کلام کو رد کروں اور اگر آپ (ﷺ) جھوٹ بولتے ہیں تو مجھے شایان نہیں کہ آپ (ﷺ) سے بات کروں۔“ نبی اللہ ﷺ نے فرمایا، ”اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو ایسا نہ ہو کہ یہ دوسروں کے ٹھوکرا کھانے کا سبب بن جائیں۔“

نبی کریم ﷺ وعظ شروع فرماتے تو اُن بدبختوں کے سکھلائے ہوئے غلام اور آوارہ لڑکے آپ ﷺ پر پتھر برساتے یہاں تک کہ آپ ﷺ لہو لہان ہو جاتے، خون بہہ بہہ کر پاپوش مبارک میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں نکالنا مشکل ہو جاتا۔ ایک دفعہ بد معاشوں اور اوباشوں نے آپ ﷺ کو اس قدر گالیاں دیں، تالیاں بجائیں، چیخ و پکاری کہ آپ ﷺ ایک احاطے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ وہ جگہ عتبہ و شیبہ فرزند ان ربیعہ کی تھی۔ اُنہوں نے دُور سے دیکھا تو صلہ رحمی کے طور پر آپ ﷺ کے لیے اپنے غلام عداس کے ہاتھ انگور بھیجے۔ عداس نے وہ انگور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور ”بسم اللہ“ پڑھ کر تناول فرمانے لگے تو عداس نے حیرت سے آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا، ”یہ ایسا کلام ہے جو یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے۔“ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے دریافت فرمایا، ”تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟“ عداس نے جواب دیا، ”میں نینوی کا باشندہ ہوں اور عیسائی ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”کیا تم مردِ صالح یونس بن متی (علیہ السلام) کے شہر کے باسی ہو؟“ عداس نے کہا، ”کیا آپ (ﷺ) جانتے ہیں کہ یونس بن متی (علیہ السلام) کون تھے؟ اور کیسے تھے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”وہ میرے بھائی تھے، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی

نبی ہوں۔“ عداس یہ سنتے ہی جھکا اور آپ ﷺ کے سرِ اقدس، دستِ مبارک اور پائے اطہر کا بوسہ لیا۔ عتبہ و شیبہ نے دُور سے اپنے غلام کو ایسا کرتے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ لو! یہ تو ہاتھ سے نکل گیا۔ پس جب عداس واپس آیا تو وہ کہنے لگے کہ کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اُس شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا؟ عداس نے کہا کہ جناب! آج اُس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں ہے، اُس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو صرف نبی ہی جان سکتا ہے۔ انہوں نے عداس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار کہیں اپنا دین نہ چھوڑ دینا، تیرا دین اُس کے دین سے بہتر ہے۔^①

طائف میں ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ کو اتنے زخم آئے کہ آپ ﷺ نڈھال ہو کر زمین پر آ رہے۔ حضرت زیدؓ نے آپ ﷺ کو اپنی پشت پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے۔ اُس سفر میں اتنی تکالیف اور ایذا رسانیوں کے باوجود ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔ اتنے رنج و غم اور مصائب کے باوجود پاک پیغمبر ﷺ کا دلِ اطہر اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت سے لبریز تھا۔ اُس وقت آپ ﷺ نے دُعا فرمائی، ”الہی! میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تُو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ در ماندہ عاجزوں کا مالک تُو ہی ہے اور میرا مالک بھی تُو ہی ہے۔ الہی! مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟ کیا بیگانہ ترش رُو دشمن کے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اِس کی کوئی پروا نہیں کیوں کہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نُور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں منور ہو جاتی ہیں اور دین و دُنیا کے کام سنور جاتے ہیں۔ تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری رضا مندی مجھ پر وارد ہو، مجھے تو بس تیری ہی رضا اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے عطا ہوتی ہے۔“^②

① قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمة للعالمین ﷺ، ج ۱ ص ۹۲

ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، تاریخ طبری ج ۱ ص ۷۵

② ابن ہشام (متوفی ۸۳۳ء)، زاد المعاد

جنابِ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر جمیل ملاحظہ ہو کہ ایسے اذیت ناک موقع پر بھی ظالموں کو بُرا بھلا نہیں کہہ رہے اور نہ ہی اُن کے لیے بددعا کر رہے ہیں بلکہ اللہ کریم کی حمد و ثنا کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس ظلم کی کوئی پروا نہیں، میرے لیے تیری عافیت کا وسیع دامن موجود ہے اور مجھے ہر حال میں تیری رضا اور خوشنودی ہی درکار ہے۔

روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں ان لوگوں (اہل طائف) کی تباہی و بربادی کے لیے کیوں بددعا کروں؟ اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو (نہ سہی) اُمید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور خدائے احد پر ایمان لانے والی ہوں گی۔^①

مدارج النبوت میں ہے کہ مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام کی خاطر قبیلہ بنی بکر بن وائل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کر دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے قبیلہ قحطان تشریف لے گئے۔ انہوں نے چند دن مہمان نوازی کی پھر نگاہیں پھیر لیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف اور ثقیف کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرت زید بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ ثقیف میں رہے، انہیں دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے بھی قبول نہ کی بلکہ غلاموں اور بچوں کو ایذا رسانی کے لیے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے، شور و غوغا کرتے، گالیاں بکتے اور پتھر مارتے۔ ظالموں کے پتھر اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے زخمی ہو جاتے کہ جسمِ مطہر سے بہتا ہوا خون پاؤں تک جا پہنچتا اور پائے اقدس لہو سے تر تر ہو جاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ بد بخت پتھر برساتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آ رہتے اور دستِ مبارک سے اپنے پائے نازک سہلاتے، پھر کھڑے ہوتے اور جب چلتے تو وہ بد کردار پھر پتھر مارتے اور قہقہے لگاتے۔ حضرت زید خود کو

① قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ اللّٰعَالَمِیْنَ صَلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، ج ۱ ص ۹۴ بحوالہ صحیح بخاری،

حضور ﷺ کی ڈھال بنائے رکھتے تھے، ایک سنگ باری میں اُن کا بھی سر پھٹ گیا۔^①

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ (ﷺ) پر روزِ اُحد (جنگِ اُحد کے دن) سے زیادہ سخت و شدید دن کوئی اور بھی آیا؟

فرمایا کہ بلاشبہ تمہاری قوم کی جانب سے مجھ پر سخت ترین مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے مگر روزِ عقبہ (سفر طائف کے دوران) جب میں عبدیالیل بن کلال کے سامنے آیا اور منصبِ جلیل ظاہر کر کے اُسے دعوتِ اسلام دی تو اُس نے قبول نہ کی، میں مغموم و محزون وہاں سے چل دیا در آنحالیکہ، ”قرن الشعالب“ پہنچا تو میں نڈھال تھا۔ (مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ..... ”مجھے ہوش نہ تھا۔“ ”ہوش میں نہ تھا“ جیسے الفاظ کا استعمال رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے لیے مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ”ہوش میں نہ ہونا“ ایک محاورہ ہے جس کے کئی مطالب نکلتے ہیں۔ میں نے اس محاورہ کو نڈھال ہو جانے کے معانی میں لیتے ہوئے اسی لفظ کا استعمال کیا ہے۔ مؤلف) اس کے بعد میں نے اپنا سراٹھایا تو دیکھا کہ ابرکا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اُس میں جبرائیل (علیہ السلام) کو پایا۔ اُنہوں نے مجھے مخاطب کیا اور کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی قوم کی بدزبانی اور بدسلوکی ملاحظہ کی ہے۔ اُس نے آپ (ﷺ) کی خدمت میں ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا ہے اور اُسے آپ (ﷺ) کا تابع فرمان کر دیا ہے کہ آپ (ﷺ) جو چاہیں اُسے حکم فرمائیں۔ اس کے بعد ملک الجبال نے مجھے سلام عرض کیا اور کہا کہ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، دُنیا جہان کے پہاڑ میرے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کی قوم کی بدزبانی اور بدسلوکی کی وجہ سے مجھے آپ (ﷺ) کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ (ﷺ) جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں، اگر آپ (ﷺ) حکم فرمائیں تو میں پہاڑوں کو ان (گستاخ) لوگوں پر گرا کر انہیں کچل دوں اور ہلاک کر دوں؟ میں

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۴

نے کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ انہیں ہلاک کیا جائے بلکہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اُس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں گے۔ صاحبِ مواہب فرماتے ہیں کہ طائف میں حضور ﷺ کی اقامت دس روز رہی اور ”روضۃ الاحباب“ میں ہے کہ آپ ﷺ وہاں ایک ماہ تک رہے۔^(۱)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جنّات کی حاضری

طائف سے مکہ جاتے ہوئے حضور ﷺ نے وادیِ نخلہ میں قیام فرمایا۔ رات کے وقت آپ ﷺ تلاوتِ قرآن فرما رہے تھے کہ نصیبین سے یمن جانے والے چند جنّات، جن کی تعداد بروایت سات یا نو تھی، کلامِ خدا اُن کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے انہیں دعوتِ اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ پھر وہ آپ ﷺ کے حکم سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر کہا کہ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے، ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم کسی کو اپنے پروردگار کا شریک نہیں بنائیں گے۔^(۲) یہ واقعہ قرآن پاک میں یوں آیا ہے:^(۳)

إِلَىٰ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۖ^(۱) يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَامْتَابَهُ ۖ وَلَٰكِن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۖ^(۲)

(جنات کے ایک گروہ نے (قرآن کو) توجہ کے ساتھ سنا پھر (جا کر اپنی قوم سے) کہا کہ ہم نے

^(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۴ بحوالہ مسلم، صحیح بخاری حدیث

۳۲۳۱، جمال الدین، روضۃ الاحباب، مواہب اللدنیۃ

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۵۔ جمال الدین، روضۃ الاحباب

^(۳) سورۃ الجن، آیت ۲ تا ۴

بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اب ہم کسی کو بھی اپنے پروردگار کا شریک نہیں بنائیں گے۔)

اس واقعہ کا ذکر سورۃ الاحقاف میں بھی ہے۔ ارشادِ ربّی ہوتا ہے: ^①

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ ۖ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ ۖ ۝۲۹ قَالُوا يَقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝۳۰ (اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے جنّات کے کچھ افراد کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف متوجہ کیا تاکہ وہ غور سے قرآن سنیں۔ پس وہ اُس جگہ پہنچے (جہاں قرآن پڑھا جا رہا تھا) تو (آپس میں کہنے لگے) خاموش ہو کر سنو لہذا جب (قرآن) پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ اُنہوں نے کہا اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (اور جو) حق اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔)

المواہب اللدنیۃ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ کچھ جنّات نے قرآن سنا لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر نہ ہوئے اور محض تلاوتِ قرآن سن کر ہی اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔ پھر وہ جوق در جوق آتے رہے، قرآنِ کریم سنتے اور ایمان لاتے رہے مگر ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے۔ ^②

منقول ہے کہ حرم کے نزدیک درختوں میں سے ایک درخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا اور خبر دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنّات کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئی ہے جو مقامِ حجّون

① سورۃ الاحقاف، آیت نمبر ۲۹ تا ۳۰

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۲ بحوالہ المواہب اللدنیۃ

میں ٹھہری ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لیا اور اُن سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ حجون پر پہنچے تو ایک کھائی میں اُترے، اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تاکہ کوئی آفت تم تک نہ پہنچ سکے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوئے اور سورۃ طہ کی تلاوت فرمائی۔ ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار اور دوسری کے مطابق چھ ہزار جنّات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعوتِ اسلام دی اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔ مروی ہے کہ جنّات کی قوم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت پر گواہی مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کو اپنے پاس بلایا۔ وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ روایت ہے کہ جنّات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے توشہ (زادِ راہ) / وہ کھانا جو مسافر ساتھ لے جائے) مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّات کے لیے استخوان (ہڈی) اور اُن کے چوپایوں کے لیے سرگین (گوبر) مقرر کی اور فرمایا کہ جب تم ہڈیوں پر خدا کا نام لو گے تو حق تعالیٰ اُن پر اتنا گوشت پیدا فرما دے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے چوپایوں کے لیے سرگین لو گے تو حق تعالیٰ اُس میں دانہ اور غلہ پیدا فرما دے گا۔ اسی بنا پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔^①

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ



① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۶ تا ۷۷

قبیلہ خزرج کی ایک جماعت کا قبولِ اسلام

(سنہ ۱۱ بعثت)

سنہ ۱۱ بعثت ماہِ رجب میں نبی اکرم ﷺ عقبہ کے قریب منیٰ میں تشریف فرما تھے کہ اہلِ یثرب (مدینہ میں اوس اور خزرج دو قبیلے رہتے تھے، دونوں ایک باپ کی اولاد تھے، اُن کے مسکن کو یثرب کہا جاتا تھا) کے قبیلہ خزرج کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یہ جماعت چھ افراد پر مشتمل تھی، حضور ﷺ نے اُن کے سامنے تلاوتِ قرآن کی اور اسلام کے محاسن بیان فرمائے۔ آپ ﷺ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے منصبِ رسالت عطا فرمایا ہے اگر تم میری اطاعت کرو گے تو دُنیا و آخرت میں نیک بخت و سعادت مند رہو گے۔

خزرجیوں نے مدینہ منورہ کے یہودیوں سے پہلے ہی سُن رکھا تھا کہ نبی آخر الزمان (ﷺ) کے ظہور و بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے، جب آپ ﷺ کے ارشادات سنے اور آپ ﷺ کے جمال و کردار اور اوصاف کا مشاہدہ کیا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے ظہور کی باتیں یہودی کیا کرتے ہیں، اس وقت کو غنیمت سمجھو اور ان پر ایمان لے آؤ تاکہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے۔ پس وہ لوگ ایمان لے آئے اور واپس یثرب جا کر دینِ اسلام کی تبلیغ جس کے نتیجے میں وہاں کے گھروں میں اسلام کی شمع روشن ہوئی۔^①

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۹۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۷۷

علامہ نجم الحسن کراوی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۰

بیعت عقبہ اولیٰ

(سنہ ۱۲ بعثت، ذوالحجہ ۱ قبل ہجرت/ ۶۲۱ء)

بیعت عقبہ اولیٰ سے ایک سال پہلے یعنی سنہ ۱۱ بعثت میں قبیلہ خزرج کے چھ آدمی، نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور مشرف بہ اسلام ہو کر کے واپس مدینہ طیبہ چلے گئے تھے۔ اُن میں سے پانچ آدمی دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اُن کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے سات اور لوگ بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور حضور ﷺ کی حمایت کا عہد کیا۔ اس عہد کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت مکان عقبہ میں ہوئی جو مکہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے، اسی لئے اسے بیعت ”عقبہ“ کہا جاتا ہے۔

بیعت عقبہ اولیٰ میں شامل بارہ افراد کے نام:

ابو امامہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطیبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، معاذ بن حرث، ذکوان بن عبد قیس، خالد، عباد بن صامت، عباس بن عبادہ، ابوالہیثم اور عویم بن ساعدہ۔

بیعت عقبہ اولیٰ کے نکات: ①

حضور ﷺ نے مندرجہ ذیل سات نکات پر بیعت لی:

(۱) خدا کا کوئی شریک نہ بناؤ۔

(۲) نبی ﷺ کی اطاعت کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

(۴) زنا نہ کرو۔

(۵) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ۔

① ابو الفداء (متوفی ۱۳۳۱ء)، تاریخ ابو الفداء، ج ۱ ص ۵۲

(۶) غیبت اور چغلی نہ کرو۔

(۷) چوری نہ کرو۔

جب لوگ بیعت کر کے جانے لگے تو حضور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد منافؓ کو اُن کے ساتھ بھیجا اور قرآن کی تعلیم دینے اور اسلام کے اطوار سکھانے پر مامور فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ ایک امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے، جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو آگے پیچھے غلام ہوا کرتے اور بدن پر قیمتی پوشاک ہوتی تھی مگر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ عالم تھا کہ جب آپ مدینہ میں دین حق کی منادی کرتے تو کاندھے پر کیکر کے کانٹوں سے اٹکایا ہوا کمر کا ایک ٹکڑا ہوتا۔^(۱)

اس بیعت کے نکات توجہ طلب ہیں۔ دین اسلام اُس وقت ابتدائی دور سے گذر رہا تھا اور رسول معظم ﷺ نے دور جاہلیت کے اندھیروں میں لیٹی ہوئی ایک گمراہ قوم کی اصلاح کر کے اُسے ایمان کے راستوں پر گامزن کرنا تھا۔ ایسے میں آپ ﷺ کا سات نکاتی ایجنڈا اپنی جگہ ایک مکمل آئین اور ضابطہء حیات تھا۔ شرک و بت پرستی کرنے والی قوم کو آپ ﷺ نے ادراک توحید دیا اور اپنی اطاعت کا پابند کر کے دین مبین کے مضبوط قلعے میں محفوظ کر لیا۔ اُس دور میں نومولود بیٹیوں کا قتل، بدکاری، تہمت زنی، غیبت اور چوری جیسے گناہ عام تھے اور یہ ایسے گناہ تھے جن کے بطن سے دیگر تمام برائیاں جنم لیتی تھیں۔ آپ ﷺ نے شجر گناہ کی ان جڑوں کو کاٹنے کا حکم دے کر ذلت و گمراہی کے تمام راستے بند کر دیے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ



^(۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رحمۃ اللعالمین ﷺ، ج ۱ ص ۱۰۱

بیعت عقبہ ثانیہ

(سنہ ۱۳ بعثت، ۳ ماہ قبل ہجرت/ جون ۶۲۲ء)

اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد ہونے والی دوسری بیعت تھی۔ اس کو بیعت عقبہ کبریٰ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں بیعت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی اور یہ بیعت بھی چونکہ مکان عقبہ پر ہوئی اس لیے اس کو بھی بیعت عقبہ کہا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین نے اس کو بیعت عقبہ ثالثہ بھی لکھا ہے۔ اس حساب سے ہم بیعت عقبہ اولیٰ کو جو سنہ ۱۲ بعثت میں ہوئی، بیعت عقبہ ثانیہ کہیں گے اور قبیلہ بنو خزرج کے چھ افراد کے سنہ ۱۱ بعثت میں نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر مبنی میں عقبہ کے قریب قبول اسلام کو بیعت عقبہ اولیٰ کہیں گے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ (جنہیں بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بیعت کرنے والوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا تھا) کا قیام مدینہ منورہ میں اسعد بن زرارہ کے گھر تھا۔ مصعب وہاں ”المقبری“، یعنی ”پڑھانے والا“ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ مصعبؓ اور اسعدؓ کی کوششوں سے مدینہ کے دو قبائل، بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر مسلمان ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جس روز اسید ایمان لائے اُن کی دعوت پر اُن کے قبیلہ بنی عبدالاشہل کے تمام مرد و غروب آفتاب تک مسلمان ہو گئے۔ مصعبؓ کی تعلیم کے نتیجے میں اگلے سال یعنی ۱۳ بعثت کو ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں یثرب کے ایک قافلے میں شامل ہو کر مکہ آئے۔ اُن کو یثرب کے مسلمانوں نے اس لیے بھیجا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دیں۔ طبری میں ہے کہ وہ لوگ رات کے وقت پہنچے اور رسول اللہ ﷺ بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عباسؓ نے اُن لوگوں سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ قریش مکہ محمد ﷺ کے جانی دشمن ہیں اس لیے تم ان سے کوئی قول و اقرار کرنے سے پہلے خوب سوچ بچار کر لو، یہ ایک نازک اور مشکل کام ہے اور محمد ﷺ سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں

کو دعوت دینا ہے لہذا جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو ورنہ بہتر ہے کہ کچھ نہ کرو۔ اُن لوگوں نے حضرت عباسؓ کو کوئی جواب دینے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں براہِ راست عرض کیا کہ حضور ﷺ! آپ کچھ ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کو اللہ کا پیغام سنایا جسے سُن کر اُن کے دل منور ہو گئے اور وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ (ﷺ) ہمارے شہر میں تشریف لائیں اور وہیں رہیں تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میرا ساتھ دو گے؟ اور جب میں تمہارے شہر جا کر رہوں تو کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال ہی کی طرح کرو گے؟ اُنہوں نے پوچھا کہ ہمیں اس کا کیا صلہ ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”جنت“۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! ہماری تسلی کے لیے فرما دیجیے کہ آپ (ﷺ) ہمیں چھوڑ تو نہیں دیں گے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے اس جملے کا ادا ہونا تھا کہ عاشقانِ صداقت عجب سُرو و نشاط کے عالم میں بیعت کرنے لگے۔ براء بن معرور نے سب سے پہلے بیعت کی۔

ایک شیطان نے پہاڑ کی چوٹی سے یہ منظر دیکھا تو چیخ کر اہلِ مکہ کو کہنے لگا، ”لوگو! آؤ، دیکھو کہ محمد (ﷺ) اور اُن کے ساتھی تم سے لڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم اس آواز کی پرواہ نہ کرو۔ حضرت عباسؓ بن عبادہ نے عرض کیا کہ حضور (ﷺ)! اگر آپ ﷺ اجازت دیں تو ہم کل ہی مکہ والوں کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔^①

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ



① قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ، ج ۱ ص ۱۰۲

ہجرتِ مدینہ

(۱۴ بعثت/۶۲۲ء)

حضرت علی علیہ السلام بسترِ رسول ﷺ پر

قریش کی سازشیں اور ظلم و ستم ناقابلِ برداشت ہونے لگا تو سنہ ۱۴ بعثت بمطابق ۶۲۲ عیسوی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مسلمان خفیہ طور پر مدینہ طیبہ چلے گئے۔

بروایت سب مسلمان ہجرت کر گئے یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت ابو بکرؓ کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ مدینہ طیبہ میں اسلام پھیل رہا تھا، قریش کو خبر ہوئی تو وہ ایک کاری ضرب لگانے کی منصوبہ بندی کرنے کے لیے قضی بن کلاب کے گھر ”دار الندوہ“ میں جمع ہوئے۔ کسی نے کہا کہ ابھی کچھ دن انتظار کرو، ایک کافر بولا کہ محمد (ﷺ) کو قید کر دو، دوسرے نے کہا کہ یہیں قتل کر دو تاکہ اُن کے ساتھ اُن کا دین بھی ختم ہو جائے۔ کسی نے رائے دی کہ جلا وطن کر دو۔^①

پس سورۃ انفال میں ارشادِ الہی ہوتا ہے:^②

”وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الِّيُبْتَئُونَكَ أَوْ يَقْتُلُونَكَ أَوْ يُجْرِيُونَكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ۝“

(اے محبوب (ﷺ)! اُس وقت کو یاد کیجیے جب کفار آپ (ﷺ) کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ بنا رہے تھے کہ یا تو آپ (ﷺ) کو قید کر دیں یا آپ (ﷺ) کو قتل کر دیں یا آپ (ﷺ) کو نکال دیں۔ وہ بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی اُن کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ تعالیٰ مکاروں کو بہترین سزا دینے والا ہے)

ابو جہل نے مشورہ دیا کہ پانچوں قبیلوں کے لوگ مل کر بیک وقت قاتلانہ حملہ کریں تاکہ کسی ایک پر

① مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

② سورۃ انفال، آیت نمبر ۳۰

قتل کا الزام نہ آئے اور بنی ہاشم ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں۔
 نجدی نے تمام آراء کو کمزور قرار دیا اور ابو جہل کے مشورے کو پسند کیا، باقی لوگ بھی اُس بد بخت کی
 رائے پر متفق ہو گئے چنانچہ سب نے مل کر آنحضرت ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔^(۱)
 وہ جمعرات، یکم ربیع الاول سنہ ۱۲ بعثت کا دن تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو بارگاہِ الہی سے مکہ چھوڑ
 کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے^(۲) کہ وہ حکم اس
 آیت کریمہ^(۳) میں ہے: **وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا** (اور یوں کہیے پروردگار! تو مجھے (ہر مرحلہ میں)
 سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ نکالا اور اپنے ہاں سے مجھے ایک قوت عطا فرما جو مددگار
 ثابت ہو)

مدارج النبوت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر یہ حکم الہی سنایا،^(۴)
”اِنَّ اللّٰهَ يٰۤاُمْرًا بِالْهٰجَرَةِ“ (اللہ تعالیٰ آپ (ﷺ) کو ہجرت کا حکم فرماتا ہے)
 جبرائیل علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ آج رات آپ (ﷺ) وہاں نہ سونیں جہاں سویا کرتے
 ہیں، پس آنحضرت ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ”خدا نے وحی کی ہے کہ میں رات کو
 ہجرت کر کے غار ثور کی طرف جاؤں اور آپ کو اپنی جگہ پر سلا جاؤں تاکہ دشمنوں کو آپ پر میرا
 گمان ہو۔“ حضرت علی علیہ السلام نے پوچھا: ”حضور! کیا میرے سونے سے آپ ﷺ کی جان بچ
 جائے گی؟“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“
 یٰٰن کر حضرت علی علیہ السلام مسکرائے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ (بروایت اسلام میں سب سے پہلا سجدہ

^(۱) مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

^(۳) سورۃ الاسراء، آیت نمبر ۸۰

^(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

شکر یہی تھا جو حضرت علیؑ نے ادا کیا) پھر سجدہ سے سر اٹھا کر عرض کیا، ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری آنکھیں، میرے کان اور میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان سے تشریف لے جائیے۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اے علی! تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور آگاہ رہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا امتحان دین میں اُن کے ایمان و منازل کی مناسبت سے لیتا ہے، خدا نے تیرا اور میرا امتحان اس طرح لیا ہے جس طرح ابراہیم اور اسمعیل (علیہم السلام) کا لیا تھا، پس صبر کرو، صبر سے خدا کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہوتی ہے۔“ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کو اپنے سینے سے لگایا اور روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل دیے۔^①

مردی ہے کہ اُس وقت قریش کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمت کدے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور اپنی مذموم کاروائی کے لیے رات گہری ہونے کے انتظار میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے ہوئے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرما رہے تھے:^②

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ^③ (اور ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار اُن کے پیچھے کھڑی کر دی ہے (اس طرح) ہم نے انہیں ڈھانپ دیا ہے پس وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مُشتِ خاک کفار کے سروں پر پھینکی اور گذرتے چلے گئے۔^④ قدرت نے اُس خاک کے ذریعے کافروں کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے سامنے سے گذرے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے۔

① مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

② سورة يس، آیت ۹

③ مولانا سید ظفر حسن، کتاب مستطاب مجمع الفضائل (ترجمہ: مناقب علامہ ابن شہر آشوب) ج ۱ ص ۸۸

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا علی علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ کر جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کفارِ قریش کی کچھ امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھیں جنہیں لوٹانا تھا۔ واضح ہو کہ باوجود تمام تر کینہ و عداوت کے، بنو قریش آنحضرت ﷺ کو ”صادق“ اور ”امین“ یعنی سچا اور اماندار کہا کرتے تھے اور اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھا کرتے تھے۔^①

”مدارج النبوت“ میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عشق و محبت میں اپنی جان کو فدا کیا اور حضور ﷺ پر قربان ہونے کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔^② اہل سیر کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ اسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔^③

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ④

(اور انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان خطرے

میں ڈال دیتے ہیں اور اللہ (ایسے جاں نثار) بندوں پر بہت شفیق و مہربان ہے)

مولانا شبلی نعمانی صاحب لکھتے ہیں، ”یہ سخت خطرے کا موقع تھا، جناب علی علیہ السلام کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ ﷺ کا بسترِ خواب، قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتحِ خیبر کے لیے قتل گاہ، فرشِ گل تھا“،^④

پس دشمنِ خانہ رسولِ خدا ﷺ کا دروازہ توڑ کر گھر میں داخل ہوئے تو بسترِ رسول ﷺ پر علی علیہ السلام کو سوتا ہوا پایا۔ پوچھا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ جہاں ہیں خدا کی امان میں ہیں۔

① شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

② شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۳

③ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۰۷

④ مولانا شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء)، سیرۃ النبی ﷺ، ج ۱ ص ۱۶۲

”طبری“ میں ہے کہ علیؑ تلوارِ سونٹ کر کھڑے ہو گئے اور سب بھاگ گئے۔ ”احیاء العلوم غزالی“ کے مطابق علیؑ کی حفاظت کے لیے خدا نے جبرائیل اور میکائیل (علیہ السلام) کو بھیج دیا تھا اور یہ دونوں مقرب فرشتے ساری رات علیؑ کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے تھے۔ حضرت علیؑ کا فرمانا ہے کہ مجھے جیسی نیند شبِ ہجرت آئی، ایسی ساری عمر نہ آئی۔^(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سب سے پہلے اُن کے گھر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کے لیے سواری درکار تھی، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہ سے قیمتاً ایک اُونٹ خریدا۔^(۲) ”مدارج النبوت“ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس دو اُونٹ تھے جو انہوں نے چار سو درہم میں خریدے تھے، اُن میں سے ایک نو سو درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید لیا۔^(۳) اُس کا نام ”قصوی“ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر صبح سے کچھ دیر پہلے بتاریخ ۲ ربیع الاول بروز جمعہ غارِ ثور میں پہنچے۔ یہ غار مکہ سے مدینہ کی طرف اڑھائی تین میل جنوب میں واقع ہے۔ جبلِ ثور کی چوٹی تقریباً ایک میل بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار میں داخل ہوئے تو اللہ کے حکم سے اُس کے دہانے پر مکڑی نے جالا بنایا، کوتر نے انڈا دیا، ببول کا ایک درخت اُگ آیا اور غار میں داخلے کے نشان ناپید ہو گئے۔^(۴)

دشمن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں وہاں پہنچے تو متذبذب ہو گئے، دماغ کہتا کہ وہ یہیں غار

^(۱) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۲ بحوالہ طبری۔ احیاء العلوم غزالی

^(۲) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، ج ۱ حصہ ۳ ص ۶۹، حدیث ۲۱۳۸

^(۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۶

^(۴) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۳

کے اندر موجود ہیں لیکن آثار ایسے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس غار میں داخل ہوتے تو کبوتر کا انڈا ٹوٹ جاتا، مٹری کا جالابھی درہم برہم ہو جاتا اور یہ درخت تو اس جگہ مدت سے اُگا ہوا ہے، بھلا کوئی کیسے اندر جاسکتا ہے؟

”عجائب القصص“ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انڈہ دینے والے کبوتر کے اُس جوڑے کو خانہ کعبہ پر آکر بسنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔^(۱) المواہب اللدنیۃ میں منقول ہے کہ حرم مکہ کے کبوتر اُسی جوڑے کی نسل سے ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا و برکت سے قیامت تک شکار و ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔^(۲) واضح رہے کہ حرم مکہ میں شکار کرنا شرعاً بھی ممنوع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بروز اتوار، ۴ ربیع الاول تک غار ثور میں رہے۔ اس دوران حضرت علی علیہ السلام اشیاء خورد و نوش پہنچاتے رہے۔ چوتھے روز یعنی ۵ ربیع الاول بروز سوموار عبداللہ ابن اریقط اور عامر بن، فہیرہ بھی آپہنچے۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری یا قتل پر سو ۱۰۰ نوٹوں کا انعام مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ سراقہ بن مالک انعام کے لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتا ہوا غار تک جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت رواجی کے لیے غار سے باہر تشریف لائے تھے۔ سراقہ قریب پہنچا تو اُس کا گھوڑا زانوؤں تک زمین میں دھنس گیا، وہ سخت گھبرایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کا خواستگار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے معاف فرمادیا۔ پس زمین نے اُس کے گھوڑے کو آزاد کر دیا اور وہ جان بچا کر بھاگ گیا، واپس پہنچا تو کافروں سے کہا کہ میں نے بہت تلاش کیا مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سراغ نہیں ملا۔^(۳)

اُسی روز یعنی ۵ ربیع الاول بروز سوموار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تینوں ساتھیوں کے ہمراہ معمول کا راستہ چھوڑ کر بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔



^(۱) نجم الحسن کراروی (متوفی ۱۹۸۴ء)، چودہ ستارے، ص ۶۳، بحوالہ عجائب القصص، ص ۲۵

^(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۶۳۲ء)، مدارج النبوت، ج ۲ ص ۸۸، بحوالہ المواہب اللدنیۃ

^(۳) علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۱۱

خیمہ امِ معبد عاتکہ میں روشنی

غارِ ثور سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے، راستے میں حضور ﷺ نے ایک بوڑھی عورت امِ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمہ کو رونق بخشی۔ وہ خاتون وہاں سے گزرنے والے مسافروں کی تواضع کیا کرتی تھی۔ حضور ﷺ نے اُس سے کھجوریں، دودھ اور گوشت طلب فرمایا۔ اُس نے کہا کہ قحط سالی اور تنگدستی کی وجہ سے میرے پاس کچھ بھی نہیں اور اگر کچھ ہوتا تو ضرور حاضر کرتی۔ اُس وقت اُس کے خیمے میں ایک نہایت نحیف و ناتواں بکری موجود تھی جو کمزوری و ناتوانی کے سبب ریوڑ کے ساتھ چراگاہ جانے سے رہ گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا، ”کیا یہ دودھ دیتی ہے؟“ وہ کہنے لگی، ”یہ اتنی لاغر ہے کہ اس میں دودھ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”اگر تم اجازت دو تو میں اس کا دودھ دودھ لوں؟“ امِ معبد نے کہا، ”میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں اگر آپ (ﷺ) کو اس میں دودھ نظر آتا ہے تو ضرور دودھ لیں۔“ پس رسول اللہ ﷺ نے بکری کے ایک پاؤں کو دوسرے سے ملایا، اپنے دستِ مبارک کو اُس کے تھنوں پر پھیرا اور بِسْمِ اللہ کہہ کر فرمایا، ”اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهَا فِيْ شَايَئِهَا“، یعنی اے اللہ اس بکری میں برکت دے، تو اُس کے تھن دودھ سے اتنے بھر گئے کہ اُس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ آپ ﷺ نے امِ معبد سے برتن طلب فرمایا اور دودھ دوہنا شروع کیا، وہ برتن دودھ سے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے تمام خیمہ والوں کو وہ دودھ پلایا اور اُن کے خوب سیر ہو جانے کے بعد اپنے ساتھیوں کو دیا اور آخر میں خود بھی نوش فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ دودھ دوہنا شروع کیا تو خیمہ میں موجود تمام برتن بھر گئے، پھر آپ ﷺ نے بکری کو چھوڑ دیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ بکری اٹھارہ سال تک زندہ رہی اور صبح و شام اسی طرح دودھ دیتی رہی۔ امِ معبد کا شوہر جس کا نام اکتم بن حوان تھا، چراگاہ سے لوٹا تو دودھ سے بھرے ہوئے برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بیوی سے پوچھا کہ اتنا دودھ کہاں سے آیا؟ امِ معبد نے کہا کہ ہمارے پاس ایک

نہایت خوش اخلاق و خوش رو اور برکت والا شخص آیا تھا جس کی بدولت یہ دُودھ آیا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے کہا:

”پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خُو، نہ تو نڈنگی ہوئی اور نہ ہی سر کے بال جھڑے ہوئے۔ صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال سیاہ، لمبے، گھنے اور گھنگریالے۔ آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مُردُمک (آنکھ کی پتلی)، سر مگیں چشم، باریک و پیوستہ اُبرو۔ خاموش اور باوقار گویا دل بستگی لیے ہوئے۔ دُور سے دیکھنے میں دیدہ زیب و دل فریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین۔ شیریں کلام، کلام کی ویشی سے معرّٰی، نہ کم سخن نہ فضول گو، واضح الفاظ، تمام گفتگو جیسے موتیوں کی لڑی پر رُوئی ہوئی ہو۔ میانہ قد، کوتاہ نہ طویل کہ آنکھ کو بُرا لگے یعنی دیدہ زیب پودے کی تروتازہ شاخ کی طرح خوبصورت نظر آنے والا۔ ساتھی اور رفیق ایسے کہ ہر وقت اُس کے حضور پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو چپ چاپ سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ ایسا مخدوم جس کی اطاعت کی جائے۔“

رسول گرامی ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرنے کے بعد اُس نے تمام واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ وہ عورتِ عاقلہ، فصیح و بلیغ زبان و بیاں رکھتی تھی اُس کے کلام نے شوہر کو متاثر کیا اور وہ کہنے لگا کہ خدا کی قسم! یہ وہی ہیں جن کی تلاش میں قریش سرگرداں ہیں اور جن کا شہرہ سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ کاش میں اُس وقت موجود ہوتا جب وہ یہاں تشریف لائے تھے تو اُن کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا۔ میں تمنا کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ مل جاؤں، اُن کی جماعت میں شامل ہو جاؤں اور ہمیشہ اُن کی خدمت کرتا رہوں۔^①

منقول ہے کہ اس کے بعد دونوں میاں بیوی نے ہجرت کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۵۱۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی،

مدارج النبوت، ج ۲ ص ۹۰۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، کتاب: رَحْمَةُ اللّٰعَالَمِینِ ﷺ، ج ۱ ص ۱۱۰

رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک

اُمّ معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی ایک ضعیف لیکن عاقلہ اور فصیح و بلیغ زبان و بیاں رکھنے والی خاتون تھیں۔ ایک مختصر ملاقات میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک اور شخصیت کو ملاحظہ کر کے جو تفصیل اپنے شوہر سے بیان کی وہ تقریباً وہی ہے جو اہلبیت اطہار علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف روایات میں ملتی ہے۔ ہم یہاں پر چند روایات پیش کر رہے ہیں، واضح رہے کہ ان روایات میں استعمال کی گئی تشبیہات راویان نے محض سمجھانے کے لیے بیان کی ہیں ورنہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ نہ کسی کی مثل ہے اور نہ ہی کوئی چیز آپ ﷺ کی مثل۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ طویل قامت تھے نہ پست قد، بلکہ متوسط قامت تھے (یہ بات پیش نظر رہے کہ عہد نبوی ﷺ میں عربوں کا اوسط قد بھی ایک طویل قامت پاکستانی کے برابر تھا)۔ آپ ﷺ فر بہ تھے نہ دُبلے پتلے۔ بال گھونگریالے تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے بل کھائے ہوئے تھے۔ چہرہ مبارک گول سا اور رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ آنکھیں سیاہ اور پلکیں لمبی تھیں۔ جوڑ مضبوط تھے۔ بدن پر بال نہیں تھے، صرف بالوں کی ایک لکیر تھی جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ ہاتھ پاؤں پر گوشت تھے۔ جب چلنے کے لیے قدم اٹھاتے تو یوں لگتا جیسے بلندی سے نیچے اتر رہے ہوں۔ کسی کی طرف دیکھتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے (صرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے یا گردن گھما کر دیکھنے میں عموماً غرور کا عنصر پایا جاتا ہے جب کہ پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہونے کا مطلب ہے کہ دیکھنے والا پوری طرح متوجہ ہے۔ مؤلف)۔ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔^①

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے ہی روایت ہے کہ آپ ﷺ کے چہرہ انور میں (چودھویں کے چاند کی طرح) تدویر (گولائی) تھی۔ جلد اقدس اور بشرہ مبارکہ انتہائی ملائم اور رقیق و نفیس

① ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر مصلیٰ علیہ السلام ص ۳۸ بحوالہ ترمذی و مشکوٰۃ، باب اسماء النبی و صفاتہ

تھا۔ رنگ سفید تھا جس پر سرخی جھلکتی تھی جیسے چاندی پر سونے کا پانی چڑھا ہو یعنی بظاہر سرخی مائل تھا مگر بغور دیکھنے سے جسم پُر نور سے انور پھوٹے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ ریش مبارک عظیم اور مقدار میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔ گردن صفائی اور سفیدی کے لحاظ سے چاندی کے کوزہ کی مانند تھی۔ کاندھوں اور گردن کی درمیانی جگہ یعنی شانے فریبہ تھے۔ باکرامت انگلیاں ہتھیلیوں کی جانب سے موٹی اور طویل تھیں۔ مقدس ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ کف دست اور پاؤں ضخیم تھے۔ اعضاء مبارکہ اور ہڈیوں کے منتہا ضخیم و عظیم تھے (جو کہ خدا داد قوت و طاقت کے مظہر سمجھے جاتے ہیں)۔ آپ ﷺ انتہائی بلند قامت تھے نہ کوتاہ قد بلکہ درمیانہ قدر عطا تھا۔ بدن مبارک بالوں سے خالی تھا، صرف سینہ اقدس اور ناف کے درمیان بال تھے۔ پسینے کے قطرے چمک دمک میں موتیوں کی مانند تھے اور خوشبو و مہک کے لحاظ سے کستوری کی طرح۔^①

حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر اقدس عظیم تھا۔ گیسو درمیانے گھنٹکریا لے تھے، کنگھی کرنے سے الگ الگ اور سیدھے ہو جاتے ورنہ اکٹھے ہو جاتے مگر کانوں سے نیچے نہیں آتے تھے، بالوں کی مقدار نہایت مناسب تھی یعنی کم نہ زیادہ۔ چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی مانند چمکتا تھا۔ جبین اقدس کشادہ تھی۔ ابرو طویل اور باریک بالوں والے تھے، باہم ملے ہوئے نہ تھے مگر دُور سے دیکھیں تو لگتا تھا کہ ملے ہوئے ہیں، دونوں کے درمیان میں ایک رگ مبارک تھی۔ چشم مطہر کی پتلیاں بہت سیاہ اور پلکیں دراز تھیں۔ مقدس رخسار چمکے ہوئے نہ تھے بلکہ پُر گوشت تھے اور چہرہ انور کو چودھویں کے چاند کی مانند گول ظاہر کرتے تھے۔ ناک بلند اور درمیان سے ذرا خمیدہ معلوم ہوتی تھی جس کی بلندی درحقیقت نہ تھی بلکہ کمال درجہ کی موزونیت تھی جو محض جلوہ نوری وجہ سے بادی النظر میں بلندی کا تاثر پیدا کرتی تھی۔ گردن مبارک دراز معلوم ہوتی اور اس میں چاندی کی مانند صفائی اور سفیدی تھی۔ ریش مطہر گھنی تھی۔ سینہ اقدس چوڑا تھا نیز سینہ اور شکم مبارک متوازی تھے۔ جسد رحمت چمکدار و شفاف اور بالوں سے خالی تھا

① عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ الوفا بحوالہ المصطفیٰ ﷺ) ص ۷۷ تا ۷۸

البتہ سینہ انور کے اوپر والے حصہ، کلائیوں اور کاندھوں پر بال تھے، سینہ اطہر سے ناف تک بالوں کا ایک باریک سا خط تھا۔ مقدس ہتھیلیاں کشادہ اور فراخ تھیں۔ پاؤں مبارک کے چلی جانب ذرا سا خم تھا، زیادہ پر گوشت بھی نہ تھے، تروتازہ ایسے کہ معلوم ہوتا بھی ان سے پانی بہہ کر الگ ہوا ہے۔ جسد مطہر میں کمال اعتدال تھا یعنی بالکل دبلا پتلا تھا اور نہ بہت بھاری۔ عمر مبارک کے آخری حصہ میں بھی بدن اقدس میں ڈھیلا پن اور استرخاء (گوشت کا ڈھیلا ہو کر لٹک جانا) پیدا نہیں ہوا تھا۔ آپ عام درمیانہ قد والے لوگوں سے دراز قامت اور لمبے لوگوں کی نسبت درمیانہ قامت تھے۔^①

ایک اور حدیث معتبر میں امام حسن اور امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا۔ سر کے بال نہ بہت گھنگریالے تھے نہ ہی بالکل سیدھے، اکثر اوقات کان کی لو سے آگے نہیں بڑھتے تھے، جب کبھی زیادہ لمبے ہو جاتے تو بیچ میں سے مانگ نکال لیا کرتے تھے۔ چشم اقدس سے عظمت اور سینہ اطہر سے ہیبت نمایاں تھی۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح چہرہ مبارک سے نور درخشاں تھا۔ ابرو باریک، کمان کی طرح کھنچے ہوئے تھے اور باہم ملے ہوئے نہ تھے، بعض روایات میں ہے کہ ملے ہوئے تھے۔ ایک رگ پیشانی کے درمیان تھی جو غصہ کے وقت پھول جاتی اور ابھر آتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک منور، کشیدہ، باریک اور درمیان سے اٹھی ہوئی تھی۔ دہن اقدس بالکل چھوٹا نہ تھا۔ دانت سفید براق، نازک اور کشادہ تھے۔ ریش مبارک گھنی تھی جس کے بال برابر تھے، ادھر ادھر نکلے ہوئے نہ تھے۔ گردن مبارک صفائی، درخشندگی اور استقامت میں صیقل کی ہوئی چاندی کی طرح لگتی تھی۔ نہایت نرم بال سینہ سے ناف تک اُگے ہوئے تھے جیسے بالوں کا ایک باریک سیاہ چمکدار خط۔ ایک روایت کے مطابق سینہ اور شکم بالوں سے خالی تھے مگر ہاتھوں اور شانوں پر بال تھے۔ کمر سے اوپر کچھ بلندی تھی جس سے بلند معلوم ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے تمام اعضاء نہایت مناسب اور قوی تھے اور

① عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۴۲ تا ۵۸

سینہ اور پیٹ ایک دوسرے کے برابر تھے۔ دونوں شانوں کے درمیان کشادگی تھی۔ تمام جوڑوں کے سرے مضبوط اور ٹھوس تھے جو شجاعت و قوت کی علامت ہوتے ہیں اور عرب میں قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں۔ بدن مبارک سفید نورانی تھا، مثل چاندی کے جس پر صقل کیا ہوا ہو۔ کلائیوں چوڑی اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔ ہاتھ پاؤں مضبوط تھے، یہ صفات مردوں کے لیے پسندیدہ اور طاقت و شجاعت کی علامتیں سمجھی جاتی ہیں۔ انگلیاں لمبی، بازو اور پنڈلیاں صاف و کشیدہ تھیں۔ پیروں کے تلوے برابر نہ تھے بلکہ درمیان سے خالی تھے۔ (یعنی تلوے کچھ حد تک مخرابی تھے)۔^①

روایت ہے کہ ہند بن ابی ہالہ، رسول خدا ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُن سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ میانہ قد تھے لیکن دُور سے چھوٹے نظر نہیں آتے تھے اور نہ اتنے طویل قامت تھے کہ آنکھ کو بُرا لگے۔ چہرہ پاکیزہ اور کشادہ تھا جس پر چاند کی سی چمک تھی۔ رنگت سفید اور چمکدار۔ آپ ﷺ کا سر بڑا مگر اعتدال و مناسبت کے ساتھ تھا۔ مانگ درمیان سے نکلی ہوئی۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو خمیدہ، باریک اور گنجان اور دونوں کے درمیان میں ایک رگ کا اُبھار جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتی تھی۔ پتلیاں سیاہ۔ دیکھنے کا انداز حیا دارانہ اور نظریں نیچی تھیں۔ ناک بلندی مائل، اس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے ابتدائی نظر میں بڑی معلوم ہوتی تھی۔ رخسار ہموار اور ہلکے، نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔ دہن بہ اعتدال فراخ۔ ریش مبارک بھرپور اور گنجان بال۔ گردن پتلی، لمبی جیسے نہایت خوبصورتی سے تراشی گئی ہو۔ گردن کی رنگت چاندی جیسی اُجلی اور خوشنما۔ بدن پر بال زیادہ نہ تھے، سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی۔ سینہ چوڑا، سینہ اور پیٹ ہموار۔ کندھوں، بازوؤں اور سینے کے بالائی حصے پر تھوڑے سے بال تھے۔ اعضا کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط۔ کلائیوں دراز۔ ہتھیلیاں فراخ۔ انگلیاں ایک حد تک لمبی۔ ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت۔ تلوے قدرے گہرے۔ پاؤں ایسے چکنے کہ اُن پر پانی نہ ٹھہرے۔ رفتار باوقار۔ چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے

① علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۶۹۸ء)، حیات القلوب، ج ۲ ص ۲۰۶

بلندی سے اتر رہے ہوں۔ جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے جسم کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہوتے۔ آسمان کی بجائے زمین پر زیادہ نگاہ رکھا کرتے تھے اور ہر ملنے والے پر سلام میں پہل کرتے۔“^(۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد ماجد سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو فرماتے کہ حمد و ثنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے میرے خلق یعنی بیت و صورت اور قد و قامت کو اور میرے خلق یعنی سرشت اور عادات و خصائل کو حسین بنایا ہے۔“^(۲)

حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث کیا وہ خوبصورت اور اُس کی آواز حسین تھی یہاں تک کہ تمہارے نبی کو بھی حسین صورت اور حسین آواز دے کر مبعوث فرمایا۔“^(۳)

حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخی مائل سفید تھیں یعنی سفیدی میں باریک سرخ دھاریاں تھیں، جب میں اُن کی طرف دیکھتا تو سوچتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُرْمہ لگا رکھا ہے حالانکہ وہ قدرتی دھاریاں تھیں نہ کہ سُرْمہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پنڈلیاں قدموں کی طرف سے انتہائی موزوں انداز میں پتلی تھیں اور زیادہ موٹی نہ تھیں۔“^(۴)

عبدالرحمن بن مالک بن حشم نے اپنے باپ سے روایت کیا اور انہیں اُن کے بھائی سراقہ نے بتایا کہ میں نے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور پاؤں مبارک رکاب میں تھے۔ آپ

^(۱) الشیخ الصدوق بن بابویہ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین (متوفی ۳۸۱ ہجری)، عیون اخبار الرضا جلد ۱ ص ۵۵۱

^(۲) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر مرسلین ص ۳۸ بحوالہ البیہقی، شعب الایمان، در مشکوٰۃ،

باب الرفق والحیاء وحسن الخلق

^(۳) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر مرسلین ص ۷۷ بحوالہ ابن سعد

^(۴) عبدالرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ الوفا بحوالہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۴۴، ۴۵، ۴۵

ﷺ کی پنڈ لیاں (سفیدی اور چمک دمک کی وجہ سے) یوں معلوم ہو رہی تھیں جیسے کھجور کا خوشہ اپنے پردے سے ابھی ابھی باہر نکلا ہو۔^(۱)

”مسلم“ میں جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی مبارک ایڑیاں زیادہ بھاری اور پُر گوشت نہیں تھیں بلکہ خفیف اللحم اور ذرا پتلی تھیں۔^(۲)

ورقہ بن نوفل سے جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے چچا زاد بھائی تھے، روایت ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ چاند سا، پیشانی روشن اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ آپ ﷺ کی باتیں شہد و شکر سے زیادہ شیریں تھیں۔ جب چلتے تو یوں لگتا جیسے چودھویں کا چاند متحرک ہو اور ابر رحمت برس رہا ہو۔ آپ ﷺ مجسم حُسن اور عالی نسب تھے۔ آپ ﷺ اخلاقِ حسنہ کا پیکر تھے اور حُسنِ سیرت میں دُنیا بھر میں بہترین تھے۔ جب چلتے تو آپ ﷺ کے لٹکے ہوئے بالوں سے سیاہی ٹپکتی، آپ ﷺ کے رخسار گلاب کی کلی سے زیادہ شاداب اور آپ ﷺ کی خوشبو خالص مُشک سے زیادہ معطر تھی۔^(۳)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حبیبِ خدا ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین، جاذبِ نظر اور دلکش تھے۔ آپ ﷺ کی رنگت بالکل گندم گون تھی نہ ہی بالکل سفید، اس میں بہت آب و تاب اور چمک دمک تھی۔ بال درمیانے گھنگریالے تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی انتہائی سخت۔ دستِ مبارک سب لوگوں سے زیادہ ملائم تھے، میں نے ہر قسم کے ریشم دیکھے بھالے ہیں مگر جو لطافت و نفاست اور نرمی و ملائمت آپ ﷺ کی ہتھیلی میں تھی وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں دس سال گزارے۔ میں نے کئی طرح کے عطر سونگھے اور اُن کی خوشبوؤں کو محسوس کیا مگر نبی اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر سے پھوٹنے والی خوشبو اور مہک اُن تمام سے

^(۱) عبد الرحمن ابن جوزی، سیرتِ سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ)، ص ۵۵

^(۲) مختصر صحیح مسلم حدیث ۱۵۵۶

^(۳) ذاکر نصیر احمد، کتاب: پیغمبرِ اعظم ﷺ، ص ۳۹ بحوالہ مولوی محمد عبداللہ، خطباتِ نبوی ﷺ

بڑھ کر تھی، گویا کہ دُنیا کے مُشک و عنبر کو اُس کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی۔ آپ ﷺ میانہ قامت تھے یعنی نہ انتہائی طویل اور نہ پست قامت ہی۔^①

حضرت انسؓ ہی سے یوں بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رنگت میں لطافت و چمک تھی۔ آپ ﷺ کے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح تھے۔ جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی طرف جھکے ہوئے سے لگتے۔ میں نے دیاوریشم کو بھی آپ ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا، اور کوئی مُشک و عنبر ایسا نہیں سونگھا جس کی خوشبو نبی کریم ﷺ کی خوشبو سے بہتر ہو۔^②

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سرورِ عالم ﷺ کی قامتِ زیبا کا اعجاز تھا کہ آپ ﷺ اگر کسی طویل آدمی کے ساتھ مل کر چلتے تو اُس سے بلند نظر آتے اور بسا اوقات دو بلند قامت آدمیوں کے درمیان چلتے تو آپ ﷺ اُن دونوں سے دراز قامت معلوم ہوتے۔ جب آپ ﷺ اُن سے الگ ہوتے تو میانہ قامت دکھائی دیتے۔ پسینہ مبارک چہرہٴ انور پر یوں معلوم ہوتا جیسے لؤلؤ اُبار ہوا اور خوشبو کے لحاظ سے وہ خالص کشموری سے زیادہ پاکیزہ اور مہک والا ہوتا۔ گیسوئے مبارک کانوں اور کندھوں کے درمیان آتے تھے۔^③

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ وصال کے وقت آپ ﷺ کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔^④

ابو اہلق سے مروی ہے کہ حضرت براء سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک (چمک دمک کی نسبت سے) تلوار کی مانند تھا؟ تو اُنہوں نے کہا نہیں بلکہ وہ چودھویں کے چاند کی طرح تھا۔ یعنی تلوار کی چمک سیاہی مائل ہوتی ہے جبکہ سرورِ کائنات ﷺ کے چہرہ اقدس کی چمک

① عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۶۶ تا ۶۳

② صحیح بخاری، صحیح مُسلم، مشکوٰۃ

③ عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۶۶ تا ۶۳

④ جامع ترمذی، ج ۲ حدیث نمبر ۳۳۹۹

میں سیاہی کا میلان ذرا سا بھی نہیں تھا۔ نیز تلوار کی تشبیہ میں چہرہ انور کی طولانی کا گمان پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ چودھویں کے چاند کی طرح گول تھا۔^(۱)

حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا، میں کبھی آپ ﷺ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف۔ آپ ﷺ اُس وقت سرخ لباس پہنے ہوئے تھے، میرے نزدیک آپ ﷺ چاند سے زیادہ حسین لگ رہے تھے۔^(۲)

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا رُخ انور کھل اُٹھتا اور یوں لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔^(۳)

حضرت ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت مسعود بن عفراسے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کریں۔ انہوں نے کہا، ”یہاں! اگر تو آنحضرت ﷺ کو دیکھتا تو تجھے یوں لگتا جیسے آفتاب نکلا ہوا ہو۔“^(۴)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ جب آپ ﷺ چراغ کے ساتھ کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ کا نور چراغ کی روشنی پر غالب آجاتا اور جب آپ ﷺ سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ کے چہرہ انور کی چمک دیکھ کر سورج کی ضیا پر غالب آجاتی۔^(۵)

عبدالرحمن ابن جوزی، الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ میں لکھتے ہیں، ”امام سیوطی نے خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۶۸ پر حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ذکوان کی روایت درج فرمائی ہے کہ رسول

^(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری

^(۲) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۳۹ بحوالہ: ترمذی، دارمی در مشکوٰۃ

^(۳) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۳۹ بحوالہ: صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ

^(۴) ذاکر نصیر احمد ناصر، کتاب: پیغمبر اعظم و آخر ﷺ ص ۳۹ بحوالہ: دارمی در مشکوٰۃ

^(۵) عبدالرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء ﷺ (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ) ص ۶۱

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ سورج کی روشنی میں نظر آتا تھا اور نہ چاند کی چاندنی میں ہی اور فرمایا کہ ابن ربیع نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں ذکر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے لہذا جب دن کی روشنی یا چاند کی چاندنی میں چلتے تو سایہ نظر نہیں آتا تھا اور بعض نے اس پر دعاء نور یعنی ”واجعلنی نوراً“ (اے اللہ مجھے مجسم نور بنادے) سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ایک موقع پر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا۔ شیخ محقق نے مدارج جلد ثانی میں صفحہ ۱۶۱ پر فرمایا کہ حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے سورج اور چاند کے اندر سایہ نہ ہونے کی روایت نقل کی ہے اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان بزرگوں پر تعجب ہے کہ چراغ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ سایہ چراغ کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتا تھا اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء طیبہ میں سے نور بھی ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ نور محض ایسا نام نہیں جس کے تحت کوئی معنی اور حقیقت جلوہ گر نہ ہو۔ مولوی رشید احمد دیوبندی نے امداد السلوک میں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونا تو اتر اور شہرت کے ساتھ ثابت ہے۔“^①

(حصہ اول تمام شد)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مُحَمَّدٍ



① عبد الرحمن ابن جوزی، سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ: الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۴۶۱ تا ۴۶۲